إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

از

خواجہ محمد عباد اللہ اختر بی۔اے امرتسری

مؤلف

بغداد، دمشق، مشاہیر اسلام، ام القریٰ وغیرہ

بفرمائش

صاحب الصدق والیقین شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین تاجران کتب

بازار کشمیری لاہور

سنہ ۱۳۳۹ھ مطابق سنہ ۱۹۶۲ء

مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور باہتمام حافظ مظفر الدین پرنٹر

شجرۂ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مالک (حضرت ابراہیمؑ سے ۵۸ پشت ہیں)

حارث
فہر
حرب　ضبہ
غالب
امیہ　وہب
کعب
عامر　ہلال　عدی　مرہ　ہصیص
لقیط　الجراح　زراح　تیم　کلاب　یقظہ　سہم
عبدقیس　عبیداللہ　قراط　سعد　قصی　زہرہ　مخزوم　سعید
عقبہ　ابوعبیدہ بن عامر　عبداللہ　کعب　عبدالدار　عبدمناف　عبدالعزی　عبدمناف　عمرو　ہشام
(فاتح افریقہ)　(امین الامۃ)　رباح　عمرو　عبدشمس　ہاشم　مطلب　نوفل　اسد　وہب　عبداللہ　وائل
عبدالعزی　عامر　عثمان　امیہ اکبر　عبدالمطلب　آمنہ　ابی وقاص مالک　المغیرہ　ابوالعاص
نفیل　ابی قحافہ عثمان　عبیداللہ　حرب　ابوالعاص　سعد فاتح فارس　ابی حذیفہ　ہشام　ولید　عمرو (فاتح مصر)
عمرو　خطاب　عبداللہ صدیق اکبر　طلحہ (عشرہ مبشرہ)　ابوسفیان　خویلد　عوام　ابوولید　عمر ابوجہل　خالد (سیف اللہ)
زید　امیر معاویہ　خدیجہ　زبیر رض　ام المومنین ام سلمہ　عکرمہ بن ید
سعید رض (عشرہ مبشرہ)　عمر فاروق اعظم　حکم　عفان　اسید　عبداللہ　مصعب
عبدالرحمن　محمد　عائشہ　عبداللہ　اسماء　ام کلثوم　مروان
عثمان ذی النورین غنی رض
حمزہ　عباس　ابولہب　عبداللہ　ابوطالب
عبداللہ　عتبہ　عتیبہ　محمد خاتم النبیین　جعفر　علی رض　عقیل
حسن　حسین رض

خلافت

پیشتر اس کے کہ ہم ظاہر کریں کہ خلافت کیا ہے اور خلیفہ کسے کہتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھیں کہ خلافت اور خلیفہ کو لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ ہماری اپنی تو یہ رائے ہے۔ کہ ع

چو ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

حضرت انسان کا کیا مذکور ہے۔ ملائکہ کے اعتراض پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جب ارشاد فرمایا کہ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" تو کہا کہ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ملائکہ نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ تسبیح و تحمید و تقدیس ہی میں خلافت کا راز مضمر ہے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا اعتراض کہ آدم مفسد اور خونریز ہو گا غلط فہمی پر مبنی تھا۔ استحقاق خلافت جیسا کہ آیات مابعد سے واضح ہوتا ہے "علم" پر مبنی تھا۔ آدم زمین پر سب سے زیادہ حقائق اشیا کا عالم ہے اور اسی لئے نظم و نسق اسی کے ہاتھ میں ہے + یہ امر کہ آدم مفسد ہو گا بدیہی امر ہے لیکن پسندیدہ نہیں جیسا کہ آیات ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ فساد سے منع کیا گیا ہے:-

۱- وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (۲-۱) +
اللہ تعالیٰ مفسدین کو دوست نہیں رکھتا۔

۲- وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا، وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (۶-۱۳)

یہ غلط فہمی کچھ ایسی متعدی رہی ہے۔ کہ اکثر فرشتہ خصلت علماء کی یہ رائے ہے کہ خلیفہ کو انسان نہیں بلکہ ملک ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ جواب کہ "اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ" کافی ہے +

بعض علماء یہ سمجھتے ہیں کہ خلافت شخصی ورثہ ہے۔ جو ورثاء ہی کو پہنچتا ہے اُن کی رائے میں خلافت محض شخصی حکومت ہے، اس پر مفصل بحث ہم مناسب مقام پر کرینگے۔ اگرچہ شخصی حکومت کو ہم خلافت سے خارج نہیں سمجھتے لیکن اس دعوے سے افسوس ہے کہ اتفاق نہیں کر سکتے۔ کہ خلافت شخصی ورثہ ہے۔ یہ دعویٰ کہ خلافت شخصی جائداد نہیں اس دعوے سے مختلف ہے کہ خلافت میں شخصی حکومت شامل ہے، آگے چل کر ہم اصل اصول خلافت بیان کرینگے تو اختلاف واضح ہو جائیگا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ خلافت شخصی جائداد ہے تو لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ غصب بھی ہو سکتی ہے لیکن خلافت کی نسبت ہماری یہ رائے ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت اسے غصب نہیں کر سکتی، آیہ استخلاف سے

اصلاح اور فساد ایک دوسری کی ضد ہیں :-

۳- وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا (۸ - ۱۸)

مفسدین کا انجام ہمیشہ بد ہوتا ہے :-

۴- وَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ (۸ - ۱۸)

خلافت کا منشا اصلاح ہے اور فساد کا مٹانا :-

۵- واذ قال موسیٰ لاخیہ ھرون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین + (۹ - ۷)

مفسدین کا عمل صلاح کے مخالف ہوتا ہے :-

۶- ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین (۱۱ - ۱۳)

ایمان و صلاحیت اور فساد میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تقوے اور فجور میں :-

۷- ام نجعل الذین اٰمنوا و عملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار + (۲۳ - ۱۲)

خونریزی صرف فتنہ و فساد کو مٹانے کے لئے واجب ہے اور ایسی خونریزی عین اصلاح ہے :-

۸- ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین (۳ - ۲)

خواہشات نفسانی فساد کا موجب ہیں۔ تقوے سے صلاح ہوتی ہے :-

۹- ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن +

جس پر مفصل بحث ہم کرینگے۔ واضح ہوتا ہے کہ خلافت ایسی ہی حکومت ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پیشتر تھی۔ اگرچہ اسلامی خلافت اور گذشتہ حکومتوں میں بلحاظ مراتب فرق ہے مگر نوعیت میں کچھ فرق نہیں۔ علماء جنکی یہ رائے ہے کہ خلافت "شخصی جائداد" ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقربین کو مستحق خلافت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی اصل اصول وراثت "اقربین" کے فائق حقوق کا شاہد ہے۔ چونکہ ہم تاریخ خلافت لکھ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں علماء کے بحث و مباحث سے کچھ غرض نہیں۔ ہم تاریخی پہلو سے ان دلائل پر غور کرتے ہیں۔ جو مدعیان خلافت ایک دوسرے کے مخالف استعمال کرتے رہے ہیں۔

المنصور عباسی جس نے بغداد کی تعمیر کے ساتھ خلافت عباسیہ کا سنگِ بنیاد دجلہ کے کناروں پر رکھا۔ جس کی کیفیت ہم نے اپنی کتاب "بغداد" میں مفصل بیان کی ہے ایسا بادشاہ گذرا ہے کہ جس کے جانشین "ہارون" اور "مامون" جیسے خلف رشید ہوئے ہیں۔ اس کے عہد میں محمد المہدی ہاشمی نے خروج کیا۔ اس کی خلافت کے متعلق وہ تمام احادیث پیش گوئیوں کی صورت میں اب بھی ابتدائی طاقت سلسلہ کے ساتھ موجود ہیں۔ جن سے ہر ایک زمانہ میں مدعیان مہدویت فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔ منصور کو سخت فکر لاحق ہوا۔ ایک خط لکھا کہ اگر اطاعت کرو تو تمہیں اور تمہارے کل خاندان والوں اور تمہارے فرمانبرداروں کو امن دیتا ہوں اور تمہاری اور ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہوں۔ ایک لاکھ درہم بطور وظیفہ بھی دونگا اور جہاں خواہش ہو رہو"۔

محمد المہدی نے جواب میں لکھا کہ تم فرعون ہو اور تمہارے مطیع آلِ فرعون ہیں ہم بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں جن پر تم نے طرح طرح کے ظلم روا رکھے۔ حالانکہ فی الحقیقت خلافت ہمارا حق ہے۔ اور تم ہمارے ہی سبب اس کے مدعی بنے اور تمہاری کامیابی ہمارے ہی باعث ہوئی۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ تم ہماری امداد کر رہے ہو اور اس لئے وہ تمہارے ساتھ ہو گئے۔ الغرض تم نے تقویت حاصل کر کے ہمارا حق غصب کر لیا۔ تم ہمارے مطیع تھے اب مختار بن بیٹھے۔ ہمارا باپ علی وصی اور امام تھا۔ اور ہم اُس کے

وارث ہیں تم اس کے جانشین کس طرح ہو سکتے ہو۔ حالانکہ اس کے حقیقی وارث یعنی ہم زندہ ہیں بنو ہاشم میں کسی شخص کا سلسلہ قرابت ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارا سلسلہ قرابت سابقیت اور فضل کا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں تم پر شرف دیا ہے اور برگزیدہ بنایا ہے۔ نبیوں میں ہمارے والد محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو سب سے افضل ہیں۔ اور سلف میں علی (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) ہیں۔ جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ ازواج میں خدیجہؓ طاہرہ ہیں جنہوں نے سب سے اول قبلہ رُو نماز پڑھی۔ اور لڑکیوں میں بہترین دختران رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ان میں فاطمہؓ سیدۃ النساء عالمین ہیں۔ اور مولودین اسلام میں حسنؓ وحسینؓ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ میں باعتبار نسب بہترین بنی ہاشم ہوں۔ مجھ میں کسی عجمی کا میل نہیں اور نہ میں کنیزک زادہ ہوں۔ اور نہ میرے سلسلہ میں یہ عیب ہے۔ قدیم الایام سے میرے آبا و اجداد و اُمہات ممتاز چلے آئے ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا مرتبہ سب سے بڑا ہے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) میں اس کا فرزند ہوں جسکو دوزخ میں کمتر عذاب ہوگا (ابو طالب) میں اللہ تعالےٰ کو ضامن دیکر تمہیں امان دیتا ہوں اگر اطاعت کرو اور میں تم سے زیادہ مستحق خلافت ہوں اور عہد کو پُورا کرنے والا ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو اماں دی تھی۔ ان لوگوں میں سے تم مجھے کس کی امان دیتے ہو۔ ابن ہبیرہؓ یا عبداللہؓ بن علیؓ یا ابومسلمؒ کی +

اس خط میں محمد المہدی نے علاوہ دیگر امور منصور کے حسب نسب اور اُس کی بدعہدی پر سخت چوٹیں کی ہیں کہ تو کنیزک زادہ ہے اور لوگوں کو امان دیکر فریباً قتل کیا۔ منصور نے جواب الجواب لکھا کہ :-

"تمہارے فخر کا دارومدار صرف عورتوں کی قرابت پر ہے۔ جس میں صرف ابلہ فریب باتیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کو چچاؤں، باپوں، عصبہ، اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ اللہ تعالےٰ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے۔ بلکہ کتاب اللہ میں وہ قریب ترین ماں پر مقدم ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ عورتوں کی قرابت

معذرت

خلفاء راشدین اور خلافت راشدہ کے متعلق دنیا کی ہر ایک مہذب زبان میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تواریخ عالم کا علم خلافت راشدہ کے علم کے بغیر ناممکن ہے ایام جاہلیت (Dark ages) اور قرون وسطیٰ اور موجودہ زمانہ میں جو کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا ہے اور ہو رہا ہے وہ قانونِ ارتقا کے تحت ہوا اور ہو رہا ہے۔ قوموں کا عروج و نزول، حکومتوں کی ابتدا اور انتہا نہ صرف اولی الابصار کے لئے اخلاقی سبق ہے بلکہ بحیثیت مجموعی انسانی ترقی کی شاہد ہے، عدل و رحم کی دل بہلانے والی واقعات ظلم و ستم کی دلخراش داستانیں، ہمیں ایک ایسے قانون اور ایسے نظام کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جو آفرینش سے اس وقت تک برابر اپنا کام کر رہا ہے اور جس میں کسی زمانہ میں کبھی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا اور نتیجہ یہ ہے کہ کبھی تغیر واقع نہ ہوگا، ایام جاہلیت اور قرون وسطیٰ میں حکومتوں کا عروج و نزول قوموں کے عروج و نزول کی تاریخی واقعات ہیں لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قانون ارتقا کے زیر اثر بحیثیت مجموعی دنیا کی ترقی اور بالخصوص بنی نوع انسان کی ترقی کی علمی شہادت ہے حضرت انسان مسلسل ترقی کرتا ہوا چلا آرہا ہے اور چلا جا رہا ہے یہ سلسلہ ترقی کبھی کسی زمانہ میں نہیں ٹوٹا اور نہ ٹوٹے گا۔ دنیا میں قومیں ایک ایک کر کے اٹھیں اور میدان ترقی میں قدم رکھا اور دوسری قوموں سے آگے بڑھ گئیں۔ آخر سانس پھول گیا ستانے کے لئے ٹھہریں مگر دوسری قوموں نے دم لینے نہ دیا۔ ان کو پامال کرتی ہوئی آگے بڑھیں اسی طرح یہ سلسلہ

جاری ہے۔ اِس میدان ترقی میں اور سچ پوچھو تو دنیا میں کہیں سکون نہیں ہے ایک حرکت ہے اور حرکت ترقی کی طرف ہے۔

دنیا میں بیشمار قومیں گذری ہیں جن کی حکومتوں کے آثار ان کی تہذیب و تمدن کی شہادت دے رہے ہیں۔ اسی طرح قومیں عروج و نزول کرتی رہیں اور کرتی رہینگی جب تک حضرت انسان ترقی کی ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے۔

ترقی کی اس خاص حد کے متعلق کچھ کہنا پیش از وقت ہے۔ اور یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن ایک مؤرخ جو حضرت انسان کا مطالع اس کی آفرینش سے کر رہا ہے بہت کچھ اس کی آیندہ زندگی کے متعلق کہہ سکتا ہے اور جو کچھ بھی وہ کہے اگر اس قانون قدرت کے مطابق ہے جس کے تحت حضرت انسان پیدا ہوا اور بڑھا اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یقیناً صحیح ہوگا۔

انسانی ترقی کے متعلق اگر تمام تاریخی شہادتوں پر نظر کی جائے تو اتنا تو ہمیں معلوم ہوگا کہ قومیں تباہ ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور اِس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ہوتی رہینگی۔ اور بالآخر قومیت فنا ہو کر تمام امتیاز جو ملکی مغایرت اور قومی منافرت سے پیدا ہوا ہے اُٹھ جائیگا۔ قانون ارتقا اپنا اثر آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ کرتا ہے اور یہ اثر بادی النظر میں ایسا خفیف ہے کہ سو سال کا مجموعی اثر بھی محسوس نہیں ہوتا لیکن اِس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ زمانہ ہر آن فنا ہوتا ہے اور بہتر سے بہتر صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے مگر یہ صورت اپنی ماقبل اور مابعد سے ایسی مشابہ ہوتی ہے کہ کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ دعوے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ قومیت فنا ہو جائیگی۔ ان شہادتوں پر مبنی ہے جو چشم بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ صدیق اکبر کے مطالع سے واضح ہو جائیگا کہ قانون ارتقا اپنا اثر کب سے اور کہاں تک کر رہا ہے اور کر چکا ہے۔ اور کیا کچھ کریگا۔

خلافت راشدہ ایک واحد شخص واحد قوم واحد طاقت ملکی کا کام نہیں تھا۔ بلکہ اس کا رستہ صدہا سال سے صاف ہو رہا تھا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ خود خلافت راشدہ نے

اس حکومت کا راستہ صاف کرنے کے لئے سخت جد و جہد کی ہے جس کو ہم نے "آسمانی بادشاہت" سے تعبیر کیا ہے، اور جس کا نمونہ زمانہ کے حالات کے مطابق خلافت راشدہ میں نظر آتا ہے، بہر حال یہ شہادات ہمیں حضرت انسان کی آیندہ زندگی کا پتہ بتاتی ہے کہ کیا ہوگا +

اِس وقت تک خلفاء راشدین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کا اکثر حصہ ہمارے مطالعہ میں رہا ہے۔ اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کا ماخذ زیادہ تر وہ روائتیں اور حکائتیں ہیں جو سیاسیات نے وضع کی ہیں، اور اس لئے اگرچہ بالکل نظر انداز کرنے کے قابل نہیں لیکن اِن پر اعتبار کرنا سخت خطرناک ہے +

ہماری رائے میں ان روایتوں اور حکائیتوں کو ان اصول پر رکھنا چاہیئے۔ جو قرآن کے آیات سے وضع کئے جا سکتے ہیں، اور ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور ہم نے ہفتاد و دو فریق کے جنگ جدل سے کنارہ کشی کرتے ہوئے واقعات خلافت حضرت صدیق اکبر رضے اللہ تعالےٰ عنہ اسی اصل اصول کو واضح بیان کرنے کے لئے پیش کئے ہیں، جو قرآن کریم کی آیات بینات پر مبنی ہے۔ اِس لئے تمام بحث اسی اصل اصول پر آرہتی ہے۔ جس کو ہم نے واضح بیان کیا ہے، ہفتاد و دو فریق اگر اسے غلط ثابت نہ کر سکیں تو جو کچھ ہم نے لکھا ہے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں +

فی الحقیقت جسے ہم خلافت راشدہ کہتے ہیں وہ قرآن ہی کے مطابق قائم ہوئی اور ہونی چاہیئے تھی! اس لئے قرآن ہی سے استدلال صحیح ہو سکتا ہے +

اصل اصول خلافت تو قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن واقعات کے لئے ہمیں مجبوراً انہی روائتوں اور حکایتوں کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور اگر قرآن میں واقعات متعلقہ ہجرت وغزوات کی اصلیت بیان نہ ہوئی ہوتی تو ممکن تھا کہ ہم واقعات کی صحت تک نہ پہنچتے لیکن واقعات خلافت کے متعلق ہمارے پاس روائتیں اور حکائتیں ہیں۔ جن کو ہم نے اصل اصول خلافت پر پرکھا اور تنقید کے بعد جو کچھ لکھا محققین کی تحقیق کے لئے پیش کرتے ہیں +

"استحقاق خلافت" پر جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کے مطالع سے واضح ہو جائیگا۔ کہ مختلف قرون میں خیالات کی رو کس طرف تھی۔ اور نتیجہ کیا ہوا ؛

اِس جہان کی بادشاہت اور "آسمانی بادشاہت" میں فی الحقیقت کوئی امتیاز نہیں آسمانی بادشاہت بھی اس جہان ہی کی بادشاہت ہے لیکن حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے ہم نے سیدنا عیسے علیہ السلام کی اصطلاحیں انہی معنوں میں استعمال کی ہیں جن کے لئے وضع ہوئی تھیں ؛

"ھجرت" اور "غزوات" کا تعلق فی الحقیقت خلافت سے نہیں ہے لیکن انکے بغیر خلافت قائم بھی نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہم نے اس کا بھی مختصر تذکرہ اصل اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا ہے ؛

"اسلام" پر مفصل بحث ہم نے ایک اور وقت کیلئے ملحوظ رکھی ہے لیکن جہانتک اس کا تعلق خلافت سے ہے ہم نے اسی پر بحث کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ اسلام اور خلافت کا آپس میں مضبوط رشتہ ہے۔ ایک کے بغیر دوسرا قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ امر کہ خلافت کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالع سے واضح ہو جائیگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ غلط فہمی کا موجب نہ ہوگا۔ اور اگر خواہ مخواہ غلط فہمی پیدا کی جائے۔ تو ہم بری الذمہ ہیں ؛

صدیق اکبر رضے اللہ عنہ کی تالیف کو ایک سال گذر گیا کہ ہو چکی تھی۔ حالات حاضرہ اور واقعات موجودہ ابھی رونما نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے انکا اثر مولف کے قلب پر نہیں ہو سکتا تھا۔ مولف نے مناسب خیال کیا کہ اس میں کچھ ترمیم نہ کی جائے اگرچہ اس کی اشاعت کا انتظام ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب کہ دنیا ے اسلام خلافت اور ہجرت کے اہم مسئلہ پر بحث کر رہی ہے۔ مولف مسلمانوں کو یہی مشورہ دیتا ہے کہ صبر کرو اور یقین کرو کہ اسلام اور خلافت کا رشتہ ایسا کمزور نہیں کہ انسانی طاقت توڑ سکے ؛

کا پاس کرتا تو آمنہ (مادرِ رسول اللہ) ان میں سے نہایت قریب اور عزیز اور بڑی حق والی ہوتی۔ اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوتی۔ اللہ تعالٰے نے اپنی مرضی سے ان لوگوں کو جو گذر گئے پیدا کیا۔ اور برگزیدہ کیا۔ اور تم نے فاطمہ اُمِّ ابی طالب اور اس سے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی لڑکا اور کوئی لڑکی اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئی۔ اور اگر اللہ تعالٰے مردوں میں سے کسی کو بوجہ قرابت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم دائرہ اسلام میں داخل کرتا تو عبداللہ کو اور بیشک وہ ہر طرح دنیا اور آخرت میں بہتر تھے لیکن اللہ تعالٰے نے اپنے دین کے لئے جس کو چاہا اختیار کیا۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ اللہ تعالٰے نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا اور آپ کے چار چچا زندہ اس وقت موجود تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے آیہ کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (اور ڈرا تو اپنے قریب ترین عزیزوں کو) نازل فرمائی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اور دین حق کی طرف دعوت دی۔ ان میں سے دو (عباسؓ و حمزہؓ) نے اسلام قبول کیا۔ اور ان میں سے ایک عباسؓ میرا باپ تھا۔ اور دو (ابوطالب اور ابولہب) نے انکار کیا ان میں سے ایک ابوطالب تمہارا باپ تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالٰے نے ان دونوں کا سلسلہ ولایت آپ سے منقطع کر دیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں اور ان دونوں میں کوئی عزیزداری اور ذمہ اور میراث قائم نہ کی۔ تمہارا یہ زعم ہے۔ کہ تم ایسے شخص کے بیٹے ہو جو دوزخوں میں سب سے کمتر عذاب میں ہوگا۔ (ابوطالب) اور تم خیر الاشرار کے بیٹے ہو۔ اللہ تعالٰے کے ساتھ کفر کرنے میں کوئی صغیر نہیں ہوتا اور عذاب میں خفیف اور آسان نہیں ہوتا۔ اور شر میں کوئی بہتر نہیں ہوتا۔ کسی مرد مومن کو جو اللہ تعالٰے پر ایمان رکھتا ہو زیبا نہیں کہ دوزخی ہونے پر فخر کرے۔ اور وہ وقت قریب ہے۔ کہ تم خود دوزخ میں جاؤ گے اور قریب ہے کہ ظالم جان لینگے کہ وہ کس کروٹ الٹے پلٹے کئے جاوینگے تم نے لکھا ہے کہ حسن عبد المطلب سے دوہرا سلسلہ قرابت رکھتے تھے اور تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے دو طرفہ تعلق قرابت

ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ خیر الاوّلین و آخرین رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
ان کو ہاشم اور عبد المطلب سے صرف ایک پدری تعلق تھا اور تمہارا یہ زعم کہ تم بہترین
بنو ہاشم ہو اور یہ کہ تمہارے آبا و اجداد و امہات ان میں زیادہ مشہور تھے اور یہ کہ
تم میں کسی کنیزک کا لگاؤ نہیں ہے۔میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم سے اپنے آپ کو
مفتخر بنا دیا ہے۔غور کرو، تف ہو تم پر۔کل اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دو گے۔تم حدِ
اعتدال سے تجاوز کر گئے ہو۔اور تم نے اس سے بڑھ کر اپنا فخر جتایا جو تم سے ذاتاً و
صفاتاً بہتر ہے۔(ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے
پیدا ہوئے جسے نجاشی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا)
اور بالخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں سے کوئی بہتر اور افضل سوائے کنیزک زادوں کے
نہیں ہے۔بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم میں علی بن حسین (امام زین العابدین)
سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔اور وہ کنیزک زادہ تھے۔اور کچھ شک نہیں کہ ان کا مرتبہ
حسنؓ بن حسینؓ تمہارے دادا سے بڑا ہے۔اور ان کے بعد تم میں کوئی شخص محمدؑ بن علیؑ کی
طرح نہیں ہوا۔اُن کی دادی کنیزک تھیں۔اور کچھ شک نہیں کہ محمد بن علی تمہارے باپ سے
بہتر ہیں۔اور نہ کوئی اُن کے لڑکے جعفر کی مثل ہوا اور ان کی دادی بھی کنیزک تھیں اور
جعفر تم سے بہتر ہیں۔تمہارا یہ کہنا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لڑکے ہو غلط ہے
کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ (محمدؐ تم لوگوں میں سے
کسی کے باپ نہیں) تم لوگ اُن کے لڑکے کے لڑکے ہو جو بیشک قرابت قریبہ ہے مگر اس کو
میراث نہیں پہنچ سکتی۔اور نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے۔اور نہ اس کو امامت جائز
ہے۔پس تم اس قرابت کے ذریعہ کس طرح وارث ہو سکتے ہو، تمہارے باپ علیؓ نے
ہر طرح سے اس کی خواہش کی تھی، فاطمہؓ کو روز روشن نکالا تھا اور در پردہ اُن کو بیمار کیا
اور رات کے وقت دفن کیا۔باایں ہمہ لوگوں نے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضے اللہ عنہ
اور حضرت عمر رضے اللہ عنہ کسی کو منظور نہ کیا۔اس طریقہ میں مسلمانوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے
کہ نانا۔اور ماموں۔اور خالہ مورث نہیں ہوتے۔اور جو تم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور

اُن کے سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے۔ اُس کا یہ جواب ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات دوسرے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے۔ (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) اور اُن کو (علی) منتخب نہ کیا حالانکہ یہ بھی ان چھ بزرگوں میں تھے لیکن سب نے ان کو قابل نہ سمجھا اور ان کو مستحق خلافت نہ سمجھا۔ اور عبدالرحمن نے عثمانؓ کو ان پر مقدم کر دیا۔ طلحہ اور زبیر ان سے لڑے (جنگ جمل) اور سعد نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا اور معاویہ کی بیعت کر لی۔ تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے (جنگ صفین) اور ان سے ان کے مصاحب علیحدہ ہو گئے اور حکم (عمرو بن العاص اور ابو موسےٰ اشعری) مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہواخواہ (خوارج) ان کے استحقاق میں شک و شبہ کرنے لگے۔ پھر انہوں نے دو شخصوں کو برضامندی حکم مقرر کیا۔ اور ان کو اللہ کا عہد و میثاق دیا۔ ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ پھر حسن خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے امامت اور خلافت کو معاویہ کے ہاتھ کپڑوں اور دراہم کے عوض فروخت کر دیا۔ خود حجاز میں چلے آئے اور اپنے ہواخواہوں کو معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور حکومت کو نااہل کے حوالے کر دیا۔ اور بلا استحقاق وجوا رمال لے لیا۔ پس اگر تمہارا اس میں کچھ حق بھی تھا تو تم نے اس کو فروخت کر ڈالا۔ اور قیمت وصول کر لی پھر تمہارے چچا حسینؓ نے ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر خروج کیا۔ ان لوگوں نے تمہیں قتل کیا۔ خرما کی ڈالیوں پر سولی دی۔ آگ میں جلایا۔ اور شہر بدر کیا۔ ہم نے تمہارے خون کا بدلا اُن سے لیا اور تمہیں اُن کے ملک اور زمین کا مالک بنایا۔ اور تمہارے باپ دادا کا نام بلند کیا۔ اور فضیلت دی۔ کیا تم اُن کے ذریعہ ہمیں مقبول کرتے ہو تمہارا باپ جدال قتال میں مبتلا کیا گیا۔ اور بنو امیہ ان پر ایسے ہی لعنت کرتے تھے۔ جیسا کہ کفار پر نماز فرائض میں ہم نے جھگڑا کیا۔ ان کے فضائل بیان کئے۔ ان پر سختی کی۔ اور اُن کے حرکات ناشائستہ کی سزا دی۔ تم جانتے ہو کہ ہم لوگوں کی بزرگی جاہلیت میں حجاج کی پانی پلانے اور ولایت زمزم پر منحصر تھی۔ اور یہ عباس کے بھائیوں میں سے صرف عباس ہی کے لئے مخصوص تھی۔

تمہارے باپ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے اس معاملہ میں ہم سے جھگڑا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ہمارے حق میں فیصلہ دیا۔ پس جاہلیت اور اسلام میں ابر اس کے مالک ہم ہی رہے۔ اور یہ تو تم کو معلوم ہے کہ بعد نبی کے بنی عبدالمطلب میں سے کوئی شخص سوائے عباسؓ کے باقی نہ تھا پھر وراثت چچا کی طرف منتقل ہو گئی پھر بنی ہاشم میں سے متعدد اشخاص نے خواہش خلافت کی مگر اس کے لڑکے کے سوا کوئی کامیاب نہ ہوا۔ سقایہ تو اُس کا تھا ہی میراث نبی بھی اُن کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور خلافت ان کے لڑکوں میں چلی آئی" ۔ محمد المہدی اور منصور عباسی نے خلافت کو میراث ہی سمجھا ہے۔ فریقین اپنے اپنے حقوق بلحاظ قرابت پیش کرتے ہیں علماء خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ ان میں سے کون زیادہ مستحق خلافت ہے۔ مگر دلائل سے جب کوئی فریق قائل نہ ہوا تو برہان قاطع یعنی تلوار نے قطعی فیصلہ کر دیا۔ اور منصور مظفر و منصور رہا۔ قرابت جو پر فخر بنو فاطمہ یا بنو عباسؓ کو تھا وہ کسی حد تک بجا ہے۔ لیکن ہماری رائے میں استحقاق خلافت کے لئے کوئی دلیل نہیں ٭

جب دومۃ الجندل میں ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری اور عمرو بن العاص بطور حَکَمَین مقرر ہوئے تو شوریٰ کی موجودگی میں عمرو بن العاص نے ابو موسےٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ

"تم جانتے ہو کہ عثمان براہِ ظلم قتل کئے گئے"

ابو موسےٰ " ہاں۔

عمرو "اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ معاویہ اور اُن کی قوم اولیا اور وارثا حضرت عثمان رضؓ ہیں"

ابو موسےٰ " ہاں۔

عمرو۔ پس کون تم کو اُن کی خلافت قبول کرنے سے روکتا ہے۔ وہ قبیلہ قریش کے معززین سے ہیں۔ اگرچہ سابق الاسلام نہیں ہیں لیکن ان میں سیاست اور ملک داری کی قابلیت بہت بڑی ہے۔ نیز معاویہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے کاتب رہے ہیں۔ اور شرفِ صحبت سے بھی ممتاز رہے ہیں "

" ابو موسٰے ، اے عمرو اللہ سے ڈرو امارت و خلافت سیاست اور ملک داری کی قابلیت کی وجہ سے نہیں دیجاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو آل ابراہیم میں ابرہاح اس کے زیادہ مستحق تھے۔ بلکہ دینداری۔ تقویٰ اور ایمانداری کے لحاظ سے امیر و خلیفہ کیا جاتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ چونکہ معاویہ خون عثمان کے طالب ہیں اس وجہ سے ان کو امارت دی جانی قابل پذیرائی نہیں۔ مہاجرین سابقین اسلام کو چھوڑ کر امارت معاویہ کو نہیں دی جاسکتی ؛

انشاء اللہ تعالیٰ اہم حکمین کی گفتگو اور فیصلہ پر مفصل بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کرینگے اس مقام پر صرف اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کہ حکمین اس لئے مقرر ہوئے تھے کہ قرآن مجید کی رو سے فیصلہ کریں کہ خلافت کا کون مستحق ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حکمین نے آیات سے بہت کچھ استدلال کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ان آیات اور استدلال کے متعلق روایات خاموش ہیں۔ جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان سے ہم خود ان آیات کا سراغ نکال سکتے ہیں۔ جن پر حکمین کا استدلال مبنی تھا۔ اس مقام پر اتنا کہنا کافی ہو گا کہ عمرو بن العاص نے معاویہؓ کے حق میں یہ کہا کہ وہ سیاست اور آئین ملک داری سے خوب واقف ہے اور ایسا ہی شخص خلافت کا اہل ہے۔ ابو موسےٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں یہ کہا کہ وہ مہاجرین سابقین اسلام سے ہیں اور استحقاق خلافت کو فی الحقیقت ہجرت اور سبقت الی الاسلام پر منحصر سمجھا۔ کیونکہ جیسا ہم آگے چل کر بیان کرینگے مہاجرین سابقین اسلام کی تعریف نصوص قرآنی سے ثابت شدہ ہے۔ اور ان کے ایمان اور تقوےٰ پر کسی طرح شک و شبہ نہیں ہوسکتا ؛

یہ دلائل اس برہان سے مختلف ہیں جو منصور عباسی اور محمد المہدی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ لیکن ابتدا میں سبقت الی الاسلام، ہجرت اور شرکت فی المشاہد پر استحقاق خلافت کی بنیاد رکھی گئی۔ انصار کا بھی اس میں حصہ کم نہ تھا۔

ہجرت سے اگر محروم تھے تو مہاجرین کو پناہ دینے والے تھے۔ مگر خلافت کو قریش ہی میں محدود سمجھا۔ کیونکہ اس وقت یہی اس کے اہل تھے ۔

آیاتِ مذکورہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انسان زمین پر "خلیفۃ اللہ" ہے۔ اور پھر بالبداہت ثابت ہے کہ آدم کل اشیاء پر حکومت کرتا ہے۔ ہر ایک شے آدم کے تابع فرمان ہے۔ اور نظم و نسق اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ محض ملکوتی صفات کسی شخص میں استحقاق خلافت پیدا نہیں کرتے" ورنہ ملائکہ بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہوتے غالباً ان کا یہ کہنا کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ دعویٰ خلافت پر ایک دلیل پیش کرنا تھا ۔

اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ خلافت اللہ تعالیٰ نے نسل آدم میں مقرر فرمائی اور جہاں تک غیر بنی آدم کا تعلق ہے ہر ایک انسان خلیفۃ اللہ ہے، اس لئے ہر ایک حکومت کی

۱؎ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے آئینہ کا تاریک پہلو ہی دیکھا ہے۔ اور آدم کی ذات میں اُن خوبیوں کو نظر انداز کر دیا جو بحیثیت مجموعی اس کو اشرف المخلوقات بناتی ہیں جو انسان ہوا و ہوس کا بندہ ہے وہ تو بہائم سے بھی بدتر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ناواجب استعمال کرتا ہے۔ ضرور اس لئے عذاب کا مستحق ہے۔ لیکن وہ انسان جس کا نفس امارہ تقوی سے نفس لوامہ اور علم سے نفس مطمئنہ بنگیا صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جنت کا وارث ہے ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور اس کا جائز استعمال جانتا ہے! اور اجر غیر ممنون کا مستحق ہے" ۔

انسان ہیں وہ انسان جن کے کارناموں کی شہادت تین وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ۔ (مکہ معظمہ) دے رہے ہیں۔ ایسے بلند پایہ گذرے ہیں کہ ملائکہ باہمہ تسبیح و تقدیس و تحمید ان کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہ شہادت قطعی ثبوت اس دعویٰ کا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ انسانی ذات میں اجر غیر ممنون کے تمام جوہر موجود ہیں ۔

مبارک ہیں وہ جو ہدایت کے بعد شاکر ہیں کیونکہ اعلےٰ علیین تک ترقی کریں گے اور افسوس ہے اُن پر جو ہدایت کے بعد کافر ہیں کیونکہ اسفل السافلین میں گرینگے۔ انسان کی پیدائش کا منشا ترقی ہے۔ خواہ ثواب کے ساتھ کرے یا عذاب کے ساتھ ۔

ابتدا اور قیام اور انتہا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

یہ خلافت جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور جس کا مستحق صرف حضرت انسان فی الارض ہے۔ بنی آدم کی غیر بنی آدم پر ہے۔ یہاں تک کہ ملائکہ بھی اس کے تابع فرمان ہیں۔ انسان زمین کی تمام طاقتوں پر حکومت کرتا ہے اور ان کو اپنے کام میں لاتا ہے۔ زمین پر آدم کے سوا

۱؎ مقدس پولوس کا خط بنام رومیاں باب ۱۳ میں اس طرح مذکور ہے۔ ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابعدار رہے۔ کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہو۔ اور جو حکومتیں موجود ہیں خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے۔ اور جو مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے۔ کیونکہ نیکوکار کو حاکموں کا خوف نہیں بلکہ بدکار کو ہے۔ پس اگر تو حاکم سے نڈر رہنا چاہتا ہے تو نیکی کر۔ اُس کی طرف سے تیری تعریف ہوگی۔ کیونکہ وہ تیری بہتری کے لئے خدا کا خادم ہے۔ لیکن اگر تُو بدی کرتا ہے تو ڈر۔ کیونکہ وہ تلوار بے فائدہ لئے ہوئے نہیں۔ اور خدا کا خادم ہے کہ اُس کے غضب کے موافق بدکار کو سزا دیتا ہے۔ پس تابعدار رہنا نہ صرف غضب کے ڈر سے ضرور ہے بلکہ دل بھی یہی گواہی دیتا ہے۔ تم اس لئے خراج بھی دیتے ہو کہ وہ خدا کے خادم ہیں اور اس خاص کام میں مشغول رہتے ہیں۔ سب کا حق ادا کرو جس کو خراج چاہیے خراج دو۔ جس کو محصول چاہیے محصول۔ جس سے ڈرنا چاہیئے اُس سے ڈرو جس کی عزت کرنی چاہیئے اُس کی عزت کرو۔"

مقدس پولوس کا اشارہ رومی حکومت کی طرف ہے جو بُت پرست قوم تھی اور اُس وقت یہودی جو خدا پرست تھے اُن کے رعیت تھے۔ آئین موسوی کے مطابق محصول لینا گناہ کبیرہ تھا۔ اسی لئے حضرت عیسیٰؑ پر بھی طعن کیا جاتا ہے کہ "دیکھو محصول لینے والوں کا دوست ہے"۔ یہودی خراج اور محصول دینے سے انکار کرتے جب سختی ہوتی تو مقابلہ کرتے آخر سخت سزائیں ملتیں۔ ہزاروں کا خون پانی کی طرح بہ گیا مقدس پولوس فرماتے ہیں کہ رومی حکومت بھی خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے اُس کی اطاعت نہ صرف ظاہرداری سے بلکہ دل سے کرنی چاہیئے۔ قرآن شریف کی سب ذیل آیات میں فکر کرنا چاہیئے۔

کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی جس پر خلیفۃ اللہ کا اطلاق صحیح ہو، وہ خلافت جس پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں آدم کی بنی آدم پر ہے۔ قرآن شریف کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خلافت یا حکومت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اور اس کی ابتدا و انتہا بھی حکم الٰہی کے باعث ہے۔

(۱) "هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ" (۸-۷)

(۲) هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا (۲۲-۱۷)

(۱) وہی (قادر مطلق) ہے جس نے زمین میں تم کو نائب بنایا ہے (کہ تم دنیا کی چیزوں میں تصرف کرتے ہو) اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں کہ تم کو دی ہیں اُن میں تمہاری (شکرگذاری اور فرمانبرداری کی) آزمائش کرے (۸-۷)

(۲) وہی (قادر مطلق) ہے جس نے تم (لوگوں) کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بنایا، پھر (اس پر بھی) جو کفر کرتا ہے اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا) اور جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کے کفر کی وجہ سے خدا کے ہاں (ان سے) ناراضمندی ہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور کفر کی وجہ سے کافروں کا گھاٹا ہی چلا جا رہا ہے (۲۲-۱۷)

(۳) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۱۱-۷)

اور (لوگو) تم سے پہلے کتنی امتیں ہو گذری ہیں کہ جب انہوں نے شرارت پر کمر باندھی ہم نے انکو ہلاک کر مارا اور اُس کے رسول اُن کے پاس (نشانیاں) کھلی لیکر آئے اس پر بھی اُن کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا گنہگار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر (ان کے ہلاک ہوئے پیچھے ہم نے اب) تم لوگوں کو اُن کا جانشین بنایا تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

(۳) فکذبوہ فنجینٰہ ومن معہ فی الفلک وجعلنٰھم خلائف واغرقنا الذین کذبوا بایٰتنا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (۱۱-۱۳)

(۴) واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطۃ فاذکروا الاء اللہ لعلکم تفلحون ـ(۸-۱۲)

(۵) واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوّاکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا وتنحتون الجبال بیوتا فاذکروا الاء اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین (۸-۱۰)

(۶) امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض قلیلا ما تذکرون" (۲۰-۱)

(۳) پھر لوگوں نے اُن کو جھٹلایا تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ اُس کے ساتھ کشتی میں تھے اُن کو نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان سب کو غرق کر کے ان لوگوں کو (اُن کا) جانشین بنایا۔ (۱۱-۱۲)

(۴) اور (خدا کا وہ احسان) یاد کرو۔ کہ جب اُس نے تم کو قوم نوح کے بعد (ان کا) جانشین بنایا۔ اور تن و توش کا پھیلاؤ (بھی) تم کو (اوروں سے) زیادہ دیا تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (۸-۱۲)

(۵) اور (خدا کا وہ احسان) یاد کرو جب اُس نے تم کو (قوم) عاد کے بعد (ان کا) جانشین بنایا۔ اور زمین تم کو ایسی طرح سے بسایا کہ تم میدان میں تو محل کھڑے کرتے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔(۸-۱۰)

(۶) بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص بیقرار ہو کر اُس سے فریاد کرے وہ اس بیقرار کی فریاد کو پہنچے اور (اُس کی) مصیبت کو ٹال دے اور (کون ہے) جو تم لوگوں کو (اپنا) نائب بناتا ہے۔

(۷) " وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون۔ ثم بدلنا مکان السیئۃ الحسنۃ حتی عفوا وقالوا قد مس اباءنا الضراء والسراء فاخذنٰھم بغتۃ وھم لا یشعرون ـ ولو ان اھل القریٰ امنوا واتقوا لفتحنا علیھم ابواب من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنٰھم بما کانوا یکسبون افامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون۔ اوامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا ضحیً وھم یلعبون

(۷) افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون - اولم یہد للذین یرثون الارض من بعد اہلہا ان لو نشاء اصبنہم بذنوبہم ونطبع علی قلوبہم فہم لا یسمعون - تلک القری نقص علیک من انبائہا ولقد جاءتہم رسلہم بالبینت فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکفرین وما وجدنا لاکثرہم من عہد وان وجدنا اکثرہم لفسقین ثم بعثنا من بعدہم موسی بایتنا الی فرعون وملائہ فظلموا بہا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (۹-۲)

(۷) اور جس بستی میں ہم نے پیغمبر بھیجا اور بستی والوں نے اُس کا کہا نہ مانا تو) وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے مبتلا سے سختی و مصیبت بھی کیا تاکہ یہ لوگ (ہمارے حضور میں) گڑگڑائیں پھر ہم نے سختی کی جگہ آسانی کو بدل دیا یہاں تک کہ خوب بڑھے چڑھے اور لگے کہنے کہ اس طرح کی سختیاں اور راحتیں تو ہمارے بڑوں کو بھی پہنچ چکی ہیں (یعنی یہ زمانے کے اتفاقات ہیں تو ہم نے اُن کو دفعۃً (عذاب میں) دھر پکڑا - اور وہ اس سے بے خبر تھے اور اگر (ان) بستیوں کے رہنے والے خدا پر ایمان لاتے اور پرہیزگاری کا طریقہ اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتوں (کے دروازے) اُن پر کھول دیتے مگر انھوں نے (ہمارے پیغمبروں کو) جھٹلایا تو ان کرتوتوں کی سزا میں جو وہ کرتے تھے ہم نے ان کو عذاب میں دھر پکڑا - اے پیغمبر کیا (تمہارے) ان بستیوں کے رہنے والے اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آنازل ہو (اور وہ سوئے پڑے ہوں یا (تمہارے ان) بستیوں کے رہنے والے اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دہاڑے آنازل ہو اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں تو کیا اللہ کے داؤ سے نڈر ہو گئے ہیں - سو اللہ کے داؤ سے تو وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو برباد ہونے والے ہیں - جو لوگ اہل زمین کے (ہلاک ہوئے) پیچھے زمین کے وارث ہوئے ہیں کیا اس بات سے بھی ان کو ہدایت نہ ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو (پہلی امتوں کی طرح) ان کے گناہوں کے بدلے ان پر (بھی) مصیبت لا نازل کریں مگر یہ لوگ (عبرت پذیر نہیں ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ (نصیحت کی بات) سنتے ہی نہیں (اے پیغمبر) یہ چند بستیاں ہیں جن کے حالات ہم تم کو بتاتے ہیں (تاکہ تمہاری قوم کو تنبیہ ہو) اور ان کے پیغمبر ان لوگوں کے پاس معجزے بھی

اِن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک قوم کی خلافت دوسری قوم کے بعد حکم الٰہی سے ہوتی ہے اور ایک قوم دوسری قوم پر حکم الٰہی سے حکمراں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس لئے قوموں کو خلافت کے ساتھ تقویت دی جاتی ہے۔ اور کیوں قومیں خلافت کو جو نعمت الٰہی ہے ہاتھ سے کھو بیٹھتی ہیں، قوموں کی خلافت کے حالات کا اگر مطالعہ کرنا ہو تو تاریخ کے صفحات پر دیکھو کہ ابتدا میں کیا تھیں اور کس طرح پھلیں اور پھولیں اور کس طرح اپنے وقت پر تباہ و برباد ہوئیں اور کس طرح

بقیہ صفحہ ۱۰ لے کر آئے۔ مگر یہ لوگ (ایسی سرشت ہی کے) نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہیں اس پر ایمان لے آئیں کافروں کے دلوں پر اسی طرح خدا مُہر لگا دیا کرتا ہے اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں میں (عہد کا پاس) نہ پایا۔ اور ہم نے تو اُن میں سے اکثروں کو نافرمان پایا۔ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو معجزے دے کر فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو ان لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ بڑی بڑی گستاخیاں کیں۔ دیکھا مفسدوں کا کیسا انجام ہوا" (۹ - ۳)

(۸) وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظلمون (۲۰ - ۹) اور ہم شہروں کو تب ہی ہلاک کرتے ہیں جب وہاں کے لوگ نافرمانی اختیار کر لیتے ہیں" (۲۰ - ۹)

(۹) ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفة منھم یذبح ابناءھم ویستحیی نساءھم انه کان من المفسدین ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمة ونجعلھم الوارثین ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون وھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون" (۲۰ - ۴) ترجمہ فرعون (ملک مصر کی) زمین میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا۔ اور اُس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دیے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس قدر کمزور سمجھ رکھا تھا کہ اس کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا اس میں شک نہیں کہ وہ فساد والوں میں (ایک ہی فسادی) تھا۔ اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ (اس کے) ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے اُن پر احسان کریں اور انہیں کو سردار بنائیں۔ اور انہیں کو سلطنت کا وارث ٹھہرائیں انہیں کو ملک میں جمائیں اور فرعون اور ہامان اور اُس کے لشکروں کو بنی اسرائیل کی طرف سے (جس بات کا خطرہ تھا وہ ان ہی بنی اسرائیل کے ہاتھ سے) اُن کے آگے لائیں (۲۰ - ۴)

کے بعد دیگرے اقوام مسند خلافت پر متمکن ہوئیں۔ ان لوگوں کے اعمال پر غور کرو اور نتائج
میں فکر کرو۔ یہی باتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم متوجہ فرما رہا ہے۔

جو کچھ ان آیات سے واضح ہوتا ہے تاریخی شہادتوں سے ثابت شدہ ہے اور اس لئے
بحث طلب نہیں ہیں قوموں کے عروج اور زوال و انحطاط کے واقعات اور اسباب کا علم
ہے۔ یہ آیات انہی واقعات کے نتائج پر اخلاقی سبق ہیں۔ بہرحال قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں اور
بنتی اور بگڑتی رہینگی یہاں تک کہ خلافت کا منشا پورا ہو جائے۔

۳

آیاتِ محولہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور خلافت
اللہ تعالی کی نعمت ہے جو اللہ تعالی ایک قوم کو دوسری قوم کے بعد عنایت فرماتا ہے۔ اسمیں
کچھ شک نہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے " وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ
يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (۱۷-۷)
لیکن سلف صالحین کے خلف ناخلف ہوئے۔ اور خلافت ایک اور قوم میں منتقل ہوگئی فَخَلَفَ
مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۱۶-۷)
یہی قانون قدرت ہے جس کو لسان مذہب میں "سنۃ اللہ" کہتے ہیں۔ لیکن صرف یہی نہیں
ہے کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم خلیفہ ہوتی چلی آئی ہے اور بس، قانون ارتقا اس میں بھی برابر
اپنا کام کرتا ہے اور دنیا بہتر سے بہتر صورت میں تبدیل ہوتی رہتی ہے اور ہر ایک قوم نے جسکو
خلافت عنایت ہوئی ہے دنیا کی بہتری اور بہبودی میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہے۔ آیات محولہ بالا کے
مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت کا منشا یہی کچھ ہے کہ قومیں ترقی کریں اور تمام اقوام عالم
ہیئت مجموعی ترقی کریں۔ یہ سلسلۂ ترقی ابتدائے آفرینش سے کسی وقت منقطع نہیں ہوا۔ اگر ایک قوم
منشائے خلافت کو اس وجہ سے پورا نہ کرسکی کہ فخلف من بعدھم خلف تو فوراً خلافت دوسری
قوم میں منتقل ہوگئی اور اسی طرح انتقال خلافت برابر ہوتا چلا آیا ہے اور زمانہ نے اس وقت تک
وہ ترقی کی ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ آیات محولہ بالا میں ان علوم و فنون کی طرف صراحۃً اشارہ
ہے جن کو قوموں نے خلافت کی سرپرستی میں ترقی دی، ایک وقت تھا کہ لوگ پہاڑوں کی غاروں

میں رہا کرتے تھے اس کے ساتھ موجودہ زمانہ کے اسباب رہائش پر نظر کرو تو "تمدن کی مفصل تاریخ "خلافت" ہی میں ملے گی، خلافت نے ہی قوموں کے درجات بلند کئے ہیں۔ لیکن جب ایک قوم نے ایک خاص حد تک ترقی کرتے ہوئے خواہشات نفسانی کی متابعت کی اور اپنے نصب العین کو نظر انداز کر دیا اور "یاخذون عرض ھذا الادنی" (۹-۱۱) تو بلندی سے پستی کی طرف نزول کیا، ایک اور قوم ان کی جگہ قائم ہو گئی اور اُن کے درجات بلند تر ہو گئے

"هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ"

خلافت ایسا بارِ امانت ہے جس کا اھل آدم ہی ہے جس کو فرشتے مفسد اور خونریز کہتے تھے ۔ اور ایک اور مشغلہ خود عیٰ اس کی خاکساری کو بنظر حقارت دیکھتا ہے مگر اُسے کیا معلوم

کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسار انند

ابتدائے آفرینش سے حضرتِ انسان نے کیا کچھ کیا، اور ترقی کے مراحل طے کرتا ہوا کس طرف جا رہا ہے ایک ایسا راز ہے جو خلافت ہی میں مضمر ہے۔

آیات محوّلہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ ملائکہ موجود تھے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تحمید و تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے لیکن آدم ہی خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر کیا گیا۔ اور اس لئے کہ "علم" میں ملائکہ سے گوئے سبقت لے گیا۔ آدم کا مفسد اور خونریز ہونا بالبداہت ثابت ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ فساد اور خونریزی نہایت ہی مذموم ہیں مگر یہ امور مانع خلافت نہیں، فی الحقیقت استحقاقِ خلافت "علم" پر مبنی ہے۔ محض ملکوتی صفات استحقاق خلافت ثابت نہیں کر سکتے۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے،

"الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ قال ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا قالوا وما لنا الا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابناءنا، فلما کتب علیھم القتال تولوا الا قلیلا منھم، واللہ علیم بالظلمین ۝ وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا قالوا انی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃ من المال

شاعرِ ملت اقبال نے کہا ہے۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم　　جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اس میں شبہ نہیں کہ یقینِ محکم اور عمل پیہم ہی دو ہتھیار ہیں جن سے کوئی قوم اپنے دشمنوں پر فتحیاب ہو سکتی ہے لیکن جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں یہ صرف فرزندانِ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ یقینِ محکم رکھتے ہیں لیکن کس چیز کا ؛ نسلی، وطنی، یا علمی اعتبار سے دوسروں پر فائق ہونے کا نہیں بلکہ اس بات کا کہ

"خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے"

پھر یہ قوم عمل پیہم بھی کرتی ہے تو اسی غالب تصور دایمان کے زیر اثر اس بنا پر یہ ظاہر ہے، کہ مسلمانوں کا "یقینِ محکم" اور ان کا "عمل پیہم اپنے اندر ایک ایسی خصوصیتِ فائقہ رکھتا ہے کہ وہ عقیدۂ توحید اور اعمال میں "اتقا" کی رعایت رکھے بغیر کسی میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ تیسری چیز جو اقبال نے بیان کی ہے وہ محبت ہے جس کو انھوں نے فاتح عالم کہا ہے، یقینِ محکم اور عمل پیہم کی طرح یہ "محبت" مسلمانوں کی طرح دوسری اقوام میں پائی جا سکتی ہے مگر مسلمانوں کی محبت بھی ان کے یقین و عمل کی طرح دوسری قوم کی محبت سے یکسر مختلف ہے، ان کی محبت کسی ذاتی حظِ نفس یا نفسی خواہش پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ خدا کے تعلق کے اعتبار سے اس محبت کی بنیاد انسانی اخوت کے احساس اور خلوص و للٰہیت کے جذبہ پر قائم ہوتی ہے اسی محبت کو حب فی اللہ کہتے ہیں۔ اس محبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان کسی قوم سے اگر جنگ کرتے بھی ہیں تو چونکہ اس جنگ میں ہوسِ ملک گیری یا جذبۂ ملوکیت پسندی کو دخل نہیں ہوتا بلکہ بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت اور خالصۃً لوجہ اللہ اعلاء کلمۂ حق اس کا مقصد ہوتا ہے اس بنا پر یہ عام فاتحین عالم کی طرح مفتوح اقوام کے ساتھ ناگوار جبر و تشدد کا معاملہ نہیں کرتے اور سختی کے ساتھ ان احکام کی پابندی کرتے ہیں جو اس بارہ میں ان کو خدا نے بتائے ہیں۔ اس صلح جویانہ روش کا اثر یہ ہوتا ہے کہ فریقِ مخالف اپنے ہنگامی یا جذباتی بغض و عناد کی عینک اتار کر جب ان کے اخلاق و اعمال اور ان کے

مقدس باطنی احساسات وجذبات کا جائزہ لیتاہے تو اس کی عداوت محبت سے اور اس کا تنافر انسیت و الفت سے بدل جاتاہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتاہے کہ مسلمان صرف کسی ملک کی زمین کو ہی فتح نہیں کرتے بلکہ اپنی للٰہیت اور انسانی خیراندیشی وخیرسگالی کے باعث اہلِ ملک کے دلوں کو بھی مسخر کرلیتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ ایران کی جنگ میں ایرانی فوج کے چار ہزار سپاہی بیک وقت مسلمان ہوگئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی صف سے آملے، پھر یہ لوگ یونہی دکھاوے کے مسلمان نہیں تھے بلکہ ان کی جو تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں کام آتی تھیں اب ان کی حمایت واعانت میں کام آنے لگیں، چنانچہ یہ سب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیرِ علَم مدائن اور جلولار کی جنگ میں شریک ہوئے اور اس معرکہ کو جیت کر سرخروئی حاصل کی۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم کو کون نہیں جانتا کہ اس نے سندھ میں دشمن کو کس بری طرح پامال کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے اسلامی اخلاق اور کیرکٹر سے مفتوحین کے دلوں کو بھی فتح کرلیا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں۔

"یزید بن ابی کبشہ السکسکی سندھ کا گورنر ہوکر آیا اور اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کرکے عراق روانہ کیا تو اہلِ ہند زار وقطار روتے تھے اور انھوں نے یادگار کے طور پر محمد بن قاسم کی تصویر بناکر کیرج میں رکھی۔"[1]

میں نے محبت کی یہ تشریح ضمناً ذکر آجانے کی وجہ سے کی ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ "عقیدۂ توحید اور اتقار" یہ دو بنیادی امور ہیں جن پر تمام فضائلِ اخلاق کی بنیاد قائم ہے انھیں فضائل اخلاق میں سے ایک محبت بھی ہے، فلسفۂ اخلاق میں "عدالت" کو جامع فضائل اخلاق کہتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عقیدۂ توحید اور اتقار ان دونوں کا اثر یہ ہوتاہے کہ انسان میں عدالت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ نظری اور عملی دونوں قسم کے کمالات وفضائل کا جامع بن جاتاہے۔

اب اس وقت اس جماعت میں ایسی زبردست طاقت وقوت اور مصائب انگیزی و

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۸

ایک بھی مذموم نہیں، البتہ بتقاضائے حالات زمانہ ایک کو دوسرے پر ترجیح ہے،
حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری، آئینی ہو یا دستوری تقاضا کرتی ہے کہ عنانِ سلطنت
ایسے شخص کے زبردست ہاتھوں میں ہو جو "علم" میں سب سے بہتر ہو، خواہ یہ کوئی مطلق
العنان بادشاہ ہو یا کسی جمہوری سلطنت کا امیر ہو، خواہ کوئی ہو۔

ایسے اشخاص جو بہمہ صفت موصوف ہوں دنیا میں مشکل سے ملتے ہیں۔ ایسے
آدمی جن کی زمانہ کو ضرورت محسوس ہو قدرت بوقت ضرورت پیدا کر دیتی ہے، ایسے
لوگ جو خاص خاص اوصاف سے متصف ہوں اور ان اوصاف میں فرداً فرداً ممتاز
بھی ہوں بہت ہیں اور دنیا میں اگرچہ عام نہیں مگر مل سکتے ہیں مؤخر الذکر جمہوری یا کسی
آئینی حکومت کے رکن ہو سکتے ہیں اور اول الذکر کا تقرر بہ حیثیت شاہ مطلق العنان دنیا
کے لئے رحمت ہے۔ قانونِ قدرت یہی ہے کہ کثرت ہمیشہ وحدت کے تابع رہے
اپنے وجود پر غور کرو، کائنات میں فکر کرو، کس طرح "علم" اور "قدرت" جسم میں کام کرتے
ہیں، اور کس لئے دماغ کی حکومت دیگر اعضا نے تسلیم کر لی ہے، اللہ تعالیٰ جس کی ذات
تمام صفات کی جامع ہے، کس طرح عالموں پر حکومت کرتی ہے، اگر اس حکومت میں
اس کے شریک اور خدا ہوتے تو تمام انتظام کائنات درہم برہم ہو جاتا، الحق

"اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ، لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا، فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۱۷-۲)

اگر دنیا میں ایسے مطلق العنان بادشاہ ہر ایک زمانہ میں پیدا ہوتے جو علم اور جسم" میں
یکتا ہوتے تو حکومت کبھی آئینی صورت کی تبدیلی پسند نہ کرتی۔ اور کسی جمہوری یا آئینی
سلطنت کی ضرورت نہ ہوتی، مگر ایک کام جب ایک شخص سے نہیں چل سکتا تو وہ امداد کا
طالب ہوتا ہے اور دو یا دو سے زیادہ آدمی اس کام کو چلا سکتے ہیں، جمہوری سلطنت کے
ارکان میں سے بعض "عقل" اور بعض "ہمت" سے کام لیتے ہیں۔ اور عقل و ہمت دونوں
ایک جسم سلطنت میں جمع ہو کر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ اگر عقل ہو اور ہمت نہ ہو
یا ہمت ہو اور عقل نہ ہو تو کام نہیں چل سکتا، مطلق العنان بادشاہ کی ذات عقل و ہمت

جامع ہوتی ہے، اس لئے وہ بذات واحد وہ کام کرسکتا ہے جو آئینی حکومت کے ارکان بہیئت مجموعی کرتے ہیں۔ حکومت خواہ کوئی صورت اختیار کرلے بہرحال ایک واحد شخص کی ذات دیگر اشخاص سے ممتاز نظر آئے گی۔

حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری اُسی صورت میں اچھی ہے جب اُس کا انتظام صاحب عقل وہمت، علم وعمل کے ہاتھ میں ہو لیکن ایسی صورت ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ شخصی حکومت بطور وارث نسلاً بعد نسلٍ ایک ہی خاندان کے ارکین میں منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور عموماً یہ لوگ صاحب عقل وہمت نہیں ہوتے، اگر لائق باپ کے بعد بیٹا قابل حکومت ہو اور بہترین خلائق ہو تو اُس کی جانشینی پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا مگر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایک دو پشتیں گذرنے پر عیاش، جاہل، ظالم شخص وارث تخت وتاج ہوتے ہیں۔ اس وقت انتظام مملکت درہم وبرہم ہوجاتا ہے جس صورت میں ایک صحیح دماغ جسم پر حکومت نہیں کرتا خواہشات نفسانی کا غلبہ قلب پر ہوتا ہے اور ایسی بے اعتدالیاں ظہور میں آتی ہیں جن کا نتیجہ ظاہر ہے، دیگر جمہوری اور آئینی حکومتوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب لوگوں کی طبیعتیں عیش وعشرت کی طرف مائل ہوتی ہیں اور کارکنان سلطنت فسادی خرابیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور اپنی ذمہ واریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں، خود غرضی خودرائی، خود بینی، رشک وحسد، نفاق بنیاد سلطنت متزلزل کردیتے ہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ جب کوئی قوم میدان ترقی میں قدم رکھتی ہے تو اس قوم کے افراد میں ہر ایک خوبی جو غلبہ کا باعث ہوتی ہے موجود ہوتی ہے۔ اُن کے دلوں میں جوش شجاعت اُن کے حوصلے بلند کرتا ہے۔ وہ محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں اور اُن کی طاقت ہر ایک رکاوٹ کا جو اُن کی ترقی میں سدراہ ہو کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے لیکن جب یہ قوم منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے تو تنزل اور بربادی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں اور کچھ عرصہ میں وہ تمام خوبیاں جو ابتدا میں موجود تھیں محو ہوجاتی ہیں۔ قانون قدرت یہی ہے کہ

جب تک مطلوب غائب ہے طلب حاضر ہے
اور اگر مطلوب موجود ہو طلب مفقود ہوتی ہے

تشنہ لب پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں آوارہ و سرگرداں پھرتا ہے، جب دوڑ دھوپ کے بعد پانی دستیاب ہوتا ہے تو آتش تشنگی کے ساتھ خواہش طلب بھی بجھ جاتی ہے۔ جب قومیں ترقی کے معراج پر جسکے مدارج بحالات وقت مختلف ہیں پہنچتی ہیں اور اُس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ طاقتیں جو ابتدا میں گوہرِ مطلوب پر قبضہ کرنے کے لئے جدّوجہد کرتی ہیں بے کار ہو جاتی ہیں اور وہ ابتدائی جوش اور عزم مفقود ہو جاتا ہے جو طلب کی وجہ سے پیدا ہوا تھا' یہ وہ زمانہ ہے جب تمدن سامان عیش و عشرت کے ساتھ اسباب تنزل فراہم کرتا ہے اور قوم قعرِ پستی کی طرف گرتی ہے ایسی حالت میں حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری ہر ایک صورت میں کمزور ہوتی ہے' اور یہ کمزوری جو اندرونی خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے بیرونی حملوں کے سامنے عمارتِ سلطنت کو خستہ و شکستہ کر دیتی ہے۔ جب وہ پُرجوش طبیعتیں افسردہ ہو جاتی ہیں اور وہ ولولے اور عزم بالجزم مُردہ ہوتے ہیں تو انتظام مملکت خواہ کسی مرتبہ میں ہو بدنظمی اور بدامنی کو رواج دیتا ہے نہ تو جمہور کی طاقت اور نہ کسی شخص کی عقل و ہمت کام آتی ہے۔ اور نہ ہی اُس کے اثر مٹانے سے مٹ سکتے ہیں؛

اس لئے حکومت خواہ اُس کی صورت کچھ ہی کیوں نہ ہو کسی ایک قوم میں بالاستقلال نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ قدرت نے قوموں کا عروج و نزول لوح کائنات پر جلی حروف میں لکھدیا ہے، لیکن خلافت مسلسل قوموں کے ہاتھوں میں ترقی کر رہی ہے، قومیں اُٹھیں اور بیٹھ گئیں، بلند ہوئیں اور قعرِ ذلت میں گریں، لیکن تاریخ کے صفحات پر اُن کی شہادت باقی رہ گئی ہے۔ جہاں نیرو اور حجاج کے ظلم و ستم کی دلخراش داستانیں سننے میں آتی ہیں اور لعن و نفرین اب تک اُن کے تعاقب میں سرگرم ہے' وہاں نوشیرواں اور عمرؓ کا عدل و انصاف صد آفرین کا مستحق ہے' مبارک ہے وہ قوم جس کو خدا تعالیٰ نے نعمت خلافت عطا فرمائی اور اُس کی سرپرستی میں اُس نے قوموں میں امن قایم کیا۔ تمدن و تہذیب و علوم و فنون اور حریت و مساوات کی اشاعت فراخ حوصلگی سے کی، دنیا کی بادشاہت ایسی ہی قوم کے واسطے ہے، اور مبارک ہیں وہ لوگ جو مسکین فی الروح ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت

اُن کی ہے، اور مبارک ہیں ماتمیاں کیونکہ تسلی پائیں گے اور مبارک ہیں حلیم کیونکہ وارث زمین ہوں گے۔ مبارک ہیں گرسنگان و تشنگان عدالت کیونکہ سیر ہوں گے اور مبارک ہیں رحیم کیونکہ اُن پر رحم کیا جائیگا، اور مبارک ہیں پاک دل کیونکہ خدا کو دیکھیں گے اور مبارک ہیں صلح کنندگان کیونکہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے اور مبارک ہیں زحمت کشان برائے عدالت کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن کی ہے،

(متی باب ۵ و ۶ تا ۱۱)

اب ہم ان لوگوں کے حالات لکھتے ہیں جن کی ذات ستودہ صفات میں ہر ایک خوبی جمع تھی جس کو حضرت عیسےٰ ایک ایک کر کے گنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس جہان کی بادشاہت عنایت فرمائی لیکن اُن کی نگہ آسمان کی بادشاہت پر رہی، مبارک ہے وہ قوم جو خلافت کے اصل منشا کو سمجھتے ہیں، اور اس حقیقی ترقی کے وارث ہیں جس کی شاہد تین و زیتون و طور سینین اور بلد الامین ہیں جو حریت و مساوات کے پشت پناہ ہیں۔

آیات محولہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت اور مملکت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے اور اقوام اور افراد اقوام کے ہاتھوں میں ان کے بدولت بے شمار ذرائع ترقی دیے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کا جائز استعمال کریں۔ خلافت کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے ہاتھوں میں رہے جو اُس کے اہل ہوں۔ خلافت کی مختلف صورتیں خواہ شخصی ہوں یا جمہوری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو حکومت اغراض خلافت کو پورا نہیں کر سکتی برباد ہو جاتی ہے اور جو قوم منشا، خلافت کے مخالف خواہشات نفسانی کی متابعت میں ظلم و ستم روا رکھتی ہے تباہ ہو کر رہتی ہے۔ خلافت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، مبارک ہے وہ قوم جو اس میں خیانت نہیں کرتی

اس جہان کی بادشاہت

آج سے قریباً دو ہزار برس پیشتر یروشلم میں ایک ایسا واقعہ ظہور میں آیا جس کے نتائج پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں، ایک شخص نے دعوی نبوت کیا، یہ شخص بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت داؤد کی نسل سے تھا، اور اُس کا نام یسوع تھا۔ مقدس سوانح نگاران نے اس کا شجرہ نسب لکھا ہے، اوقت

اس شخص کے دعویٰ کی تائید اور تصدیق سوائے چند اشخاص کسی نے نہ کی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس شخص کو بشر نہیں بلکہ خدا اور ابن خدا سمجھ کر معبود کا درجہ دیا گیا ہے، اگرچہ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ داؤدؑ کی نسل سے تھا مگر اس کا حقیقی باپ کوئی نہ تھا، اس کے معجزات پر ضخیم کتابیں لکھی گئیں ہیں، اور دنیا میں آج کون ہے جو یسوع مسیح یا عیسیٰؑ کے نام سے ناواقف ہے'

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نبی برحق کے مخالف اُس کی اپنی قوم اور حکومت (رومی) بدظن تھی، اور اس لئے اُسے گرفتار کیا گیا، اور سردار کاہن کے حضور پیش کیا گیا۔

چشم تصور اور دیدۂ بصیرت سے یسوع کو جو موجودہ زمانہ میں خدا سمجھا جاتا ہے سردار کاہن کی عدالت میں حسب روایت مقدس یوحنا بندھے ہوئے کھڑا دیکھو، سردار کاہن کچھ پوچھتا ہے اور آنحضرتؑ جواب دیتے ہیں۔ قریب ہی ایک پیادہ کھڑا ہے وہ آپ کے مُنہ پر ایک دھپڑ جماتا ہے اور کہتا ہے کہ سردار کاہن کے حضور اس طرح گستاخانہ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے، یسوع اُس کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں کہ "میں نے کیا بُرا کہا، اگر بُرا کہا تو ظاہر کرنا چاہئے اور اگر سچ کہا تو تُو مجھے کیوں مارتا ہے"

ہم یہ واقعہ لکھ رہے ہیں اور ہمارے دل سے دھواں اُٹھ رہا ہے، آہ "اس نازک دل پر کیسی ٹھیس لگی ہوگی جو پیادہ کو کہتا ہے کہ "تو مجھے کیوں مارتا ہے"، کیسی بے چارگی۔ کیسی بے بسی، کیسی بے کسی، اس ایک فقرہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے' سردار کاہن کے سامنے لوگ مُنہ پر تھو کتے ہیں اور چپت رسید کرتے ہیں' اور پوچھتے ہیں کہ ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے مارا، رسوائی اور بے عزتی کی حد ہو گئی، یہ رسوائی اس شخص کی ہو رہی ہے جو اپنی قوم کو پستی سے نکال کر معراج ترقی پر پہنچانا چاہتا تھا، آنحضرت سے پیشتر بھی انبیاءؑ گذرے اور ذلیل و خوار ہوئے، جس کی صرف وجہ یہ تھی کہ اُن کو دنیاوی غلبہ حاصل نہ تھا، اور کفر و شرک کے ہاتھ میں حکومت تھی، اور حکومت کے ساتھ قدرت اور طاقت حاصل تھی، حضرت عیسیٰؑ نے اس رسوائی اور بے عزتی اور ناکامیابی کو محسوس کرتے ہوئے سچی پیشگوئی کی کہ جو کچھ تم میرے ساتھ بد سلوکی کر رہے ہو اُس کی وجہ یہ ہے کہ "میری بادشاہت اس جہان کی نہیں ہے" اور تم کو دنیاوی غلبہ حاصل ہے، "لیکن وہ وقت آتا ہے کہ جب ابن آدم

جاہ و جلال کے ساتھ مبعوث ہو گا۔ قدرت اور طاقت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا ہو گا"۔ طاقت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھنا اور بادلوں کے ساتھ آنا زبان کے محاورہ ہیں، سردار کاہن تو کیا کوئی ابن آدم کو قادر مطلق کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا ہوا نہیں دیکھ سکتا، داہنا ہاتھ غلبہ کی علامت ہے، اس لئے اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ ابن آدم ایسی طاقت کے ساتھ آئیگا جو زبردست ہو گی اور غالب رہے گی۔" آسمان کے بادلوں سے مراد رحمت الٰہی ہے اور جاہ و جلال بھی ہے، جو ایسے زبردست طاقت کے ہمراہ لازمی امر ہے، یعنی تائید ایزدی سے ابن آدم کو زبردست طاقت عنایت ہو گی جس کے بغیر آپ ذلیل و رسوا ہوئے۔ اس پیشینگوئی کا تقاضا زمانہ کر رہا تھا، اس دنیاوی غلبہ کے بغیر کسی نبی کی قانون قدرت کے مطابق کامیابی ناممکن تھی، حضرت عیسیٰ کو کامیاب پیغمبر حضرت موسیٰؑ کے حالات کا علم تھا حضرت موسیٰؑ کو بھی فرعون کے دربار میں پیش ہونا پڑا، اور اس لئے قال موسیٰ ربنا انك اتيت فرعون وملأه زينة واموالا فى الحيوة الدنيا ربنا ليضلوا عن سبيلك، ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم" ایک ایسے ہی ابن آدم ایسے ہی مثیل موسیٰ کی اب بھی ضرورت تھی،

اس کے بعد یسوع مسیح پلاطوس رومی گورنر کی عدالت میں پیش ہوئے تو اس نے آپ

نمبر ۵- توریت (استثنا) کی مشہور پیشین گوئی کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کا مثیل بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں پیدا کرے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تصدیق کی " واذ قال عيسى بن مريم يا بنى اسرائيل انى رسول الله اليكم مصدقا لما بين يدى من التوراة ومبشرا برسول ياتى من بعدى اسمه احمد (دیکھو یوحنا باب ۱۵ و ۱۶)

مماثلت کے اور پہلو بھی ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن الفاظ میں مماثلت کی ہے وہ انبیا میں سے جو صاحب شریعت گذرے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کے مطابق ہے +

سے پوچھا کہ "کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟ آنحضرت نے جواب دیا کہ "تو یہ بات آپ سے کہتا ہے یا کسی اور نے میرے حق میں تجھے کہا ہے" پلاطوس نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا کہ "کیا میں یہودی ہوں" میری ہی قوم اور سردار کاہنوں نے تجھ کو میرے حوالے کیا، تو نے کیا کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ میری بادشاہت اس جہان کی نہیں ہے، اگر میری بادشاہت اس جہان کی ہوتی تو میرے نوکر لڑائی کرتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالہ نہ کیا جاتا پر میری بادشاہت یہاں کی نہیں ہے" پلاطوس نے پھر پوچھا کہ "کیا تو بادشاہ ہے؟ آنحضرت نے جواب دیا کہ "تو کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں میں تو اسی واسطے پیدا ہوا اور اسی لئے دنیا میں آیا کہ حق پر گواہی دوں پس جو کوئی حق سے ہے میری آواز سنتا ہے"

ایام جاہلیت (Dark ages) میں یہ عام دستور تھا کہ ملزم کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دے کر اقبال جرم کرایا جاتا، اس لیے پلاطوس نے آنحضرت کو کوڑے لگوائے اور اس کے بعد موت کا فتویٰ صادر کیا،

آنحضرت کو صلیب پر لٹکانے کیلئے لے چلے، سر پر کانٹوں کا تاج تھا کم بخت سنگدلوں کو دل لگی کہاں سوجھتا تھا، یہ واقعہ جو جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور یہ دلخراش داستان مقدس سوانح نگاروں نے خون کے حرفوں سے لکھی ہے،

ہمیں رہ رہ کر یہ فقرہ یاد آتا ہے کہ "اگر میں نے سچ کہا تو تو مجھے کیوں مارتا ہے"۔ یہ تو ایک پیادہ تھا اس ظالم پلاطوس کو دیکھو کہ بار بار کہتا ہے کہ آپ بے گناہ ہیں، مگر کوڑے لگواتا ہے، اور آخر فتویٰ موت صادر کرتا ہے ا افسوس آنحضرت کی بادشاہت اس جہان کی نہ تھی، ورنہ آپ کے نوکر لڑائی کرتے اور آپ یہودیوں کے ہاتھ نہ پڑتے، گرفتار ہو کر پلاطوس کی عدالت میں پیش نہ ہوتے، اور صلیب پر نہ لٹکائے جاتے،

غور کرو کہ یہ زمانہ کیسا تھا، کہ سچ کو کوئی نہیں پوچھتا بے گناہی کی سزا موت ہے کیوں؟ وجہ یہ کہ ایک طرف زبردست طاقت ہے جس کا مقابلہ ہو نہیں سکتا، اس وقت سردار کاہن اور پلاطوس باطل مجسم ہیں، قدرت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے، اُن کی بادشاہت اُس جہان کی ہے اور دوسری طرف صداقت بے چارگی اور بے بسی کی زندہ مثال ہے، اُسکی

اُس کی بادشاہت اِس جہان کی نہیں ہے۔ حضرت مسیحؑ نے یہ سب کچھ دیکھا اور فرمایا کہ وہ وقت آتا ہے کہ ابن آدم قدرت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا دکھائی دے گا۔ جب حق غالب آئیگا اور باطل اُس کے مقابلہ میں فنا ہوجائے گا، وہ وقت آپ کی پیش گوئی کے مطابق آیا۔

قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا ۔ وقل جاء الحق وزهق الباطل ۔ ان الباطل کان زهوقا (۱۵ - ۹)

تائید ایزدی سے حکومت کی مدد غلبۂ حق کے لئے لازمی تھی، یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہئے کہ اشاعت حق تلوار کے زور سے ہوئی" ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین (۲ - ۱۷) لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اشاعت حق کا راستہ تلوار نے صاف کر دیا۔ وہ تلواریں جو باطل کے قبضہ میں تھیں زبردست طاقت نے چھین لیں تاکہ پھر وہ دل ہلا دینے والا نظارہ جو سردار کاہن اور پلاطوس کی برائے نام عدالت میں آنکھوں کے سامنے تھا نظر نہ آئے، وہ وسیلہ یعنی تلوار جس کی بدولت باطل حق پر غالب آتا رہا قطع کر دیا گیا۔ لیکن حق نے غلبہ حاصل کرنے کے لئے اُن وسائل سے کبھی کام نہیں لیا حق کے پاس جبکہ باطل کا غلبہ نہ رہا، ایک زبردست حربہ تھا، اس کا استعمال ہمیشہ کیا گیا یہ حربہ برہان قاطع تھا جو لا اکراہ فی الدین[له] کے ساتھ اب تک اپنا کام کر رہا ہے۔

مسیحؑ اسی لئے مبعوث ہوئے کہ صداقت پر گواہی دیں اور صداقت پر گواہی دیتے رہے، پھر کیوں مار کھائی اور ذلیل و رسوا ہوئے اگر آپ سردار کاہن یا پلاطوس کی جگہ طاقت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوتے، اور اُس کے ساتھ صداقت پر گواہی دیتے تو صداقت

له آیات ذیل پر غور کرنا چاہئے۔

(۱) ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلهم جمیعا افانت تکره الناس حتی یکونوا مؤمنین (یونس)

(۲) فان اعرضوا فما ارسلنٰک علیهم حفیظا ان علیک الا البلاغ (الشوریٰ)

(۳) نحن اعلم بما یقولون وما انت علیهم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید (ق)

(۴) قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (الکهف)

(۵) فاعبدوا ما شئتم من دونه (الزمر)

(۶) ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیهم حفیظا وما انت علیهم بوکیل (الانعام)

دگرگوں ہوتا، "کل امر مرھون باوقاتھا" آیت قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق توضیح کے اس فقرہ کے ہم معنی ہے "کہ میں صدق کے لئے پیدا ہوا اور صدق کے لئے دنیا میں آیا" اور آیت کے دوسرے جزو کا مفہوم "واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا" ابن آدم کا زبردست طاقت اور رحمت الٰہی کی تائید کے ساتھ آنا ہے" اور آیۂ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" ایک لازمی نتیجہ ہے جس کے متعلق یسوع مسیح نے پیش گوئی کی تھی،

ہجرت

ہجرت سنت انبیا ہے حضرت ابراہیمؑ نے "اور کلدانیان" سے ہجرت کی اور کنعان میں رہائش اختیار کی حضرت موسیٰؑ نے مصر سے ہجرت کی اور اول مدین میں بعد

۵ توریت میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ مصر سے بھاگ کر "مدین" میں آئے تو مدین کے کاہن کی بیٹیوں کی مدد کی اور ایک کنوئیں پر ان کے گلے کو پانی پلایا۔ وہ اپنے باپ رعوائل کے پاس آئیں۔ (خروج ۲ – ۱۶)
ایک مقام پر حضرت موسیٰؑ کے سسر کا نام "حوباب" "یترو" لکھا ہے جو "مدین" کا کاہن تھا (خروج ۳–۱)
ایک اور مقام پر حضرت موسیٰؑ کے خسر کا نام حوباب ابن رعوائل مدیانی لکھا ہے (گنتی ۱۰–۲۹)
توریت میں آنحضرتؐ کے خسر کے تین نام رعوائل اور حوباب ابن رعوائل اور "یترو" لکھے ہیں۔

قرآن شریف میں حضرت موسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی ہجرت کا تذکرہ ہے۔ ولما توجہ تلقاء مدین مدین جیسا کہ توریت میں مذکور ہے ارض حجاز کے اس حصہ کا نام تھا جو بحر قلزم کے شمال مشرق میں واقع ہے اور اس حصہ میں "مدینہ" جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد رہائش اختیار کی واقع ہے۔ مدینہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اصل میں مدینۃ النبی یا مدینۃ الرسول تھا کثرت استعمال سے "مدینہ" ہی مشہور ہوا۔ اور یہ کہ اصل میں اس جگہہ کا پرانا نام "یثرب" ہے۔ یاقوت حموی معجم البلدان میں "یثرب" کی وجہ تسمیہ اس طرح لکھا ہے:۔

اسم للناحیۃ التی منھا المدینۃ وقیل المناحیۃ منھا وقیل ھی (مدینۃ النبی) سمیت باول من سکنھا من ولد سام بن نوح وقیل باسم رجل من العمالقۃ وقیل ھو اسم ارضھا۔

نام ہے اس سمت کا جس سمت میں مدینہ واقع ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ اس طرف کی ایک سمت کا نام ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہی مدینۃ النبی ہے جو موسوم ہوا ہے اُن کے نام سے جو اس میں پہلے سام بن نوح کی نسل سے آباد تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک شخص کے نام سے موسوم ہوا ہے جو عمالقہ سے تھا اور کہا گیا ہے کہ یہ نام اس سرزمین کا ہے۔

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں "یثرب" ایک شخص کا نام مشہور کرتا ہے جو عمالقہ سے تھا۔ اسی نے اس جگہہ رہائش اختیار کی اور اس کے نام پر یہ شہر مشہور ہوا۔

ازاں اپنی قوم کے ساتھ جزیرہ نما سینا میں رہے۔ ہجرت کی وجہ یہ ہے کہ بقول حضرت عیسیٰؑ "نبی کہیں بے عزت نہیں لیکن اپنے وطن میں" جو کچھ سلوک اہل وطن نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ روا رکھا وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ جب تک لوگوں نے ابن آدم کو جلال کے ساتھ آتا ہوا نہ دیکھ لیا دشمنی سے باز نہ آئے۔

حضرت عیسیٰؑ کا باپ نہ تھا، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نہ تھے آنحضرتؐ یتیم تھے، جب بحکم الٰہی لوگوں کو دعوتِ اسلام دی تو دیکھا کہ ہر ایک شخص بلکہ اپنے اقربا مخالفت پر کمربستہ ہیں، یہ تو ناممکن تھا کہ صداقت جس کی شہادت آنحضرت علی الاعلان دے رہے تھے دلوں پر اثر نہ کرے۔ اس لئے سب سے پہلے آپ کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ اور بعد ازاں ابو بکرؓ و زید بن حارثہ و بلال بن حمامہؓ نے اسلام قبول کیا، اور رفتہ رفتہ اسلامیوں کی تعداد کے ساتھ مخالفین کی عداوت بھی بڑھتی گئی۔

ان میں سے ابو بکرؓ صاحب اثر تھے اور قریش آپ کے حسن سلوک کے مداح تھے اس لئے مختلف قبائل کے ایک ایک دو دو آدمی آپ کے ذریعہ سے ایمان لائے ان میں سے عثمانؓ بن عفان اور طلحہؓ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف و

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ - اہل عرب کی خصائل کی خصوصیت میں داخل ہے کہ وہ ناموں کا تغیر و تبدل پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ہزارہا سال کے نام موجود ہیں۔ لیکن روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے "یثرب" کا نام بدل کر "طیبہ" اور "طابہ" رکھا کیونکہ کلام العرب میں "یثرب" کا مفہوم فساد ہے جس کو آنحضرتؐ پسند نہ فرماتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ "یثرب" مدینہ کا نہایت ہی پرانا نام ہے، اور اگر علامہ ابن عاروت کی تحقیق صحیح ہے کہ یہ شہر یثرب بن قائد بن عبیل بن مبلائیل ابن عوص بن عملیق کا بسایا ہوا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں یہی نام تھا۔ اور توریت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل آنحضرت کے زمانہ میں عمالقہ کے ساتھ عرصہ تک لڑتے رہے +

نیز عبرانی ابجد کا دوسرا حرف "ב" (ب) اور (دال) دونوں حروف با اور داہ کی علامت ہے، اور یہ لفظ "یثرو" یا "یثرب" دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ "یثرب" پرانا نام مدینہ کا ہے، اس لئے توریت کا "یثرب" وہی "یثرب" ہے جو اب مدینہ ہے اور یہ نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر کا نہیں۔ بلکہ سسرال کا ہے، اور غالباً جو باب ابن رعوایل صحیح نام سسر کا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مماثلت حیرت انگیز ہے +

زبیر بن العوام بھی تھے اور پانچوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،

مخالفین کا اس قدر خوف تھا کہ یہ چھوٹی سی جماعت جنگلوں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت چپکے چپکے کرتے، اس پر بھی جہاں جہاں مخالفین غریب مسلمانوں کو پاتے پتھروں سے مارتے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے، جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اسلامیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور مخالفت اُن کی تباہی پر آمادہ ہے تو اور فکر لاحق ہوا

ؔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کے مفصل حالات ہم اس سلسلہ کی تیسری جلد میں لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ،

ؔ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ آنجناب کی کنیت ابو محمد ہے قریشی تیمی ہیں، حضرت صدیق اکبر کی ترغیب سے اسلام قبول کیا، جب آنجناب مسلمان ہوئے تو آپ کے بھائی نے آپ کو ایسے وقت میں جبکہ آپ صدیق اکبرؓ کے ساتھ نماز میں شریک تھے پکڑا اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ ایک ہی رسی سے باندھا۔ غرض یہ تھی کہ نماز چھوڑ دیں اور دین ترک کر دیں، اس لئے حضرت طلحہؓ کو "قرینین"، کہتے تھے،

لیکن وہ ہی لقب جو خود آنحضرتؐ نے عطا فرمایا زیادہ مشہور ہے چنانچہ "اُحد" کے دن آپ کو "طلحۃ الجواد" فرمایا۔

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ بعد احد رسول کریمؐ نے طلحہؓ سے سیڑھی کا کام لیا، اور آپ کی پشت پر پاؤں رکھ کر پہاڑی پر چڑھے، اور فرمایا کہ طلحہؓ نے جنت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے دونوں کانوں سے رسول کریمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ طلحہ و زبیر جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہید کو چلتا ہوا دیکھنے کی خواہش رکھتا وہ طلحہ بن عبد اللہ کو دیکھ لے +

خود حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی کے استفسار پر رسول کریمؐ نے آپ کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ قضیٰ نحبہ یہ ہے (یعنی جب ارشاد الٰہی فمنہم من قضیٰ نحبہ آپ اپنی نذر سے جو اللہ سے کر چکے تھے پوری کر چکے)

المختصر حضرت طلحہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، اور اصحاب ہدیٰ یعنی اُن چند لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے بعد مستحق خلافت سمجھا،

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے درمیان رسول خداؐ نے ہجرت سے پیشتر مکہ میں مواخات کرا دی تھی۔ اس لئے ان دونوں حضرات میں محبت کمال درجہ کی تھی۔ چنانچہ ہر ایک کام میں وہ ایک دوسرے کے دست و بازو نظر آتے ہیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول کریمؐ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری میں مواخات کرا دی تھی،

روایات جو ہم تک پہنچی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مخالفین میں سے طلحہ و حضرت علیؓ بھی تھے اس مخالفت کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہے جو تاریخ اسلام میں خون کے حرفوں میں لکھی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ نے اس مخالفت میں غیر معمولی حصہ لیا لیکن جب وہ نتیجہ جس کی انہیں امید نہ تھی ظہور میں آیا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اپنی ندامت کا اظہار آپ اکثر کرتے رہتے، اور شہادت سے پہلے بھی دعا مانگتے کہ الٰہی دنیا میں مجھ سے میرے اعمال کا بدلہ لے۔

اس وقت تک قریش کے مختلف خاندانوں میں سے ایک ایک دو شخص اسلام قبول کر چکے تھے، اور اگر ان میں سے کوئی کسی مخالف کے ہاتھ سے مارا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ عرب میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھتی، کوئی عربی خاندان کسی حالت میں اپنے آدمی کو

بقیہ صفحہ ۳۷ - جب حضرت طلحہ رض حضرت زبیر رض نے حضرت علی رض سے خون عثمان رض کے قصاص کا مطالبہ کیا تو حضرت علی رض نے پتہ کی بات کہی کہ یہ لوگ مجھ سے اس حق کو طلب کرتے ہیں جس کو وہ خود چھوڑ چکے ہیں، (یعنی حق خلافت) اور اس خون کا قصاص اس سے مانگتے ہیں جس کو انہوں نے خود گرایا۔ اگرچہ عثمان پر اعتراض کرنے میں میں بھی ان کے شریک تھا مگر قتل عثمان کا گناہ خود ان ہی لوگوں پر ہے"۔

"جنگ جمل میں طلحہ رض یہ تقریر کر رہے تھے"

ندامة ندامة الكسعی لما شریت رضی بنی جرم برغمی

(میں ویسا ہی نادم ہوا جیسا کہ کسعی جبکہ بنے قبیلہ بنی جرم (یعنی مخالفین عثمان رض) کے خوش رکھنے کی تدبیر کی)

کسعی کی ندامت عرب میں ضرب المثل تھی (اس نے ایک درخت جس سے تیر بنائے جاتے ہیں پرورش کیا تھا۔ اور جب یہ درخت اس قابل ہو گیا تو اس نے تیر اور کمان بنائی۔ اندھیری رات میں ایک شکار پر تیر پھینکا اور خیال یہ کیا کہ شاید شکار بچ کر نکل گیا۔ غصہ میں کمان توڑ ڈالی۔ صبح دیکھا کہ شکار مرا پڑا ہے۔ اس لئے بہت پشیمان ہوا۔ حضرت طلحہ رض اس ندامت کا اظہار کرتے ہیں جو مخالفت عثمان رض کے باعث آپ کو ہوئی) افسوس کرتے ہیں کہ میں نے کیوں مخالفت کا ساتھ دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ معرکہ کارزار میں مروان بن الحکم نے ایک تیر کا آپ کو نشانہ بنایا جو آپ کے گلے میں لگا۔ چنانچہ مروان نے فرزند عثمان رض سے فخریہ کہا "کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا کام تمام کر دیا"۔

جب حضرت علی رض کو معلوم ہوا کہ طلحہ رض میدان کارزار میں خاک و خون میں غلطاں ہے تو فوراً موقعہ پر پہنچے۔ آپ کے چہرہ سے مٹی پونچھنے لگے اور فرمایا اے ابو محمد یہ بات مجھ پر بہت شاق ہے کہ میں تجھ کو آسمان کے تاروں کے نیچے خاک آلودہ دیکھوں" پھر طلحہ رض کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور رونے لگے۔ حضرت علی رض فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے امید ہے کہ ہم اور طلحہ اور عثمان اور زبیر ان لوگوں میں ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین (ہم ان کے دل سے تمام کینے نکال دیں گے وہ ایک دوسرے کے سامنے بھائی بھائی بن کے تختوں پر بیٹھیں گے)

حضرت طلحہ رض کا رنگ گندمی تھا۔ بہت خوبصورت تھے۔ سر میں بال بہت تھے۔ میانہ قد تھے۔ سینہ اور شانے چوڑے تھے، ساٹھ سال سے کچھ عمر تجاوز کر گئی تھی جب میدان جمل میں کام آئے"

حضرت سعد بن مالک (ابی وقاص) بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قریشی زہری ہیں۔ کنیت ابو اسحٰق ہے۔ والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ بنت عبد شمس سے ہ۔

جابر رض سے روایت ہے کہ ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں سعد بن ابی وقاص سامنے سے آ گئے۔ رسول کریم نے فرمایا "یہ میرے ماموں ہیں کوئی شخص ایسا ماموں مجھے

دشمن کے ہاتھ میں نہیں دیکھ سکتا تھا، اور اگر کوئی شخص مارا جاتا تو اس کا خاندان خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا اور اس طرح دو خاندان اور ان کے حلفاء کے درمیان عرصہ تک تلوار چلتی۔

بقیہ صفحہ ۳۵ دکھائے تو میں جانوں) ماموں اس وجہ سے فرمایا کہ سعد قبیلہ زہرہ سے ہیں اور رسول خدا صلعم کی والدہ آمنہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں، اور سعد آپ کی والدہ کے چچا کے لڑکے تھے عرب میں ماں کی طرف والوں کو ماموں کہتے ہیں۔

حضرت سعد رضؓ عشرہ مبشرہ اور اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں۔

حضرت سعد رضؓ سابقین اولین میں سے ہیں اور غالباً پانچویں بزرگ ہیں جو زید بن حارثہ و ابوبکر رضؓ و حضرت علی رضؓ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز فرض ہونے سے پیشتر مسلمان ہوا تھا۔

یہ فضیلت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی ذات سے خاص ہے کہ رسول کریم صلعم کی بعثت میں پہلا تیر جو مسلمانوں کی طرف سے کفار پر پھینکا گیا، وہ سعد رضؓ کے پُرزور ہاتھوں سے نکلا۔ چنانچہ بروز احد رسول کریم صلعم نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "زورمند لڑکے میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں" "تیر چلا" بقول حضرت علی رضؓ رسول کریم کو آپ سے پہلی دفعہ اس طرح کہتے سنا کہ "فداک ابی و امی"

حضرت سعد رضؓ ہی نے قادسیہ کے میدان میں کسریٰ فارس کی عظیم الشان سلطنت کو خاک میں ملا دیا۔ اور آپ ہی کے ہاتھوں سے کوفہ کی بنیاد پڑی، اور خلافت فاروق اعظم میں عراق کے والی مقرر ہوئے جب بنو اسد نے ان کے برخلاف شکایت کی تو فاروق رضؓ نے سعد رضؓ کو معزول کر دیا، لیکن وصیت فرمائی کہ میں نے سعد کو نالائقی اور خیانت کے باعث معزول نہیں کیا۔ اگر میرے بعد وہ خلیفہ منتخب ہو تو بہتر ورنہ جو شخص خلیفہ ہو سعد کو عامل مقرر کرے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے ان کو کوفہ کا والی مقرر کیا، مگر پھر معزول کر دیا۔

جب حضرت عثمان شہید ہو گئے اور فتنہ عظیم برپا ہوا، تو سعد رضؓ ان لوگوں سے تھے جو اس وقت کسی فریق کے طرفدار نہ تھے۔ حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ نے بہت کہا کہ ہمارا ساتھ دو مگر صاف انکار کر دیا۔

سعد رضؓ کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی، جب والدہ کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو کہا کہ یہ دین چھوڑ دے ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی اور مر جاؤں گی، اور لوگ تجھے طعنہ دیں گے، چنانچہ ایک دن رات کھانا نہیں کھایا اور سخت تکلیف اٹھائی، سعد رضؓ نے کہا کہ اماں جان اگر تمہاری ہزار جانیں ہوتیں اور ایک ایک کرکے نکل جاتیں تو بھی میں اس دین کو کسی وجہ سے نہیں چھوڑتا، مفسرین کی یہ رائے ہے کہ آیہ وَاِنْ جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا " یعنے اگر تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔

مہاجرین میں سے سعد کا انتقال سب سے آخر میں ۵۵ھ یا اس کے بعد ہوا ہے۔

سعد کا رنگ گندمی تھا، دراز قد تھے اور طاقت ور ہاتھ رکھتے تھے، مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر بمقام عقیق آپ کا انتقال ہوا، وہاں سے مدینہ میں لائے گئے اور حسب وصیت اس پرانے جبہ میں رکھ کر دفن ہوئے

ایک روز آنحضرتؐ کوہ صفا کی طرف جارہے تھے کہ ابوجہل عمر بن ہشام دوچار ہوا، اور سخت نامناسب اور ناشائستہ کلمات کہے، رسول کریم کی خاموشی نے اسکی زبان اور دراز کردی، گالیاں دینے لگا، عالی حوصلہ نبی نے اس یاوہ گو، دریدہ دہن کی

بقیہ جو بدر کے روز آپ نے پہنا ہوا تھا۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القریشی زہری ہیں کنیت ابو محمد ہے، واقعہ فیل سے دس برس بعد پیدا ہوئے۔ ایام جاہلیت میں آپ کا نام عبد الملکہ تھا آنحضرتؐ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا، آپ اُن آٹھ بزرگوں میں سے ہیں جو سب سے پیشتر رسول کریمؐ کی رسالت پر ایمان لائے اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، آپ نے حبش اور مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، غزوہ بدر اور احد اور تمام غزوات میں رسول کریمؐ کے ساتھ شریک رہے، آنحضرتؐ نے آپ کو دومۃ الجندل میں کلب کی طرف بھیجا اور دست مبارک سے اُن کے سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ تمہیں فتح دے تو وہاں کے امیر کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ نے وہاں کے امیر کی لڑکی عاضر سے نکاح کر لیا جس کے بطن سے ابو سلمہؓ پیدا ہوئے، آپ اصحاب بدر میں سے ایک ہیں، جب اصحاب شوریٰ جمع ہوئے، تو آپ ہی کے انتخاب پر خلافت کا فیصلہ ٹھیرا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضؓ کو منتخب کیا۔ ایک دفعہ رسول خدا نے آپ کے پیچھے سفر میں نماز پڑھی، آپ بہت دولتمند تھے، اور اپنی دولت بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ؛

ایک دفعہ ام المؤمنین ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے ماں میں ڈرتا ہوں کہ مجھے میرے مال کی کثرت ہلاک نہ کر دے "ام المؤمنین نے فرمایا" بیٹا اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو" ؛

ایک دفعہ آپ روزہ سے تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھانا تھا مصعبؓ بن عمیر کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "وہ مجھ سے بہتر ہے، جب اُن کو اُن کی چادر کا کفن دیا گیا" تو وہ چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھانکا جاتا تھا تو پیر کھل جاتے تھے، اور اگر پیر ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اور اسی طرح حضرت حمزہ رضؓ کی شہادت کا ذکر کیا کہ وہ مجھ سے بہتر تھے" پھر اُن ایام میں شہدا کے لئے کفن بھی میسر نہ آتا تھا، اس کے بعد دنیا ہمارے لئے کشادہ کردی گئی" ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا اجر دنیا ہی میں مل گیا۔ پھر اتنا روئے کہ ہاتھ سے کھانا گر پڑا؛

آپ کا رنگ سرخ و سفید تھا، خوبصورت ستھا اکہرا جسم تھا، بڑی بڑی آنکھیں، پلکوں کے بال گھنے اور بڑے تھے، سر کے بال شانوں پر لٹکتے تھے، اسلمہ میں بمقام مدینہ بہتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا، حضرت علیؓ و سعد بن ابی وقاص شریک جنازہ تھے، ؛

آپ بڑے پارسا اور مہمان نواز تھے، آپ کا دستر خوان بڑا وسیع تھا مگر بہ اتباع سنت نبری ایک ہی قسم کے کھانے پر اکتفا کرتے تھے، آپ تلاوت کلام اللہ شریف کے بڑے شائق تھے، چنانچہ آپ اکثر سورہ بر زبان یاد تھیں۔ ضرب الامثال کے طور پر بھی آپ اکثر آیات قرآنی استعمال کیا کرتے تھے؛

کسی بات کا کچھ جواب نہ دیا اور سکوت اختیار کیا۔ اس پر ابوجہل جھلا اُٹھا اور ایک پتھر اُٹھا کر مارا۔ آنحضرت صلعم کے سر مبارک سے خون بہنے لگا، اب ابوجہل کے بھی حواس باختہ ہو گئے اُسے معاً خیال پیدا ہوا کہ بنو ہاشم اُسے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آنحضرت بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس طرح دھول دھپے تک نوبت پہنچی تو اصلاح جو آنحضرت کے مدنظر تھی فساد کی صورت میں تبدیل ہو جائیگی اس لئے صبر کیا اور چپکے گھر کی طرف چلے گئے۔

حضرت حمزہ رضہ جو اُس وقت بحالت کفر تھے عادتاً ہر روز شکار کے لئے باہر جایا کرتے اور گھر کی طرف لوٹنے سے پیشتر کعبہ کا طواف کرتے، اور پھر قریش کی مجلس میں آتے، آج شکار سے واپس آ رہے تھے کہ عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کی ایک لونڈی آپ سے دوچار ہوئی اور کہا کہ "اے ابو عمارہ کاش تم اس مصیبت کو دیکھتے جو تمہارے بھتیجے محمدؐ کو ابھی ابھی ابوالحکم (ابوجہل) کے ہاتھ سے پہنچی ہے۔ بعد اس کے تمہارے بھتیجے کو گالیاں دیں اور مارا، اور محمدؐ نے اُسے کچھ نہیں کہا حضرت حمزہ رضہ طیش میں کعبہ کا طواف بھی بھول گئے، سیدھے قریش کی مجلس میں ابوجہل کی تلاش میں آئے، دیکھا کہ لوگوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا ہے آپ کے ہاتھ میں اُس وقت کمان تھی، اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ خون بہنے لگا اور کہا کم بخت تو ہمیشہ محمدؐ کو سخت و سست کلمات سنایا کرتا ہے، جانتا نہیں کہ میں اُس کا چچا ہوں، بنی مخزوم ابوجہل کی حمایت کے لئے اُٹھے، لیکن ابوجہل نے خود اُنہیں روک دیا اور کہا ابتدا میری طرف سے ہوئی ہے، اور میں نے اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دیں، اس کے بعد حمزہ رضہ آنحضرت کے پاس آئے اور کہا کہ "میرے بھتیجے خوش ہو کہ آج میں نے تمہارے دشمن ابوجہل کو ابھی ابھی نہایت ذلیل کیا ہے" آنحضرت نے فرمایا "اے چچا میں تو اُس وقت خوش ہونگا جب آپ دین اسلام قبول کرینگے" حضرت حمزہ رضہ نے کہا کہ "میں نے دین اسلام قبول کیا، اور جبتک زندہ ہوں اسی دین پر رہونگا" +

المختصر نہ صرف رسول کریم صلعم کو بلکہ مخالفین کو بھی خانہ جنگی کے ساتھ بدنظمی اور بدنظمی کے ساتھ تباہی قوم کا خیال تھا، نہ تو رسول کریم صلعم علی الاعلان دعوتِ اسلام سے باز رہ سکتے تھے اور نہ مخالفت کم ہو سکتی تھی، بلکہ خونریزی یقینی امر تھا، آنحضرت نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی ہدایت فرمائی، چنانچہ عثمان بن عفان اور اُن کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ صلعم اور

ابو حذیفہؓ بن عتبہ اور اُن کی بیوی سہلہؓ سہیل اور زبیرؓ بن العوام اور مصعبؓ بن عمیر اور ابی سبشر بن الجاہم اور سہیلؓ بن بیضا اور عبد اللہؓ بن مسعود اور عامرؓ بن ربیعہ عنزی اور اُن کی بیوی بنت ابی خیثمہ گیارہ زن و مرد حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے مخالفین نے تعاقب کیا مگر ناکام رہے،

اس کے بعد مسلمان یکے بعد دیگرے حبشہ کی طرف ہجرت کرتے رہے جن میں سے ایک جعفر بن ابی طالب بھی تھے، حبشہ میں مہاجرین کی تعداد رفتہ رفتہ تین سو تک پہنچ گئی،

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں ترقی ہو رہی ہے اور آج حمزہؓ اور کل عمرؓ اس میں داخل ہو رہے ہیں تو کل قبائل عرب کے سر برآوردہ ارکان جو اس وقت مکہ اور اس کے قرب وجوار میں تھے ایک جگہ جمع ہوئے اور آپس میں مسلمانوں کی بیخ کنی کا عہد باندھا، ان میں بنو ہاشم اور بنو مطلب بھی تھے، مدعا یہ تھا کہ کوئی قبیلہ دعویدار نہ ہو لیکن اس وقت تک آپ کے چچا ابو طالب زندہ تھے، اور کعبہ کے متولی اور آنحضرتؐ کے سرپرست تھے، اس لئے اکثر بنو ہاشم علانیہ اس سازش میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، اور بعض آنحضرتؐ کی حمایت دل سے کرتے تھے، لیکن اب تو ابو طالب کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اسلئے آنحضرتؐ کے قتل کی سازش کرنے لگے

آنحضرتؐ قریش کی طرف سے کسی قدر مایوس ہو رہے تھے، لیکن دعوت اسلام کر رہے تھے، اب آنحضرتؐ کی توجہ زیادہ تر اُن لوگوں کی طرف تھی جو باہر سے مکہ میں بغرض حج یا تجارت آتے، آنحضرتؐ اُن لوگوں کے پاس جاتے اور اُنکو قرآن سناتے اور دعوت اسلام دیتے، ادھر مخالفین ان لوگوں میں آنحضرتؐ کی نسبت طرح طرح کی خود ساختہ روایتیں شائع کرتے کہ یہ شخص ساحر اور مجنون اور کاہن ہے،

باہمی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ میں تو ہر ایک جگہ، ہر ایک گھر اور ہر ایک مجلس میں آنحضرتؐ کا ذکر ہوتا تھا، لوگوں کو اچھا مشغلہ ہاتھ آیا تھا، لیکن مکہ کے باہر بھی آنحضرتؐ کی شہرت پھیل رہی تھی، اور لوگ خود بخود کسی نہ کسی وجہ سے کھنچے چلے آتے تھے۔

ہجرت کی مفصل تاریخ انشاء اللہ تعالیٰ ہم رسول کریمؐ کے حالات میں لکھیں گے جس سے واضح ہو جائے گا، کہ مسلمانوں کو کس قدر سخت مصائب برداشت کرنی پڑیں۔ اور بالخصوص آنحضرتؐ پر تو مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، مگر آپ کے استقلال کے قدم

ہمیشہ ثابت رہے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد تین برس تک آنحضرت مکہ میں رہے اور ہر ایک مصیبت کا مقابلہ صبر و تحمل سے کیا، اس عرصہ میں اسلام شرعت کے ساتھ یثرب میں پھیل رہا تھا، اور اب اسی طرف مسلمان ہجرت کر رہے تھے،

جب قریش نے دیکھا کہ اہل یثرب مسلمان ہو گئے، اور اہل مکہ جو مسلمان ہو چکے تھے یثرب میں جمع ہو رہے ہیں تو آنحضرتؐ کے خارج کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا، اس سے پیشتر مکہ میں تمام مسلمانوں سے قطع تعلق کر چکے تھے، کسی مسلمان کو بازار سے کوئی چیز خورد و نوش کی گراں قیمت پر بھی نہ ملتی تھی، یہاں تک کہ قریش نے ان سے تمام معاملات دنیاوی ترک کر دیئے! اب قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے، اور رسول کریمؐ کے متعلق مشورہ کرنے لگے، لوگ مختلف الرای تھے، ابوجہل کی رائے یہ تھی کہ ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک آدمی مل کر دفعۃً آنحضرتؐ پر حملہ کرے تاکہ کسی خاص قبیلہ پر خون کا دعوی نہ ہو سکے اگر بنو عبد المطلب دعویدار ہوں تو خون بہا دیدیا جائیگا، رسول کریمؐ کو ان کی سازشوں کا پتہ تھا۔ ابوبکرؓ کے ہمراہ جبل ثور کی طرف آئے، اس جگہ ایک غار میں تین شبانہ روز پوشیدہ رہے،

۴ روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ہی دو آدمی آنحضرتؐ کے ساتھ ہجرت کے وقت مکہ میں رہ گئے تھے، مگر تحقیق سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا، اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر صحابہ ہجرت کر چکے تھے مگر بعض ابھی تک مکہ میں ہی تھے، البتہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کسی شخص کا اسلام ہجرت کے بغیر قبول نہ کیا جائے گا مکہ میں کوئی مومن پیچھے نہ رہا۔ ہجرت چونکہ اسلام میں ایک ایسا واقعہ ہے جس سے تمام دیگر واقعات کو پس پشت ڈال دیا، چونکہ یہی ہجرت ہر ایک ترقی کا باعث ہوئی، اسی ہجرت نے مومنین اور منافقین کو علیحدہ علیحدہ کر دیا، اسی ہجرت کے سبب مسلمانوں نے وطن اور وطن کے ساتھ املاک چھوڑیں، اس لئے حسب معمول فضائل کے ضمن میں روایتیں اور حکایتیں اختراع کی گئیں، اگرچہ ہجرت پر مفصل بحث کا یہ مقام نہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعات جیسا کہ قرآن مجید کی آیات سے بطور استدلال معلوم ہو سکتے ہیں بیان کئے جائیں،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ کی رائے آنحضرتؐ کے متعلق مختلف تھی جیسا کہ آیہ "واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك" سے واضح ہوتا ہے، یعنی کفار نے ارادہ کر لیا کہ ہر ایک تدبیر یا حیلہ سے رسول خدا کو قید کریں یا قتل یا جلاوطن کر دیں، مکہ میں تو آنحضرتؐ کو قتل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ "حرم" مانع تھا، اور اگر اس کا پاس نہ بھی ہوتا، پھر بھی علی الاعلان قتل نہ کر سکتے تھے، کیونکہ قبائل کے باہمی تعلقات اس کی اجازت نہ دیسکتے تھے، ان امور کے ہوتے ہوئے اور جبکہ وہ یہ کام اور طرح خوش اسلوبی سے کر سکتے تھے جیسا کہ ہم ظاہر کریں گے قرین عقل نہیں کہ کفار کا یہ ارادہ تھا کہ آنحضرتؐ کو مکہ میں اور گھر میں قتل کریں سب سے بڑھکر آیہ الا تنصروہ فقد

مخالفین دوسرے روز نقش قدم پر آئے اور جبل ثور تک پہنچ گئے،
معلوم ہوتا ہے کہ سنگلاخ زمین پر نقش قدم مخالفین کی رہبری نہیں کر سکتے تھے
مگر اُن کو یقین ہو گیا کہ رسول کریمؐ اور ابو بکرؓ کہیں اسی پہاڑی میں روپوش ہیں اس لئے
وہ اِدھر اُدھر تلاش میں منتشر ہو گئے، اور بعض اُس غار تک آ گئے جہاں آنحضرتؐ اور
آور آنحضرتؐ کے یارِ غار پوشیدہ تھے' ابو بکرؓ نے دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر نزدیک آ گئے
ہیں کہ غار کے مُنہ پر کھڑے ہیں، اور اگر جُھک کر غار میں جھانکیں تو ضرور ہمیں بھانپ
لیں گے' اس لئے ابو بکرؓ کو رسول کریمؐ کے متعلق یہ غم لاحق ہوا کہ کفار اب آنحضرتؐ
پر قابو پالیں گے' رسول کریمؐ نے فرمایا " لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا " حضرت موسیٰؑ کو بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار الآیۃ ... درج
ہوتا ہے کہ کفار جلاوطنی پر ہی متفق تھے،

آیات محولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے جس کی تائید واقعات سے ہوتی ہے کہ اگرچہ کفار مختلف الرائے تھے
لیکن آنحضرتؐ کا قتل کچھ آسان کام نہ تھا، یعنی مکہ میں قتل نہ کر سکتے تھے' اس لئے اخراج پر متفق ہو گئے [illegible]
قتل کی سازش بھی درپردہ پختہ ہو چکی تھی' اور تدبیر یہ تھی کہ جب آنحضرتؐ مکہ چھوڑیں تو چپکے چپکے [illegible]
اور کہیں رستہ میں قتل کئے جائیں، اگر اس سازش کا حال کھل گیا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ بنو عبد المطلب
کو خوں بہا دیا جائے گا' اس سازش کا حال آنحضرتؐ پر بھی کھل چکا تھا، اس لئے آنحضرتؐ رات کے وقت
صدیق اکبرؓ کے ہمراہ گھر سے نکلے اور چونکہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ جب تک قریش یہ سمجھتے رہیں گے کہ آنحضرتؐ
ابھی گھر میں ہیں باہر تلاش میں نہ نکلیں گے' اور اس طرح محفوظ جگہ پر پہنچنے کا موقع مل جائے گا' اس لئے
حضرت علیؓ کو ہدایت کی کہ آج شب تم میرے بستر پر رہو گے' قریش مجھ کو تلاش نہ کریں گے' چنانچہ حضرت
علیؓ نے ایسا ہی کیا' اور صبح کے وقت جب معلوم ہوا کہ جس کو آنحضرتؐ سمجھتے تھے وہ علیؓ ہے تو
تعاقب میں نکلے +

سـ۵ اگرچہ احادیث سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ صدیق اکبرؓ پر غم محض رسول کریمؐ کے لئے تھا، مگر ہماری
رائے میں قرآن شریف کی یہی آیت " لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا " ہی کافی ہے' لفظ " تحزن " قرآن شریف میں
حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے :-

(۱) " ولا تحزن علیھم " (۱۴ - ۶) (اُور دین کی طرف سے اُنکی بے پروائی دیکھ کر) غم نہ کرنا "
(۲) " ولا تحزن علیھم " (۱۴ - ۲۲) اور ان (مخالفوں) کے حال پر افسوس نہ کرنا "
(۳) " فرجعنٰک الی امک کی تقر عینھا ولا تحزن " (۱۶ - ۱) ہم نے تم کو (تمہاری) ماں کے پاس
پہنچایا تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور (تمہاری) جدائی کا رنج نہ کریں " +
(۴) " ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک " (۲۰ - ۴) کچھ خوف نہ کرنا نہ رنج کرنا ہم اُنکو پھر تمہارے پاس پہنچادینگے

یہی واقعہ پیش آیا تھا، جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ لشکر فرعون نے انہیں آلیا تو

قال اصحٰب موسٰی انا لمدرکون، قال کلا ان معی ربی سیھدین (۱۹-۹)

فرق صرف اتنا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور کہا کہ اب دھر لیے گئے، اور یار غار کو اپنا تو نہیں بلکہ رسول کریمؐ کا غم تھا، رسول کریمؐ کا صاحب "اصحاب موسٰیؑ" سے بڑھکر عالی حوصلہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موسٰیؑ نے معیتِ رب صرف اپنی ذات کے ساتھ، لیکن رسول کریم نے معیت الٰہی اپنے اور اپنے یار غار دونوں کے ساتھ ظاہر فرمائی، حضرتِ موسٰیؑ نے اپنی ذات کو اپنے "رب" پر مگر رسول کریمؐ نے "اللہ" کو مقدم رکھا، لفظ "رب" اور "اللہ" کے مفہوم میں جو کچھ فرق ہے وہی دونوں پیغمبروں کے درجات میں ہے، اور جس طرح "اللہ" جامع جمیع اسماء ہے، اسی طرح رسول کریمؐ تمام رسولوں کے برابر اور بہتر تھے، اور اسی طرح رسول کریمؐ کے صاحب "تمام بنی اسرائیل کے برابر اور بہتر تھے"+

(بقیہ صفحہ ۴۱) (۵) فرددنٰہ الی امہ کی تقر عینہا ولا تحزن (۲۰-۴) غرض موسٰیؑ کو اُن کی والدہ پہنچایا تاکہ (فرزند کو دیکھ) کر اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور (کسی طرح) آزردہ خاطر نہ ہوں"+

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ "حزن" محض غیر کے واسطے ہوتا ہے، اور یہ نہایت ہی اعلٰے درجہ کا خلق ہے اور اس میں محبت بلکہ عشق کی دلیل ہے جو رسول کریمؐ کو اپنی امت کے ساتھ تھا جو والدہ کو اپنے بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حزن انتہا درجہ کا غم ہے جو کسی محبوب کی ہلاکت کے خوف سے پیدا ہوتا ہے اور رسول کریم کو کفار و مشرکین کی ہلاکت کا غم تھا، حضرت موسٰیؑ کی والدہ کو اپنے بیٹے کی ہلاکت غم تھا، اور حضرت لوطؑ کو اپنے مہمانوں کی ہلاکت کا غم تھا، اور اس کے ساتھ رسول کریمؐ اور والدہ حضرت موسٰی، اور حضرت لوطؑ کو اپنی ذات کے متعلق کچھ فکر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا، اسی طرح صدیق اکبرؓ کو اپنی نسبت کچھ فکر نہ تھا کیونکہ کفار مکہ کو اُن کی ذات سے کچھ پرخاش نہ تھی، کئی دفعہ مکہ میں ہجرت سے پیشتر کفار اور مشرکوں نے آنحضرتؐ پر ہجوم کیا تو صدیق اکبرؓ درمیان میں آ گئے اور کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے"+

جب رسول کریمؐ نے اپنے اصحاب کو حبشہ کی طرف ہجرت کی ہدایت فرمائی، اور اصحاب یکے بعد دیگرے مکہ کو چھوڑ رہے تھے، تو ایک دن حضرت صدیق اکبرؓ بھی بارادۂ ہجرت وطن مالوف سے نکلے برک الغماد میں "ابن دغنہ" مل گیا یہ شخص اپنے قبیلہ قارہ کا سردار تھا، دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے آپ نے جواب دیا کہ میری قوم میرے خروج کا باعث ہوئی اب میرا ارادہ ہے کہ زمین پر سیر کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں" ابن دغنہ نے کہا کہ تیرے جیسا شخص خود وطن سے باہر نکلتا ہے اور نہ نکالا

اسی ایک روایت سے صدیق اکبرؓ کا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار
اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" (۴۰-۱۲)
(اگر تم رسول اللہ کی نہ بھی مدد کرو تو کچھ پرواہ کی بات نہیں) اللہ تعالیٰ اُسکا مددگار
ہے۔ اسی نے اپنے رسول کی اُس وقت بھی مدد کی تھی جب کافروں نے اُن کو
(ایسا بے سروسامان گھر سے) نکال باہر کیا (جب صرف دو آدمی) اور دو میں دوسرے
(پیغمبر) اُس وقت یہ دونوں غار (ثور) میں تھے (اور) اُس وقت (پیغمبر) اپنے
ساتھی کو کہہ رہے تھے کہ کچھ غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔
یہ کیسا نازک وقت تھا کہ رسول کریمؐ غار میں ہیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ
صرف ایک آدمی ہے اور اُسے بھی یہ غم کھائے جاتا ہے کہ کافر سر پر موجود
ہیں، لیکن اُس وقت جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اللہ تعالیٰ ہی
کی نصرت سے بال بال بچ گئے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ صدیق اکبرؓ کو بطور شاہد
پیش کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہد ہو وہ صدیق اکبر ہی ہو سکتا ہے

(بقیہ صفحہ ۴۳) جاتا ہے کیونکہ تو محتاجوں کی مدد کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے، اور لوگوں کے بوجھ کا متحمل ہوتا ہے جس کے بوجھ کو کوئی دوسرا اٹھا نہیں سکتا، اور مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے اور حق کی حمایت کرتا ہے، اگر تجھے منظور ہو تو میں تجھے امان دیتا ہوں، اپنے شہر کی طرف واپس جا" اور اپنے رب کی عبادت کر تا رہ" چنانچہ ابوبکرؓ ابن دغنہ کے ہمراہ واپس آئے، اور قریش نے کچھ تعرض نہ کیا۔

واقعات اور حالات سے یہی کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کو آنحضرتؐ کا زیادہ تر فکر لاحق ہو رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ تقاضائے بشریت کو نظر انداز کرنا چاہیے کہ یہ "حزن" فی الحقیقت صدیق اکبرؓ کا حوصلہ پست کر رہا تھا، اور صدیق اکبرؓ پر ہی کیا موقوف ہے ایسی حالت میں رسولوں پر بھی یاس طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ آیہ سے ظاہر ہوتا ہے:-

(۱) "ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب" (۲-۱۰)

(۲) "حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا (۱۳-۶)

ایسی حالت میں جبکہ رسولوں کے ایمان متزلزل ہو جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت کی نسبت یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ جھوٹ تھا، صدیق اکبرؓ کا "حزن" بہ تقاضائے محبت خواہ کتنا ہی حوصلہ شکن ہو اور بہ تقاضائے بشریت خواہ دلی کمزوری پر محمول کیا جائے اُس فضیلت کو کم نہیں کرتا جو آنجناب کا حصہ ہے، البتہ رسول کریمؐ اس حالت میں

غار ثور میں رسول کریمؐ کی معیت نے صدیق اکبرؓ کو معیت اللہ کی سند دیدی اور نصرت الٰہی کا شاہد بنا دیا، یہ ایسی فضیلت تھی کہ حضرت عمرؓ اکثر کہا کرتے کہ غار ثور میں ایک ہی رات کی معیت رسول کے عوض ابو بکرؓ کو میں اپنے تمام عمر کی کمائی دینے کے لئے تیار ہوں، صدیق اکبرؓ کا لقب "ثانی اثنین اذھما فی الغار" مشہور ہوگیا، اور "یار غار" نے زبان پر قبضہ جما لیا۔ +

آنحضرتؐ غار ثور میں تین راتیں رہے، صدیق اکبرؓ کا لڑکا عبد اللہ اس وقت جوان اور عاقل تھا، مکہ سے رات کے وقت کھانا لے کر آتا، اور تمام حالات سے جو دن کو معلوم ہوتے آگاہ کرتا، اور پچھلے پہر مکہ کو واپس جاتا، مخالفین کو معلوم نہ ہوا کہ ان کے حالات سے عبد اللہ آنحضرتؐ کو آگاہ کر رہا ہے، عامر بن فہیرہ حضرت ابو بکرؓ کا غلام صدیق اکبرؓ کی بکریاں دوسرے چرواہوں کے ساتھ اسی جگہ کے قریب چراتا، رات کو تازہ دودھ بہم پہنچاتا، المختصر رسول کریمؐ اور آنحضرتؐ کا یار غار تین دن کے بعد غار ثور سے نکلے اور بغیر کسی حادثہ کے مدینہ منورہ میں پہنچ گئے۔ +

غزوات

"ہجرت" تاریخ اسلام میں ایک ایسا واقعہ ہے جس کی عظمت کو بلحاظ نتائج کوئی اور واقعہ بمشکل پہنچ سکتا ہے، اگر اس پر ہر ایک اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی پہلو سے بحث کی جائے تو دفتر درکار ہے، لیکن بہ تعلق خلافت یہ ہم نے واضح بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کو ہر ایک مصیبت کا سامنا تھا، اور اس جماعت اور اسلام کی ہستی معرض خطر میں تھی، اس لئے رسول کریمؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کی ہدایت فرمائی اور خود بھی بمعہ ابو بکرؓ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

اسلام نے بغاوت جرم قرار دیا ہے رسول کریمؐ دنیا میں سب سے بڑے مصلح ہیں، اس لئے اپنے قول و فعل سے یہی ثابت کیا کہ بغاوت جو فساد اور بدنظمی اور

منقبت: آپ استقلال کی ایسی بلندی پر نظر آتے ہیں جہاں تک رسائی بمشکل ہو سکتی ہے۔

تباہی کا موجب ہوتی ہے، نہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور نہ اخلاقاً اور عقلاً جائز ہے، مخالفین کے ظلم و ستم سہا اور ہر ایک سختی برداشت کی، لیکن کبھی تلوار سے مقابلہ نہ کیا، مسلمانوں کو ہجرت کی ہدایت فرماتے رہے تاکہ دشمنان دین کے ظلم سے محفوظ رہیں، اور عبادت الٰہی بلاخوف و خطر بجا لائیں، +

ہجرت نے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر دیا، لیکن مخالفت نے اُن کا پیچھا اُس جگہ بھی نہ چھوڑا، اور مدینہ سے بھی نکالنا چاہا! اس جگہ اہل مکہ کی حکومت نہ تھی اس لئے آنحضرت ؐ مسلمانوں کی متفقہ طاقت کے ساتھ مدافعت کے لئے اُٹھے، +

ہجرت نے یار و اغیار میں نمایاں امتیاز پیدا کر دیا، وطن مالوف کو چھوڑنا اور خویش و اقارب سے جدا ہونا قدرتاً شاق گذرتا ہے لیکن جب رسول کریم ؐ نے اعلان فرما دیا کہ ہجرت کے بغیر کسی شخص کا اسلام قبول نہ کیا جائیگا" تو مسلمانوں میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو پیچھے رہ جاتا، فی الحقیقت اُس وقت ہجرت ہی ایسی کسوٹی تھی جس پر ہر ایک شخص کا اسلام پرکھا گیا، اس واقعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین اسلام اور رسول کریم ص کے سچے عاشق تھے، اور آیندہ واقعات نے اُن کی سچی ایمانداری اور اخلاص او ایثار پر شہادت کی مُہر لگا دی، آیات ذیل پر غور کرنا چاہیے +

(۱) " ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم" (۲-۱۱)

(۲) " فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثٰی بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقٰتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیاٰتھم ولادخلنھم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر ثوابا من عند اللہ ، واللہ عندہ حسن الثواب (۴-۱۱) +

(۳) ان الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین[1]

---

[1] آیات مذکورہ مخالفین اسلام اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے مکمل دستور العمل ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح ہجرت نے بین الاقوامی اقتصادی اور معاشرتی حقوق کی محافظت کی، اور فتنہ و فساد کا بیخ کنی کا سنگ بنیاد رکھ دیا، مخالفین اسلام اگرچہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے مگر کسی

آوَوا وَّ نصروا اولٰئک بعضھم اولیاء بعض والذین آمنوا ولم یہاجروا ما لکم من ولایتھم من شیءٍ حتی یہاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر، والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر، والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا وَّ نصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم، والذین آمنوا من بعدُ وھاجروا وجاھدوا منکم فاولٰئک معکم" (۱۰-۱)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۴) (۱) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرتیں بھی کیں اور جہاد بھی کئے یہی ہیں جو خدا کی رحمت کی آس لگائے بیٹھے ہیں، اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے، +

(۲) "تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کر لی اور (فرمایا) کہ ہم تم سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کے عمل کو اکارت نہیں جانے دیتے مرد ہو یا عورت (اس بارے میں مرد و عورت میں کچھ فرق نہیں کیونکہ) تم سب ایک جیسے ہو، جن لوگوں نے ہمارے لئے اپنے دیس چھوڑے اور ہماری وجہ سے اپنے گھروں میں سے نکالے اور ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم اُن کی خطاؤں کو اُن سے ضرور محو کر دیں گے اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اللہ کے ہاں یہ اُن کا بدلہ ہے اور اچھا بدلہ اللہ ہی کے ہاں ہے، +

(۳) "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرتیں کیں اور اللہ کے رستہ میں جان و مال سے جہاد کئے، اور جن لوگوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور مدد دی ایسی لوگ ایک کے وارث ایک اور جو لوگ ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو اُن کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم میں نہ آملیں، ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنا لازم ہے مگر اُس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں صلح کا عہد و پیمان ہو، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، اور کافر ایک کے وارث ایک (اُن کو ایک دوسرے کی میراث لینے دو) اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہوگا، اور بڑا فساد مچے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستہ میں جہاد بھی کئے، اور جن لوگوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور مدد کی یہی سچے مسلمان ہیں اُن کے لئے مغفرت اور عزت و آبرو کی روزی ہے، اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد بھی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں" (۱۰ - ۶)

ضمیمہ ۱۱

مخالف نے کبھی ایسی شکایت نہیں کی کہ اس کے ساتھ ناواجب سلوک ہوا ہو اور وہ رفع نہ کر دی گئی ہو، +

جبکہ مسلمان اور نامسلمان ایک جگہ رہ کر امن سے بسر نہیں کر سکتے تھے تو ہجرت ہی امن انسان کی کفیل ہو سکتی تھی، اس لئے ہجرت سے مقصود محض امن قائم کرنا تھا، یہی امن ان ہدایات کا منشا ہے جو آیات مولہ بالا میں مذکور ہیں، "الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر"

ایام جاہلیت میں کوئی منتظم حکومت نہ تھی، اس لئے ہر ایک شخص کا ہاتھ دوسرے پر دراز تھا، باہمی جنگ و جدل و قتل و غارت کا بازار ہر جگہ گرم رہتا، اور چونکہ ایسی بدنظمی باہمی معاشرت کے سخت مخالف تھی، اور

(۴) "الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنٰت لھم فیھا نعیم مقیم خٰلدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم" (۱۰-۱۱)

(۵) "والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاٰخرۃ اکبر" (۱۴-۱۲) ؛

(۶) "ثم ان ربک للذین ھاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاھدوا وصبروا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم" (۱۴-۲۰)

(۷) "والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنھم اللہ رزقا حسنا، ان اللہ لھو خیر الرازقین، لیدخلنھم مدخلا یرضونہ وان اللہ لعلیم حلیم" (۱۷-۱۵)

(۴) جو لوگ ایمان لائے اور (دین کے لئے) انہوں نے ہجرت کی اور اپنی جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیے یہ لوگ درجہ میں اللہ کے ہاں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں ان کا پروردگار انکو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں میں رہنے کی خوشخبری دیتا ہے جنمیں انکو دائمی آسایش ملیگی اور یہ لوگ ان باغوں میں سدا کو اور ہمیشہ ہمیشہ رہینگے بیشک اللہ کے ہاں ثواب کا بڑا ذخیرہ ہے ۔

(۵) "جن مسلمانوں پر کافروں کی طرف سے) ظلم ہوئے اور ظلم ہوئے پیچھے ان کو خدا کے لئے اپنے وطن چھوڑنے پڑے ہم ان کو ضرور ضرور دنیا میں اچھے ٹھکانے بٹھائیں گے اور اجر آخرت (جو ان کو ملنے والا ہے وہ اس سے) کہیں بڑھ کر ہے (۱۴-۱۲) ؛

(۶) پھر جن لوگوں نے مبتلائے مصیبت رہے پیچھے گھر بار چھوڑے پھر جہاد کئے اور (تکلیفوں) پر صبر کیا، بے شک تمہارا پروردگار ان (سب امتحانوں کے بعد قیامت کے دن) البتہ بخشنے والا مہربان ہے" (۱۴-۲۰)

(۷) "اور جن لوگوں نے خدا کی راہ میں وطن چھوڑے پھر شہید ہو گئے یا (اپنی موت سے) مر گئے اللہ ان کو (آخرت میں) ضرور ہی عمدہ روزی دے گا، اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ (اللہ) (دوسرے) روزی دینے والوں سے بہتر (روزی دینے والا) ہے اور وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے خوش ہو جائیں گے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ (سب کے حال سے) واقف اور بردبار ہے (۱۷-۱۵) ؛

نمبر ۱۱

کوئی شخص دور و نزدیک سے کعبۃ اللہ کی زیارت اور حج کے لئے بلا خوف و خطر نہیں آسکتا تھا اس لئے باہمی عہد و پیمان کے ذریعہ اہل عرب نے قدیم سے چار مہینے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب محترم مقرر کر لئے تھے، ان مہینوں میں تجارت اور دیگر کاروبار دنیوی اور دینی اور سفر لوگ بے کھٹکے کرتے تھے، اور ان ہی مہینوں میں قبائل کی خانہ جنگی موقوف ہو جاتی، چونکہ اسلام کو بہر حال عالمگیر امن قائم کرنا مقصود تھا جس کے بغیر کسی قسم کی ترقی ناممکن ہے، اس لئے عرب کے اس قدیم دستور سے فائدہ اٹھایا گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان مہینوں کی حرمت کا پاس رکھیں، "ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض منھا اربعۃ حرم" اور یہ بھی ہدایت کی گئی کہ مخالفین کے مذہبی جذبات کا بھی احترام کریں، "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا اٰمین البیت الحرام یبتغون فضلا من ربھم

(۸) "للفقراء المهاجرين الذين اُخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصٰدقون (۲۸-۴) ✦

(۹) "لا ينهٰكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبرّوهم وتقسطوا اليهم، ان الله يحب المقسطين، انما ينهٰكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاولئك هم الظٰلمون يايها الذين اٰمنوا اذا جاءكم المؤمنٰت مهٰجرات فامتحنوهن، والله اعلم بايمانهن، فان علمتموهن مؤمنٰت فلا ترجعوهن الى الكفار لا هن حلّ لهم ولا هم يحلون لهن واتوهم ما انفقوا ولا جناح عليكم ان تنكحوهن اذا اٰتيتموهن اجورهن ولا تمسكوا بعصم الكوافر واسئلوا ما انفقتم وليسئلوا ما انفقوا، ذلكم حكم الله يحكم بينكم والله عليم حكيم (۲۸-۱۰)

(۸) "(وہ مال جو بے لڑے مفت میں ہاتھ لگا ہے منجملہ اور حق داروں کے) محتاج مہاجرین کا (بھی حق) ہے جو کافروں کے ظلم سے) اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دئے گئے، اور (اب وہ) خدا کے فضل اور اُسکی خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں اور خدا اور اُسکے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں، یہی تو سچے (مسلمان) ہیں (۲۸ - ۴)" ✦

(۹) "جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور اُنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تم کو منع نہیں کرتا، اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تم کو اُن ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع فرماتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے مخالفوں کی) مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا (تو سمجھا جائیگا) یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آیا کریں تو تم اُن (کے ایمان) کی جانچ کر لیا کرو (یوں تو اُن کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے تو اگر تم اُن کو سمجھو کہ مسلمان ہیں تو اُن کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو، نہ تو یہ عورتیں کافروں کو حلال اور نہ کافر اُن عورتوں کو حلال اور جو کچھ کافروں نے (اُن پر) خرچ کیا ہے وہ اُن (کافروں) کو ادا کر دو اور (اس میں) بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر (تم) خود اُن سے نکاح کر لو اور (ان) کافر عورتوں کے ناموس پر قبضہ نہ رکھو (جو تمہارے نکاح میں ہوں) اور جو تم نے (ان پر) خرچ کیا ہے وہ (کافروں سے) مانگ لو اور جو اُنہوں نے (اپنی عورتوں پر) خرچ کیا ہے وہ (اپنا خرچ کیا ہوا تم سے) مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں (کے ایسے جھگڑوں کے بارے) میں صادر فرماتا ہے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (۱۸ - ۸)" ✦

نمبر ۱۱ "رضوانا" چونکہ مذہبی جذبات خواہ وہ ایک خدا پرست کے دل سے تعلق رکھتے ہوں یا بُت پرست کے

(۱۰) "والسّٰبقون الاولون من المهٰجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنّٰت تجری تحتها الانهٰر خٰلدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم"

آیات محولہ بالا نے ہجرت کی مکمل حقیقت بیان کی ہے، اور مہاجرین کے اعلیٰ[(۱)(۲)] مراتب اور حقوق کی ضمانت ہیں، ہجرت ہی نے مسلمانوں کے ایمان کا جائزہ لیا، ان کو وطن اور اپنی جائدادیں اسلام و ایمان کی محبت میں چھوڑنی پڑیں، وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جاں فروش ثابت ہوئے اور اپنی ہستی کو ایمان کی محبت میں فنا کر دیا +

آیات محولہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ مہاجرین و انصار میں سے اُن لوگوں کا مرتبہ بلند تر ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس کے ساتھ اپنے جانوں اور مالوں سے اسلام کی حمایت کی، ہجرت کے ضمن میں ہم لکھ چکے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا مرتبہ سب سے بلند تر ہے، اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر تمام بنی اسرائیل کا ایمان ایک طرف اور صدیق اکبرؓ کا ایمان دوسری طرف رکھ دیں پھر بھی صدیق اکبرؓ کا پلہ بھاری رہیگا، اصحاب رسول کریمؐ میں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی مثال بمشکل ملے گی کہ آڑے وقت پر فقرو ہو گئے اور بر ملا لعنت سے بھی دریغ نہ کیا، ایک انصاف پسند عیسائی ادیب لکھتا ہے

(۱۰) اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی (وہ) سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بھی جو پیچھے بعد نیکو کاری خلوص دل سے داخل ایمان ہیں خدا اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش خدا اُن کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے (۱۱ - ۲)" +

نمبر ۲

کہا ان میں اس لئے حکم دیا گیا "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم كذلك زينا لكل امة عملهم ثم الى ربهم مرجعهم فينبئهم بما كانوا يعملون" (۶ - ۱۰۹) اور یہ مشرک (خدا کے سوا جن معبودوں) کی پوجا کرتے ہیں اُن کو برا نہ کہو کہ یہ لوگ بھی براہ نادانی خدا سے واحد کو برا کہہ دیں گے۔ اسیطرح ہم نے ہر فریق کے اعمال عمدہ کر دکھائے ہیں، پھر آخر کار ان سب کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کے ساتھ "لا اکراہ فی الدین" سے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جزاء سيئة سيئة مثلها "برائی کا بدلہ ویسی ہی ایک برائی ہے کوئی نیکی نہیں ہے۔" اگرچہ انتقام شروع ہے، لیکن اس کی مذمت میں کوئی شبہ نہیں +

■ غزوہ احد میں آنحضرتؐ کے عم مکرم حمزہؓ جو بحالت سفر ہی آپ کی حمایت کرتے تھے شہید ہوئے آپ کی لاش کے ساتھ جو کچھ وحشیانہ سلوک کیا گیا قدرتاً آنحضرتؐ کے دل پر سخت صدمہ کا باعث ہوا، آپ نے

کہ یسوع کے شاگردوں کا محمدؐ کے اصحاب سے مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے،، اس شخص کے ایمان پر وہی شخص شک وشبہ کرسکتا ہے جو حق کے اظہار کی جرات نہیں کرسکتا، خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ایمان اور اخلاص اور ایثار کی گواہی دیتا ہے، جیسا کہ آیات محولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے، ❖

نسبت فرمایا کہ اگر مجھے کفار پر قابو ملا تو کافروں کے ساتھ کیا سلوک کرونگا، اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی "فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر الصّٰبرین واصبر وما صبرك الا باللہ" یعنی انتقام کی بھی ایک حد ہے، اگر کسی کو تکلیف دو تو اتنی ہی جتنی تمہیں انکے ہاتھ سے پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ سب سے بہتر ہے مگر صبر کی توفیق بھی اللہ ہی دے تو ہو سکتا ہے حضرت حمزہ رضؓ کا قاتل یعنی وحشی جب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوا تو آنحضرتؐ نے کشادہ پیشانی سے خیر مقدم کیا، وحشیؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے بحالت کفر بہترین خلائق یعنے حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کیا اور بحالت ایمان بدترین خلائق یعنی مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، ❖

چھ سال بعد ہجرت آنحضرتؐ نے مع صحابہ مکہ معظمہ کا قصد بہ نیت عمرہ کیا، مقام حدیبیہ پر مکہ کے متصل خیمہ ایستادہ کیئے اور قربانی کے جانوروں کو آگے رکھا، اہل مکہ کے جاسوس آئے اور اہالیان مکہ کو اطلاع دی کہ آنحضرتؐ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں، مگر قریش جنگ پر آمادہ ہوگئے، آنحضرتؐ نے کہلا بھیجا کہ بھائیو! میں جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا صرف کعبہ کا طواف کرکے واپس چلا جاؤنگا جواب ملا کہ "ہم تمہیں ہرگز کعبہ کا طواف نہ کرنے دیں گے اور نہ مکہ میں آنے دیں گے، آنحضرتؐ نے حضرت عثمان رضؓ کو دوبارہ قریش کے پاس بھیجا کہ مزاحمت نہ کریں، قریش نے حضرت عثمان رضؓ کو روک رکھا، مسلمانوں میں یہ خبر آناً فاناً مشہور ہوگئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قید کرلیا ہے، اور اس کے ساتھ قتل کی افواہ بھی گرم تھی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تک میں اس قوم سے معاوضہ نہ لونگا ہرگز یہاں سے حرکت نہ کروں گا، اس لئے آنحضرتؐ کے اصحاب بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے اب قریش کے حواس خمسہ درست ہوئے اور سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس بغرض صلح بھیجا، ایک عہدنامہ لکھا گیا جو "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ شرائط صلح طے ہوچکیں تو آنحضرتؐ نے علی رضؓ کو عہدنامہ تحریر کرنے کے لئے فرمایا اور کہا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ بسم اللہ میں نہیں جانتا باسمك اللھم لکھو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا یہی لکھو، اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لکھو "ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ و سہیل بن عمرو" (یہ وہ شرائط صلح ہیں جنمیں محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو نے موافقت کی) سہیل نے اعتراض کیا کہ "اگر ہم تجھے رسول اللہ جانتے تو کیوں لڑتے، اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو" آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا یوں ہی سہی، لیکن علی رضؓ محمد رسول اللہ لکھ چکے تھے اور اب رسول اللہ کو مٹانے سے انکار کردیا، آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھدیا، اگرچہ آنحضرت امی تھے مگر بلا علم

ہم لکھ چکے ہیں کہ ہجرت کا منشا امن قائم کرنا تھا، آنحضرتؐ جانتے تھے کہ اگر امن قائم ہوا اور لوگ ٹھنڈے دل سے آنحضرتؐ کی تبلیغ کی طرف متوجہ ہوں تو ناممکن ہے کہ مشرف بہ اسلام نہ ہوں، اس لیئے نہ صرف قریش سے بلکہ ہر ایک قوم و مذہب و ملت کے لوگوں سے جو اُس وقت عرب میں آباد تھے امن کا عہد باندھا، صلح حدیبیہ میں عہدنامۂ حدیبیہ کی شرائط سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ ہر ایک شرط پر صلح کے لئے تیار تھے، بحالت امن اسلام فی الحقیقت سرعت کے ساتھ ترقی کرتا رہا، اور یہ امر مخالفت کو طغیانی میں لانے کے لئے قدرتاً کافی تھا، اور یہی وجہ تھی کہ مخالفین نے ہر ایک دفعہ عہد توڑا قسمیں کھا کھا کر عہد باندھتے اور جب کبھی سمجھتے کہ اب موقعہ ہے فوراً توڑ دیتے، چنانچہ اس کا تذکرہ قرآن شریف میں بھی ہے

نمبر ۱ اشکال حروف دسواد خط ونشست وبرخاست اپنا نام لکھ سکتے تھے، شرائط صلح یہ طے پائیں کہ اس سال آنحضرتؐ قربانی کرکے واپس جائیں، آیندہ سال آنحضرتؐ اور آپکے صحابہ مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں، لیکن کوئی ہتھیار سوائے تلوار کے اپنے ساتھ نہ رکھیں اور وہ بھی نیام میں ہو اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں، جو مسلمان قریش کی جانب سے بلااجازت ولی مسلمانوں کی جماعت میں آئیگا قریش کو واپس دیا جائے گا، اور جو مسلمان قریش کی طرف جائے گا واپس نہ ہوگا"

اس عہدنامہ کی غرض یہی تھی کہ "واصلحا علی وضع الحرب من الناس عشر سنین یامن فیھن الناس ویکف بعضھم عن بعض" یعنے دس برس تک اس لئے صلح کی گئی کہ لوگ آپس میں امن سے رہیں اور ایک دوسرے پر ہاتھ دراز نہ کرے'

اثنائے عہدنامہ میں سہیل بن عمرو کا لڑکا ابوجندل جو پیشتر مسلمان ہو چکا تھا مسلمانوں میں آکر مل گیا سہیل نے اپنے لڑکے کو کہا "ھذا اول ما نقاضی علیہ" (یہ پہلا شخص ہے جس پر ہمارا تمہارا فیصلہ ہوتا ہے)، آنحضرتؐ نے ابوجندل کو سہیل کے حوالے کردیا، اور تسلی دی کہ اللہ تعالی تمہاری نجات کی کوئی صورت پیدا کر دے گا، مگر عام مسلمانوں کو یہ امر شاق گذرا، اس کے بعد سواران اسلام قریش کے ستر پچاس آدمی گرفتار کر لائے، اُن کا ارادہ شبخون کا تھا، مگر آنحضرتؐ نے اُن کو بھی آزاد کر دیا،

عام مسلمانوں کو یہ صلح بہت شاق گذری اور وہ مسلمان جو اس وقت تک مکہ میں رُکے ہوئے تھے ہجرت سے مایوس ہو گئے، لیکن بعض بھاگ کر مدینہ کو آتے اور واپس کیئے جاتے، ان میں سے ایک ابونصیر عتبہ بن اسید بن جابر ثقفی تھے، ان کو زیادہ تر یہ امر شاق گذرا کہ مخالفین نے ان کو کعبۃ اللہ کی زیارت سے روکا، حالانکہ کعبۃ اللہ پر ان کا کوئی خاص حق نہ تھا، ابونصیر مدینہ میں آگئے تو موجب شرائط عہدنامہ مکہ کی طرف واپس کیئے گئے، مکہ میں وہ اپنا رہنا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے ساحل کی طرف

ان شر الدواب عند الله الذين كفروا فهم لا يؤمنون الذين عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم في كل مرة وهم لا يتقون فاما تثقفنهم في الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم يذكرون واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين ○ ولا يحسبن الذين كفروا سبقوا انهم لا يعجزون واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم واخرين من دونهم لا تعلمونهم، الله يعلمهم وما تنفقوا من شئ فى سبيل الله يوف اليكم وانتم لا تظلمون وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله، انه هو السميع العليم وان يريدوا ان يخدعوك فان حسبك الله

اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ لوگ ہو منکر ہوگئے سو وہ ایمان ہی نہیں لاتے، وہ لوگ کہ جن سے تو نے عہد کیا پھر بھی وہ ہر بار عہد توڑ ڈالتے ہیں اور ڈرتے ہیں، پھر جو کبھی اُن کو لڑائی میں پا دیں تو ایسی سزا دیں کہ جس سے اُن کے پچھلے دیکھ کر بھاگیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور اگر کسی قوم کی دغا کا اندیشہ ہو تو اُس کے عہد کو اُن کے پاس پھینک دو برابر ہو کر کیونکہ اللہ کو دغا باز نہیں بھاتے، اور کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے قابو سے نکل گئے، وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور اُن کے مقابلہ پر ایک ممکن قوت بہم پہنچاؤ، منجملہ اُس کے گھوڑے باندھنا ہے جس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر خوف پیدا ہو، اور ان کے سوا اُن لوگوں پر بھی کہ جن کو تم نہیں جانتے اللہ ہی اُنکو جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اُس کا پورا بدلہ تمہیں ملے گا، اور تمہارا کوئی حق نہ رہ جائے گا، اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تو بھی اُس طرف جھک اور اللہ پر توکل کر کیونکہ وہ سنتا جانتا ہے، اور اگر وہ فریب کا ارادہ کریں تو تیرا بھی اللہ کارساز ہے جس نے تمکو فتح اور مسلمانوں سے قوت دی)

(سورۂ انفال)

مبتلا چلے گئے، اور اس رستہ پر جو شام اور مکہ میں آمدورفت کا تھا بیٹھ گئے، رفتہ رفتہ اور مسلمان بھی اُن کے ساتھ آملے۔ ان لوگوں نے مخالفین کا ناطقہ بند کر دیا، چنانچہ خود اہل مکہ نے استدعا کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلوا لیا جائے، اگرچہ یہ لوگ خود مختار تھے، اور عہد نامہ میں کوئی فریق نہ تھے۔ لیکن بحیثیت مسلمان اسلامی جماعت کی سازش کا گمان ہو سکتا تھا، اور جو کچھ ہجرت کا مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا، اس لئے نہایت سختی سے تمام مسلمانوں کو روکا گیا،

" ولا يجرمنكم شنان قوم ان صدوكم من المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شديد العقاب " +

(اور کسی قوم کی دشمنی کہ انھوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تم کو زیادتی پر آمادہ نہ کرے، اور ایک دوسرے کے نیک کام اور پرہیزگاری میں مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر مدد نہ دو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ کا سخت عذاب ہے) +

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ مخالفین نے کئی بار عہد باندھا مگر ہر بار توڑا جس کی وجہ یہ تھی کہ فتنہ و شر میں کمال حاصل کر چکے تھے، ایسے بد عہد تو ایسی ہی سزا کے مستحق تھے، جو عبرت انگیز ہو اور آئندہ کسی کو نقض عہد کی جرأت نہ ہو، ان لوگوں کی متواتر بد عہدی کے باعث مسلمانوں کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں خاص خاص قبائل ایسے وقت پر جب مسلمان ان کے شر کی مدافعت نہ کر سکیں بد عہدی کریں، تو سخت مشکل کا سامنا ہو گا، ایسی حالت میں یہ ارشاد الٰہی ہے کہ عہد نامہ فسخ کر دو، مگر اس سے پیشتر اس کا اعلان صاف صاف لفظوں میں کر دو تاکہ کوئی فریق کسی قسم کا ناجائز فائدہ ایک دوسرے پر حاصل نہ کر سکے، اور دونوں برابر کی جوڑ ہوں، اللہ تعالیٰ دغا اور فریب اور بد عہدی کو پسند نہیں کرتا، کفار کے مقابلہ کے لئے مظاہرے کیا کرو تاکہ وہ تمہاری طاقت سے خائف رہیں، اور بد عہدی پر جرأت نہ کر سکیں اور وہ لوگ بھی دبے رہیں جن کے حالات کا تمہیں علم نہیں، اگر دیکھو کہ مخالف صلح پر جھکے ہیں تو صلح کرنی چاہیئے، اگر مخالف از راہ فریب صلح کرتا ہے تو اللہ پر توکل کرنا چاہیئے جو بہرحال بہتر کارساز ہے"۔

غزوۂ خندق جس کو غزوۃ الاحزاب بھی کہتے ہیں ۵ھ میں ہوا، اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب نے اس وقت مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا، بنو قریظہ جن کے ساتھ مسلمانوں کا عہد و پیمان تھا مخالفین سے مل گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دفعہ تمام عرب حملہ آور ہوا ہے، آنحضرت صلعم کو بنو قریظہ کی بد عہدی اور غداری کا سخت صدمہ ہوا بہت کچھ ان لوگوں کو سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا، ایک ماہ تک محاصرہ قائم رہا، مسلمان چاروں طرف سے نرغہ میں تھے، اللہ ہی نے کارسازی فرمائی کہ قریش کو یہ خیال پیدا ہوا کہ بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے ہیں کہیں وقت پر ہم پر نہ ٹوٹ پڑیں، اس لئے قریش نے بنو قریظہ کو کہا کہ تم لوگ مسلمانوں کے قرب میں رہتے ہو اور ان کے حالات سے خوب واقف ہو مناسب ہے کہ پہلے خود تم لڑو، بنو قریظہ سمجھ گئے کہ قریش ہمیں قربانی کا بکرا بنانا چاہتے ہیں، آپس میں پھوٹ پڑ گئی، قریش مکہ کو لوٹے اور بنو قریظہ بھی واپس ہوئے لیکن

اب کہاں جا سکتے تھے، ان لوگوں کو بدعہدی کی تکرار واقعی سزا دی گئی، بنو قریظہ نے دو دفعہ بدعہدی کی، پہلی دفعہ کفار کو جنگ بدر میں امداد دی اور دوسری مرتبہ جنگ خندق میں، آخر ان کا نام ونشان ہی صفحہ ہستی سے مٹ گیا، +

اگرچہ رسول کریمؐ مخالفین کی متواتر بدعہدی سے تنگ آ گئے تھے، اور عام مسلمان تو صرف اجازت چاہتے تھے کہ تمام مشرکین کی صفائی کر دیں، مگر ارشاد الٰہی یہی تھا کہ الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم، یعنے ایسے مشرکین جو عہد وپیمان کر چکے ہیں اور اُن کی طرف سے کوئی خلاف ورزی شرائط عہد نہیں ہوئی، جہاں تک اور جس مدت تک چاہیں اور نبا سکیں عہد کر سکتے ہیں، اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُن کے ساتھ عہد باندھیں، "ان اللہ یحب المتقین" +

ہاں وہ لوگ جو متواتر عہد توڑتے ہیں اور نہ تو عہد ناموں کا اور نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں "اولئک ھم المفسدون" نہایت ہی حد سے گذرنے والے ہیں، "وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر" اور ایسے لوگ جنہوں نے قسمیں توڑ ڈالیں اور ھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ جن کی ہمت رسول اللہ کے اخراج پر ہی صرف ہوتی رہی اور چھیڑ کی ابتدا بھی اُن کی طرف سے ہوئی، "قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیھم و ینصرکم علیھم" اُن سے جنگ کرو اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیگا، اور رسوا کریگا، اور تم کو اُن پر غالب کریگا، اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ انشاء اللہ ہم رسول کریمؐ کے حالات میں بیان کریں گے، +

قیاس ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو کس کس مصیبت کا سامنا تھا، بدعہد قبائل کی متواتر عہد شکنی حوصلہ شکن تھی، ہمسایہ اقوام اکثر یہودی تھے جنکی غداری ضرب المثل تھی، سب کچھ تھا، مگر آنحضرتؐ کے مدنظر یہی تھا کہ فتنہ وفساد اور شر اُٹھ جائے، لیکن قانون قدرت یہی ہے کہ طاقت ہی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، ابن آدم کا قدرت کے علیحدہ

ہاتھ پر بیٹھنا ضرور تھا، تاکہ باطل مٹ جائے، اور ایسا ہی ہوا۔*

اگرچہ آخرکار مسلمان کفار و مشرکین پر غالب آئے، لیکن ابتدا میں بالخصوص اور ہجرت کے بعد آٹھ سال تک ان پر ایسا زمانہ گذرا کہ اگر وہ سچے مومن نہ ہوتے تو کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتے تھے، "اولئک ھم المؤمنون حقاً لھم مغفرۃ ورزق کریم" (۸-۱)

اصحاب رسول اللہؐ کی مثال ہمیں کسی پیغمبر کی امت میں نہیں ملتی، آیندہ نسلوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں، ان ہی لوگوں نے "اسلام" کے صحیح معنی سمجھے، ان ہی کے قلب سلیم میں ایمان کا گھر تھا، ان ہی کے اعمال صالح ان کے سچے ایمان کا پھل تھے وہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے میں ہمیشہ کوشش کرتے، حالانکہ دوسری امتیں مشرق و مغرب کی طرف مُنہ کرنا ہی نیکی سمجھتی تھیں" ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات" یعنی اے مسلمانو تم اختلاف سمت کی چنداں پروا نہ کرکے نیکیوں کی طرف لپکو کہ اوروں سے بڑھ جاؤ۔ یہی لوگ "خیر امۃ" تھے، اور ان ہی کے حق میں یہ ارشاد الٰہی ہے:-

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ"

یعنی لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں اُن میں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو جبکہ دوسری امتیں ایک دوسرے کو گم راہ کہتی ہیں حالانکہ توریت و انجیل ہدایت اور نور تھیں لیکن یہ لوگ اختلاف میں پڑ گئے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ اختلاف کے پیچھے نہ پڑو اور" فاستبقوا الخیرات" (۲-۱۱) نیک کاموں میں سبقت لے جاؤ،

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کوئی موقع ملے تو صدیق اکبرؓ سے سبقت لے جاؤں، ایک دفعہ ایک مہم کے لئے مالی امداد کی ضرورت تھی، ہر ایک حسب توفیق رسول کریمؐ کی خدمت میں مال لایا، حضرت عمرؓ نے جلدی کی اور جب رسول کریمؐ کی خدمت میں اپنا مال پیش کیا تو آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ اے عمر اپنے اہلبیت کے لئے کتنا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی کہ نصف" اسی طرح صدیق اکبرؓ بھی

آئے اور اُن سے بھی سوال ہوا کہ "اپنے لئے کیا رکھا ہے" عرض کی کہ "اللہ اور اس کا رسول" آنجناب کے پاس جو کچھ تھا سب[۱۲] لاکر حاضر کر دیا، عمر رض بول اُٹھے کہ اے ابوبکر نیکی میں تم سے کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا *

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ ع کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا کہ "اے نیک اُستاد میں کونسی نیکی کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟" فرمایا کہ "تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے، لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر" دریافت کیا "کون سے حکموں پر" فرمایا خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے، والدین کی عزت کر، اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کر، اُس شخص نے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے، اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے فرمایا "اگر تو کامل بننا چاہتا ہے، تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دیدے"

نمبر ۱۲۔ حضرت بایزید بسطامی رح دنیائے اسلام میں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں اُن کی نسبت شیخ سعدی رح لکھتے ہیں:۔

شنیدم کہ وقتے سحرگاہ عید ۔۔۔ زگرمابہ آمد بروں بایزید
یکے طشت خاکسترش بے خبر ۔۔۔ فرو ریختند از سرائے بہ سر
ہمے گفت ژولیدہ دستار و موے ۔۔۔ کف دست شکرانہ مالاں بروے
کہ اے نفس من در خورِ آتشم ۔۔۔ بخاکسترے روے درہم کشم
بزرگاں نکردند در خود نگاہ ۔۔۔ خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ
بزرگی بناموس و گفتار نیست ۔۔۔ بلندی بدعوے و پندار نیست
بگردن فتد سرکش تند خوے ۔۔۔ بلندیت باید بلندی مجوے

ایک نیک یہودی ان کے پڑوس میں رہتا تھا کسی مسلمان نے اس سے دریافت کیا کہ ایسی نیک ہمسائگی کا اتنا اثر بھی تجھ پر نہ ہوا کہ تو مشرف بہ اسلام ہوتا جواب دیا کہ تیرے جیسا مسلمان ہونا میں پسند نہیں کرتا اور بایزید جیسا مسلمان میں ہو نہیں سکتا"

حضرت بایزید رح سے کسی نے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا جواب دیا کہ علماء کے مذہب کے مطابق پوچھتے ہو یا میرے" سائل نے متحیر ہو کر پوچھا کہ کیا علما اور آپ کے مذہب میں اختلاف ہے، کہا نہیں صرف مراتب میں فرق ہے، کہا کہ اپنے اور علما کے مذہب کے مطابق بتادیں" جواب دیا کہ علما تو مال کا چالیسواں حصہ کہتے ہیں اور میں تمام مال جو موجود ہو" سائل نے دریافت کیا کہ آپ کے مذہب کا کون امام ہے؟ جواب دیا "صدیق اکبر رض" (کشف المحجوب)

آسمان پر خزانہ ملے گا، اور آکر میرے پیچھے ہو لے، مگر وہ شخص یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا، ✣

حضرت عیسیٰ ع نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے، اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو، حواری یہ سن کر حیران ہوئے اور بولے پھر کون نجات پا سکتا ہے فرمایا کہ "یہ آدمیوں سے تو نہیں ہو سکتا، لیکن خدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے" اس پر پطرس نے کہا کہ "دیکھ ہم تو سب✣ کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لئے ہیں پس ہم کو کیا ملے گا، " فرمایا کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے، اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بیٹوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا، اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا، لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول، (مقدس متی باب ۱۹- آیت ۱۶ لغایت ۳۰) ✣

✣ مقدس لوقا (باب ۱۸- آیت ۲۸) گھر بار چھوڑ کر،

✣ مقدس مرقس (۱۰-۲۰) "اس میں سو گنا" اور "آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی"
مقدس لوقا (۱۹-۳۰) اس زمانہ میں کئی گنا زیادہ اور آنیوالے عالم میں ہمیشہ کی زندگی،

✣ "السابقون الاولون"

✣ جو حضرت عیسیٰ کو رسول کریم ﷺ سے نسبت ہے وہی پطرس رض کو صدیق اکبر رض سے ہے، یہی حضرت عیسیٰ ع کے بعد خلیفہ ہوا (مقدس یوحنا باب ۲۱- آیت ۱۵ لغایت ۲۰)

✣ مقدس مرقس (باب ۱۰- آیت ۳۰) "گھر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، یہ آیت قرآن شریف کی آیت "والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر" جن مسلمانوں کو ظلم ہوئے پیچھے محض خدا کے لئے ہجرت اُن کو ضرور دنیا میں اچھے ٹھکانے بٹھائینگے اور اجر آخرت (۱۴-۱۲) کے بالکل مطابق ہے، انہیں لپیٹ کرے

مہاجرین نے اپنا گھر بار اپنے والدین اپنے اقربا اپنے احبا، اپنی جائداد سب کچھ چھوڑ دیا... وہ انجیل کے مطابق اور قرآن کے موافق "والذین ہاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر" (۱۴-۱۲) ÷ دنیا اور آخرت میں جزا کے مستحق ہیں" ÷

گھر بار اور اقربا اور مال و اسباب کو چھوڑنا بے شک جوانمردی ہے لیکن "حق" کی حمایت میں اقربا سے لڑنا اور قتل ہونا یا کرنا اصحاب رسول اللہ ہی کے لئے خاص ہے، صدیق اکبرؓ تو اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے، مگر رسول کریمؐ کے خُلق عظیم نے اس کی اجازت نہ دی، جنگ بدر کے اسیران کے متعلق رسول اللہؐ نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو فاروق اعظم رضؓ نے کہا کہ سب کو قتل کرنا چاہیئے ایسی لوگ ائمۃ الکفر ہیں، میرا عزیز مجھے سپرد ہو اور عقیل علی رضؓ اور عباس حمزہ کے حوالہ کیا جائے، ہم لوگ ان سب کو قتل کریں گے، تاکہ سب کو معلوم ہو کہ اللہ اور رسول کی محبت میں ہم نے سب سے قطع تعلق کر لیا ہے، اور دشمنان اسلام کو خواہ وہ ہمارے عزیز ہی کیوں نہ ہوں ہم بے دریغ قتل کرینگے، اگرچہ اس کی نوبت نہیں آئی لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ قریباً تمام غزوات میں مسلمانوں کا مقابلہ اپنے ہی بھائی بندوں سے تھا، انہیں قتل کیا، یا اُن کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہاں تک کہ فتنہ کا استیصال خاطر خواہ ہو کر تمام عرب نور ہدایت سے معمور ہو گیا" ÷

آسمان کی بادشاہت

"توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت آگئی، یحییٰؑ (متی ۲-۲)

(انجیل) "ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل و القرآن" (۱۱-۳)

"توبہ کرو۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی، عیسٰے (متی ۴-۱۷)

حضرت یحییٰؑ بقول مقدس متیؑ یہ منادی کرتے تھے کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"، غلط فہمی سے یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ ایک پیش گوئی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ہے۔ یعنی حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی خبر دیتے تھے، اگر یہ صحیح ہو تو بقول مقدس متی یہی منادی حضرت عیسیٰؑ بھی کرتے تھے، یہ آسمانی بادشاہت کسی اور کی ہوگی، +

حضرت یحییٰؑ حضرت عیسٰےؑ سے چھ ماہ بڑے تھے، دونوں حضراتؑ ایک ہی زمانہ میں پیدا ہوئے، اگر دونوں کی منادی ایک ہی شخص کی نسبت ہو تو نزدیک آگئی ہے ایک بے معنی فقرہ ہے اگر اس سے ان حضراتؑ کا زمانہ مراد لیا جائے،

"نزدیک آگئی ہے" سے زمانہ قریب مراد لینا بھی غلط فہمی اور مقدس کتب کے محاورہ سے ناواقفیت کے باعث ہے "اس گھڑی" یعنی الساعۃ کو بھی یہی کہا گیا ہے کہ نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر ہے مگر دو ہزار برس کے قریب گذر چکے ہیں اور ابھی تک انتظار باقی ہے، +

ہمارا مدعا یہ نہیں کہ پیش گویوں سے خلافت راشدہ کو آسمانی بادشاہت ثابت کریں، فی زمانہ ایسا استدلال معقول نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ تاریخ کلیسائے مسیحی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسیحی دنیا ابتداً سے آسمان کی بادشاہت سے ایسی سلطنت مراد لیتی ہے جو خلافت راشدہ ہی ہوسکتی ہے

توریت وزبور و انجیل اور دیگر صحف انبیا کچھ مسلمانوں کی بنائی ہوئی [illegible] نہیں ہیں، ان کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ایک ایسی ہی بادشاہت کا انتظار تھا اور انبیاء متواتر منادی کرتے چلے آتے کہ اس بادشاہت کے لئے دنیا کو تیار کرو، حضرت یحییٰؑ فرماتے ہیں کہ خداوند کی راہ

نیتھر۔ زبور ۹۰-۴ و ۲ پطرس ۳-۸ خداوند کے نزدیک ایک ہزار برس کے برابر ہے،

تیار کرو، اس کے راستے سیدھے بناؤ، (متی ۳-۳) یہ منادی صدہا سال پیشتر یسعیاہ نبی بھی کرتے تھے (یسعیاہ ۴۰-۳) قرآن شریف میں توریت وانجیل وزبور کا حوالہ دیا گیا ہے جو واقعات کے بالکل مطابق ہے، حالانکہ حوالہ پیش از وقت دیا گیا ہے، ذیل میں ہم چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں،
"ولقد کتبنا فی الزبور بعد الذکر ان الارض للہ یرثھا عبادی الصّلحون (۱۷)"
اس آیت میں زبور کا حوالہ دیا گیا ہے کہ یہ قانونِ قدرت ہے جس کو لسان مذہب میں "سنت اللہ" کہتے ہیں کہ زمین کے وارث اللہ تعالی کے صالح بندے ہوتے ہیں، اس میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں جو مشاہدہ کے مخالف ہو، اللہ تعالی ہمیشہ ایسے ہی بندوں کو زمین کا وارث بناتا ہے جن میں صلاحیت ہو،
زبور ۳۷ میں بدکاروں اور غداروں کی چندروزہ عارضی کامیابی کے ذکر کے بعد اس طرح مذکور ہے کہ "اس شخص کے سبب سے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا ہے اور بڑے بڑے منصوبے باندھتا ہے تو غم نہ کھا،
بدکار کاٹ ڈالے جائینگے لیکن وہ جو خداوند کے منتظر ہیں زمین کو میراث میں لیں گے، تھوڑی سی مدت کے بعد شریر نہ ہوگا، تو غور کریگا اس کا مکان ڈھونڈھے گا اور وہ نہ ہوگا، لیکن وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے"۔
اس کے بعد شریروں کی سازشوں کا ذکر ہے جو صادق کے برخلاف کرتے ہیں، اور اُس طاقت کا ذکر ہے جو باطل حق کی مخالفت میں صرف کرتا ہے تاکہ اُن کو جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں جان سے ماریں، اُن کی تلوار اُن ہی کے دلوں میں چھیدیگی، اُن کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی"۔
اس کے بعد اس طرح مذکور ہے کہ صادق کا تھوڑا سا مال شریروں کے بیشمار مال واسباب سے بہتر ہے کیونکہ وہ شریروں کے بازو توڑنے کے لئے استعمال ہوتا ہے"۔ اللہ تعالی صادقوں کو تھامنے والا ہے"۔
اس کے بعد اس طرح لکھا کہ "شریر ہلاک ہوں گے، دشمن بروں کی چربی

کی مانند فنا ہوں گے، اُن کے دھوئیں اُڑ جائیں گے، شریر اُدھار لیتا ہے اور پھر ادا نہیں کرتا، صادق رحم کرتا ہے اور انعام دیتا ہے جن پر ان کی برکت ہے زمین کے وارث ہوں گے اور جن پر اُس کی لعنت ہے کٹ جائیں گے،

اس کے بعد اس طرح مذکور ہے کہ صادق کو اللہ تعالی کبھی ترک نہیں کرتا، صادق ثابت قدم رہتا ہے، اگرچہ وہ گر جائے پر پڑا نہیں رہیگا، کیونکہ خداوند اُسکا ہاتھ تھامتا ہے، وہ سدا رحم کرتا رہتا ہے اور قرض (حسنہ) دیا کرتا ہے، اُس کی نسل مبارک ہے" بدی سے گریز کرنا چاہیے اور نیکی میں مصروف رہنا چاہیے، ہمیشہ کی زندگی یہی ہے، اللہ تعالیٰ عدالت کو پسند کرتا ہے، اپنے مقدس لوگوں کو ترک نہیں کرتا، وہ ابد تک محفوظ رہیں گے، شریروں کی نسل کاٹی جائے گی، صادق زمین کے وارث ہوں گے"،

اس زبور میں نیک بندوں کی مفصل تعریف کی گئی ہے کہ وہ توکل کرتے ہیں دیانت دار ہیں، اللہ کے ذکر میں مسرور رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی "صداقت" کو نور کی طرح ظاہر کرتا ہے، اور اُن کی عدالت کو دوپہر کی سی روشنی بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف چپکے رجوع کرتے ہیں اور اُس کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں، وہ صادق اور حلیم اور رحیم اور کریم ہوتے ہیں، اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنا مال صرف کرتے ہیں، خواہ شریروں کے مقابلہ میں وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اُن پر ظلم ہوتا ہے، وہ ستائے جاتے ہیں اس پر بھی وہ صبر کرتے ہیں اور نصرت الٰہی کے منتظر رہتے ہیں، وہ صادق ہے جس کے منہ سے "دانائی" کی بات نکلتی ہے، اُس کی زبان سے "عدالت" کا کلمہ نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شریعت اُس کے دل میں ہے، وہ ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے، یہ نیک بندے ہیں جن کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے، اور اُس کے برخلاف شریروں کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے، اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، +

نیک بندوں کی یہی تعریف قرآن شریف میں ہے، اور اصحاب رسول کریمؐ ایسی ہی تھے، وہ زمین کے وارث ہوئے، وہ صادق، عادل، رحیم و حلیم، اور کریم تھے

وہ کونسی صفت ہے جو زبور اور مقدس کتب میں خدا کے مقدسوں کے متعلق مذکور ہے جو اصحاب رسول اللہؐ میں نہ تھے،

ہم یقین کرتے ہیں کہ زمین کے وارث نیک بندے ہی ہوتے ہیں اور ہوتے چلے آئے ہیں، اور ہوتے رہیں گے، اور حسب آیات زبور و توریت و انجیل و فرقان شریروں کا غلبہ عارضی ہوتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں اور ہمارے پاس تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ جب کسی سلطنت سے صداقت اور عدالت اور رحم اُٹھ جاتا ہے تو ظلم و ستم کا دَور دَورہ شروع ہو جاتا ہے، جو اُس سلطنت کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس لئے جیسا کہ زبور کی آیات محولہ بالا میں بار بار تکرار کیا گیا ہے جو شریروں کی تلواروں اور کمانوں سے خائف نہ ہو یہی آلات اُن کی ہلاکت کا باعث ہوں گے، ظلم و ستم کو صبر سے برداشت کرو اور نیکی کو کسی حال میں نہ چھوڑو، اور اللہ کی نصرت کے منتظر رہو، وہ کبھی راستبازوں کو نہیں چھوڑتا۔

خلافت راشدہ راستبازوں کی منتخب جماعت کی سرپرستی میں قائم ہوئی، اسے مبالغہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خلافت راشدہ ایک ایسا نمونہ ہے جو حکمران قوموں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر قایم کیا تھا ایسی سلطنت ہے جو حریت و مساوات و عدالت و رحم و کرم و امن اور ترقی کی مثال ہے، یہی آسمانی بادشاہت ہے جس کے متعلق حضرت عیسیٰؑ اس طرح فرماتے ہیں،

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے" اور مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے"۔

چونکہ ایسی ہی بادشاہت میں غمگین خوشی کا منہ دیکھ سکتا ہے اس لئے فرمایا کہ "مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ تسلی پائیں گے" اور ایسی ہی بادشاہت میں حق کا غلبہ ہوتا ہے، اور متلاشیانِ حق نہایت امن سے حق کو پا لیتے ہیں، اور باطل کی تلواروں کا انہیں ڈر نہیں ہوتا، وہ دلجمعی سے تحقیق کرتے ہیں، وہ زندہ آگ میں نہیں

نہیں جلائے جاتے، طالبان حق ایسی ہی بادشاہت میں سیر ہو کر "علم" حاصل کر سکتے ہیں جہاں حریت اور مساوات ہو اور ترقی کی راہیں کھلی ہوں اور عدالت اور رحم اُس کا تاج اور تخت ہو اس لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ،

مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے"

"مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائیگا" اور یہ عدالت کی صفت ہے کہ ہر ایک شخص کو اُس کی نیت اور اعمال کے موافق بدلہ دے، رحم دل رحم کا ہی مستحق ہو سکتا ہے، +

"مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے"

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" روحانی کمالات ایسی ہی بادشاہت میں حاصل ہو سکتے ہیں

ایک اور مقام پر قرآن شریف میں توریت اور انجیل کا اس طرح حوالہ دیا گیا ہے،،

"هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله وکفی بالله شهیدا محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ذلک مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار وعد الله الذین امنوا وعملوا الصلحت منهم مغفرة واجرا عظیما"

توریت اور انجیل میں بے شمار آیات قرآن شریف کی آیات متذکرہ کے مطابق ہیں کس کس کا حوالہ دیا جائے، کتاب استثنا (باب) تو آیات متذکرہ لب باب ہے

جب کہ خداوند تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جس کا تو وارث ہونے جاتا ہے داخل کرے اور تیرے آگے سے اُن بہت سی قوموں کو دفع کرے) اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجو، نہ تو اُن سے کوئی عہد کرنا اور نہ اُن پہ رحم کرنا، سو تم اُن سے یہ سلوک کرو، تم اُن کے مذبحوں کو ڈھا دو، اُن کے

اُن کے بتوں کو توڑو، اُن کے گھنے باغوں کو کاٹ دو، اُن کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلا دو، کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کے لئے پاک قوم ہے، خداوند تیرے خدا نے تجھے چُن لیا، کہ تُو سب گروہوں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں اس کی خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں برگزیدہ کیا نہ اس لئے کہ تم اور گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے، کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے، بلکہ اس لئے کہ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور اس نے اس قسم کا جو تمہارے باپ دادوں سے کھائی پاس کیا اور خداوند تم کو اپنے زورآور ہاتھ سے غلام خانہ سے نکال لایا اور مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے چھڑایا۔

پس تو جان رکھ کہ خداوند تیرا خدا وہی خدا ہے وہ (اپنے وعدوں کو پورا کرنیوالا) وفادار خدا ہے اور ہزار پشت تک ان پر جو اس کے دوست ہیں اور اس کے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہے، سو ان شرعوں اور حقوق اور احکام کی جو میں آج کے دن تجھ پر جتاتا ہوں محافظت کرنا تاکہ عمل کرے، سو اگر تم ان حکموں کو سنو گے اور یاد رکھو گے اور اُن پر عمل کرو گے تو خداوند تیرا خدا اس عہد اور رحمت کو جس کی بابت اُس نے تیرے باپ دادا سے قسم کھائی ہے تیرے لئے یاد رکھیگا، اور تجھے پیار کرے گا، اور تجھے برکت بخشے گا، اور تجھے زیادہ کرے گا، وہ تیرے رحم کے پھل اور تیری زمین کے پھل میں تیرے غلے اور تیری مَے اور تیرے تیل اور تیری گائیوں کی بڑھتی اور تیری بھیڑوں کے گلوں میں اس زمین پر جس کی بابت اس نے تیرے باپ دادوں سے قسم کر کے کہا کہ تجھ کو دوں گا برکت بخشے گا، تجھے ساری قوموں سے زیادہ برکت دیجائیگی" اور جنہیں خداوند تیرا خدا تیرے حوالے کریگا، ان پر مطلق تیری شفقت کی نظر نہ ہوگی،،

(باب ۱۰-۱۲)" اب اے بنی اسرائیل خداوند تیرا خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے مگر یہ کہ تو خداوند اپنے خدا سے ڈرا کرے اور اُس کی سب راہوں پر چلے، اور اُس سے محبت رکھے، اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے اور اُس کے احکام اور حقوق کو جو میں آج کے دن تجھے فرماتا ہوں حفظ کرے تاکہ تیرا بھلا ہو۔

اور خداوند تیرا خدا وہی خداؤں کا خدا اور خداوندوں کا خداوند ہے وہ بزرگوار اور قادر اور ہیبت ناک خدا ہے جو ظاہر پر نہیں کرتا، وہ رشوت نہیں لیتا، وہ یتیموں اور بیوؤں کا انصاف کرتا ہے، اور پردیسی ایسی محبت کرتا ہے کہ اسے کھانا کپڑا دیتا ہے سو تم بھی پردیسی[1] کو پیار کرو، کہ تم بھی زمین مصر میں پردیسی تھے، اور تو خداوند اپنے خداوند سے ڈرتا رہ، اسی کی بندگی کر اور اسی سے پیشارہ، اور اسی کے نام کی قسم کھا، وہی تیرا مخیر ہے، تیرے باپ دادے جب مصر میں اترے تو ستر[2] آدمی تھے اور اب خداوند تیرے خدا نے تجھے آسمان کے ستاروں کی مانند بڑھایا" (باب ۱۰-۱۷)

"اور خداوند نے مجھے کہا کہ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہے گا، اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لونگا گا۔"

ان آیات کے مخاطب صرف بنی اسرائیل ہیں، اگر ان سے کسی خاص قوم یا شخص کی نسبت پیشگوئی سمجھی جائے تو غلط فہمی ہے، ان آیات سے واضح ہوتا ہی کہ بنی اسرائیل دیگر اقوام پر اس لئے غالب آئے اور اس لئے ارض موعود کے وارث ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ ارض موعود تیری اولاد کو دوں گا، اور اسی عہد کی تجدید حضرت اسحٰقؑ و حضرت یعقوبؑ و حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کی، خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے عہد اس لئے باندھا تھا کہ خلیل اللہ خدا کا دوست تھا، اور وہ خدا کا فرمانبردار تھا، اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے ہیں زمین کے وارث ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے

---

[1] "پردیسی سے مراد بنی اسرائیل ہیں کیونکہ مصر میں وہ پردیسی تھے ان کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ آپس میں محبت رکھو کیونکہ خدا تعالیٰ پردیسی سے محبت رکھتا ہے۔

[2] "سو میں (اللہ تعالیٰ) بھی انہیں (بنی اسرائیل) اس سے جو گروہ نہیں (جو قومی امتیاز نہیں رکھتے، مسلمان) غیرت میں ڈالوں گا۔ اور ایک بے عقل (امی) قوم سے انہیں خفا کروں گا (استثنا ۳۲-۲۱) یہ آیت لیغیظ بھم الکفار کے ہم معنی ہے، مقدس پولوس کے خط رومیاں باب ۱۰ [illegible] کی بھی تشریح ہوتی ہے۔

ان کو خواہ وہ ابتدا میں تھوڑے ہوں آسمان کے ستاروں کی طرح بناؤں گا،
اگرچہ وہ حقیر ہوں ان کو دنیا کی سب قوموں میں سرفراز فرمائے گا، وہ خدا کے دشمنوں
شریروں، بدکاروں، غداروں پر ہرگز ہرگز رحم نہیں کرتے لیکن وہ مومنین کے
ساتھ محبت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ محبت کرتا ہے" ان تمام آیات
میں نیکی اور نیک کرداری اور نیکی کے اعلیٰ نتائج کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ رسول کریمؐ حضرت موسیٰؑ کی مانند نبی تھے، درجات میں
فرق ضرور ہے اور یہی فرق بنی اسرائیل اور اُن کی مثل اصحاب رسول اللہؐ میں ہے
مثلھم فی التوراۃ کے یہی معنی ہیں، کہ ان کی مثل توریت میں ملتی ہے۔ یعنی یہ
کوئی عجیب بات نہیں کہ رسول اللہ اور آنحضرتؐ کے اصحاب غالب آئیں گے وہ
اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور ہمیشہ غالب رہیں گے، اور خدا کے پیارے زمین
کے وارث ہوا کرتے ہیں،

ان آیات میں ارض موعود کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے
حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا جہاں وہ "اور" کلدانیاں" سے ہجرت کرکے آئے تھے،
یہ وہ زمین تھی جہاں دودھ اور شہد موج مارتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کیا
بنی اسرائیل ہی اُس کے وارث ہوئے اور بنی اسمٰعیل بھی، ان واقعات کو ہم مفصل
بیان کریں گے،

"ومثلھم فی الانجیل اس طرح ہے:۔

"اور اُس نے اُن سے بہت سی باتیں تمثیلوں میں کہیں کہ دیکھو کہ ایک بیج
بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارہ پر گرے اور پرندوں
نے آکر انہیں چگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے جہاں اُنہیں بہت مٹی نہ ملی، اور گہری
مٹی نہ ملنے کے باعث جلد اگ آئے اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونیکے
سبب سوکھ گئے اور کچھ جھاڑیوں میں گرے، اور جھاڑیوں نے بڑھ کر انہیں دبا لیا
اور کچھ اچھی زمین پر گرے اور پھل لائے، کچھ سَو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا (متی باب ۱۳ ۹تا ۹)

اس کی تفسیر خود آنجنابؑ نے آسمان کی بادشاہت فرمائی ہے (آیت ۱۱) اور اس طرح تفسیر کی ہے:۔

"جب کوئی بادشاہت کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو اس کے دل میں بویا گیا اسے وہ شریر (شیطان) آن کر چھین لے جاتا ہے یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا اور جو پتھریلی زمین میں بویا گیا ہو وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اسے فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے لیکن اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا، بلکہ چند روزہ ہے' اور جب کلام کے سبب مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ کلام ہے جو کلام کو سنتا ہے اور دنیا کا فکر اور دولت کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے کوئی سو گنا پھلتا ہے کوئی ساٹھ گنا کوئی تیس گنا" (۱۹ لغایت ۲۴)

"اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس آدمی کی مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا، مگر لوگوں کے سوتے میں اس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی بو کر چلا گیا، پس جب پتیاں نکلیں اور بالیں آئیں تو وہ کڑوے دانے بھی دکھائی دیے کہ گھر کے مالک کے نوکروں نے آکر اس سے کہا کہ اے خداوند کیا تو نے اپنے کھیت میں اچھا بیج نہ بویا تھا، پھر اس میں کڑوے دانے کہاں سے آ گئے' اس نے ان سے کہا یہ کسی دشمن نے کیا ہے، نوکروں نے اسے کہا، کیا تو چاہتا ہے کہ ہم جا کر اسے جمع کریں؟ اس نے کہا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑوے دانوں کے جمع کرنے میں تم ان کے ساتھ گیہوں بھی اکھاڑ لو فصل تک تو دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو۔ اور فصل کے وقت میں کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے کڑوے دانے جمع کر لو اور جلانے کے واسطے ان کے گٹھے باندھ لو اور گیہوں میرے کھتے میں جمع کر دو" (۲۴ - ۳۱)

"اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت

اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں"

توریت اور انجیل میں جو صفات مقدسوں اور خدا کے فرزندوں کے بیان کئے گئے ہیں وہ سب اصحاب رسول اللہ کی ذات میں جمع تھے، یہ ایسی زرع تھی جس کی جڑھ مضبوط تھی اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی تھیں، ابتدا میں ایک رائی کے دانہ کے برابر تھا، مگر پورا پھلا اور پھولا، اس کا پھل کسی جگہ سو گنا اور کسی جگہ ساٹھ گنا اور کسی جگہ تیس گنا استعداد و قابلیت کے مطابق ہوا، پیشتر اس کے کہ ہم آسمان کی بادشاہت کے مفصل حالات لکھیں قرآن شریف کی ایک اور روایت کو بھی تائیداً پیش کرتے ہیں:-

"ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التورٰۃ والانجیل والقران ومن اوفی بعھدہ من اللہ ببیعکم الذی بایعتم بہ وذالک الفوز العظیم۔ التائبون العٰبدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الاٰمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المؤمنین" (توبہ ۱۳)

استثنا، باب ۳۲ - آیت ۶ میں اس طرح مذکور ہے:-

"اے جاہل اور بے شعور لوگو! کیا تم خداوند کو عوض میں ایسا کچھ دیتے ہو، کیا وہ تیرا باپ نہیں ہے جس نے تجھے مول لیا"

اس کی تفسیر زبور (۷۴ - الغایت ۳) میں اس طرح ہے:-

"اے خدا تو نے کیوں ہم کو ہمیشہ کے لئے رد کر دیا، تیری چراگاہ کی بھیڑوں پر تیرے قہر کا دھواں کیوں اٹھ رہا ہے، ابھی اس جماعت کو جس کی تو نے قدیم سے خریداری کی اپنے میراثی فرقہ کو جسے تو نے خلاصی بخشی اس کوہ صیہون کو جس میں تو نے سکونت کی یاد فرما"

" زبور ۱۱۶ - ۱۲ میں اس طرح ہے:-

"میں خداوند کو اُس کی ساری نعمتوں کے عوض میں جو مجھے ملیں میں کیا دوں،"
میں نجات کا پیالہ اٹھاؤں گا، اور خداوند کا نام پکاروں گا، میں ابھی اُس کے سارے
لوگوں کے سامنے خداوند کے نذریں ادا کرونگا، خداوند کی نگاہ میں اُس کے مقدس
لوگوں کا مرنا گراں قدر ہے، اے خداوند میں منت کرتا ہوں کیونکہ میں تیرا بندہ ہوں
اے خداوند میں منت کرتا ہوں کیونکہ میں تیرا بندہ ہوں، میں تیرا بندہ تیری لونڈی کا
بیٹا، تو نے میرے بندھن کھولے، میں تیرے حضور شکر گزاری کے ذبیحے چڑھاؤنگا،
اور خداوند کا نام پکاروں گا، میں ابھی اس کے سارے لوگوں کے آگے نذریں خداوند
کے لئے ادا کروں گا، میں خداوند کے گھر (بیت اللہ) کی بارگاہوں (مکہ معظمہ) میں
اور تیرے درمیان اے یروشلم۔ خداوند کی ستایش کرو،،
(یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زبور حضرت داؤد نے روح کی ہدایت سے لکھی (مقدس متی باب ۲۲-۴۳)

"ان آیات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل سے
جان و مال کی خریداری فرمائی تھی، اور کچھ شک نہیں کہ مقدس لوگوں کا قتل ہونا گراں
قدر ہے اس لئے ان کو وہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کا تذکرہ قرآن اور توریت میں مفصل ہے،

"انجیل متی باب ۵ کا ہم حوالہ دے چکے ہیں اور غالباً باب ۱۳- آیت ۴۵
کی طرف بھی اشارہ ہے،

"پھر آسمان کی بادشاہت اُس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ عمدہ موتیوں کی
تلاش میں تھا، جب اُسے ایک بیش قیمت موتی ملا تو جا کر جو کچھ اُس کا تھا سب بیچ
ڈالا اور اُسے مول لیا،،

قرآن شریف کی آیات محولہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو وعدہ اللہ تعالی نے
توریت اور انجیل میں فرمایا جس کا مفصل تذکرہ ہم کر چکے ہیں وہ اصحاب رسول کریمؐ
کے حق میں پورا کریں گے، اس لئے مومنین کو خوشخبری سنا دو کہ دنیا میں تمہیں
ارض موعود اور عاقبت میں جنت عطا کریں گے،

"ایک اور روایت جس سے ہم استدلال کرنا چاہتے ہیں اس طرح ہے:-

" قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلغ المبین وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا و من کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون ٥

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے محمدؐ کہدو کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اگر لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے روگردانی کریں گے تو ہر ایک شخص کی ذمہ داری اپنی اپنی ذات تک محدود ہے، رسول کا کام تو صرف تبلیغ ہے اور اُسکی ذمہ داری کی حد یہیں تک ہے کہ اُس نے احکام الٰہی اور ارشادات خداوندی کو علی الاعلان لوگوں تک پہنچا دیا، اب اگر لوگ نہ مانیں تو اس کے جواب دہ وہ خود ہیں، ان میں سے جو آدمی اللہ اور رسول کے مطیع ہیں یعنی مومن اور صالح ہیں اللہ تعا کا وعدہ ہے کہ جس طرح ان سے پہلے لوگ خلیفہ ہوئے اسی طرح ان کو بھی دنیا میں خلیفہ بنایا جائے گا، اور جب ان کو خلافت ملے گی تو یہ دین (الاسلام) جو ان کے لئے پسند کیا گیا ہے اس طرح قائم کر دیا جائیگا کہ اس کی بنیاد مضبوط ہو جائے گی اور موجودہ خوف وخطرہ جو انہیں بوجہ باطل لاحق ہو رہا ہے زائل ہو جائے گا وہ " امن " میں بسر کرینگے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر اللہ کو شریک نہ کریں گے، اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو وہ فاسق ہے،

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہجرت سے پیشتر مسلمانوں پر جو کچھ ظلم وستم بوجہ غلبہ باطل ہوتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق اُس وقت گوشہ نشین تھا، اور مسلمانوں کی ہستی معرض خطر میں تھی ہجرت کے بعد یہ کیفیت تھی کہ مسلمان ہر وقت مسلح رہتے اور دھڑکا لگا رہتا کہ مخالفین بے خبری میں حملہ آور نہ ہوں، مکہ میں تو صرف اہل قریش کا خوف تھا، اس جگہ ان کے علاوہ ہمسائگی میں بدعہد وغدار یہودیوں کے قبائل آباد تھے، جو مخالفین کو مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے، اور وقت پر جان ومال سے اُن کی امداد کرتے

تمام مسلمان یہی کہا کرتے تھے کہ کیا کوئی ایسا دن بھی ہو گا کہ ہم بلا خوف وخطر جہاں چاہیں جاویں اور کوئی ایسی رات بھی ہوگی کہ ہم بے فکر ہو کر سوئیں، یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پھر اس وعدہ کی تجدید فرمائی جو حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا اور مسلمانوں کی تسلی ہو گئی کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جب اسلام کا بول بالا ہو گا اور مسلمان امن میں ہوں گے، شرک نیست و نابود ہو جائے گا، اور کافروں کی جڑ کٹ جائے گی،

"یہ وہ وقت تھا جبکہ مسلمان سخت پریشانی کی حالت میں تھے، جبکہ غزوہ خندق یا احزاب نے ان کو ایک ماہ کامل مدینہ سے باہر نکلنے نہ دیا، اور ہر طرف سے نرغہ میں تھے، جبکہ انہیں چاروں طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے، اور منافقین کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا، جو گھر کے بھیدی تھے اور دوستی کے لباس میں خطرناک دشمن تھے"

"خلافت نے دنیا میں پہلی دفعہ "امن" کا مژدہ سنایا، اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک حکومت "امن" کی ذمہ وار ہوتی ہے، اور مخالفت کی بیخ کنی خاطر خواہ کرتی ہے تاکہ فتنہ و فساد کا قلع و قمع ہو جائے، ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اصولاً خلافت ایسی ہی ایک حکومت تھی جیساکہ پہلی حکومتیں تھیں، لیکن فرق ہے تو اتنا کہ پہلی حکومتیں قوموں کے اور خلافت اسلام کے غلبہ سے تعلق رکھتی ہے، جیساکہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے"۔

"ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ وکفی باللہ شھیدا"

قوموں کے غلبہ کا یہ مفہوم ہے کہ مغلوب قوموں کی ایسی سرکوبی کی جائے کہ پھر سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں، اسلام کے غلبہ کے یہ معنی ہیں کہ کفر و شرک کی جڑھ کٹ جائے، دیگر ادیان ہمیشہ مغلوب رہیں، اسلام کا قوموں کے عروج و نزول سے کچھ تعلق نہیں، خواہ عرب ہوں یا عجم قوموں کا غلبہ اس جہان کی چند روزہ بادشاہت ہے، اسلام کا غلبہ آسمانی بادشاہت ہے جو ابدالاباد تک قائم رہے گی،

لیکن چونکہ کوئی ترقی امن کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے آیات محولہ بالا سے صاف

صاف لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقی کے لئے امن لازمی امر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے خلافت کے ساتھ مژدۂ امن سُنایا تاکہ اس دین کو جو دین الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے قائم کردے، ہم اس موضوع پر اس مقام پر مفصل بحث نہیں کرسکتے، انشاء اللہ تعالیٰ رسول کریمؐ کے حالات میں "اسلام" کی حقیقت واضح بیان کریں گے،

" دنیا" اخوت" کی متلاشی ہے، لیکن" توحید" کے بغیر ناممکن ہے " اخوت اُسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب ہر ایک قومی امتیاز دنیا سے اُٹھ جائے، جبکہ حریت کا نشہ ہر ایک دماغ میں جبکہ مساوات کے جذبات ہر ایک دل میں موج مارتے ہوں، جبکہ عدالت قوموں کا شعار ہوگا، اُس کا سنگ بنیاد خلافت راشدہ نے مقدسوں کے ہاتھوں سے اس چٹان پر رکھدیا، جس پر ہزار آندھیاں چلیں مگر اسے جنبش تک نہیں ہوسکتی، اور دنیا کی تمام طاقتیں جمع ہوکر اُسے ہلانا چاہیں تو نہ ہلاسکیں،۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اصولاً خلافت ایسی ہی ایک حکومت تھی جیسے پہلے تھیں اور اب بھی ہیں، قوموں کا عروج وزوال لوح کائنات پر جلی حروف سے لکھا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قومیں ایک ہی خون اور دنیوی نفع ونقصان کے احساس سے بنی ہیں اور بنتی ہیں، رومیوں اور ایرانیوں اور یونانیوں اور مصریوں اور بیشمار قوموں کی تواریخ ہمارے سامنے ہے، یہ ایسی قومیں تھیں جن کی قومیت کی بنیاد ایک خون پر تھی اور اس حیثیت سے ان کا نفع ونقصان بھی مشترک تھا، مگر جوں جوں قرابت میں بُعد ہوتا گیا اور گزشتہ تعلقات کی یاد ہمدردی کے ولولوں سے خالی ہوگئی۔ ذاتی اغراض نے قرابت کا کچھ پاس نہ کیا، اسلام نے قوموں اور ذاتوں کے امتیاز کو بھی مٹا دیا، فتح مکہ کے دن جب ابن آدم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور جلال کے تخت پر طاقت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا، آنحضرتؐ نے قریش کو جمع کیا، یہ لوگ آنحضرتؐ کے اقربا تھے، ان لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم" اے جماعت قریش بے شک اللہ تم سے

نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس	جاھلیت کا تکبر اور آبا پر فخر کرنا لے لیا۔
من آدم وآدم خلق من تراب قال اللہ	کل آدمی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے
تعالیٰ یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر	پیدا ہوئے (یعنی سب ایک ہیں اور مٹی سے
وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا	پیدائش قابل فخر بات نہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ	کہ "بیشک ہم نے تم کو پیدا کیا ہے نر و مادہ سے
علیم خبیر ہ	اور بنایا تم کو قومیں اور ذاتیں تاکہ تم ایک دوسرے

کو پہچان سکو (نہ کہ ایک دوسرے پر فخر کرو) بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے"۔

اس کے بعد قریش سے پوچھا کہ اب تمہیں کس سلوک کی توقع ہے؟ یہ وہی قوم قریش تھے جو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کر چکے تھے، ان لوگوں نے کہا کہ "خیراً اخ کریم وابن اخ کریم" یعنی نیکی کی تو کریم بھائی ہے اور کریم بھائی کا بیٹا ہے یعنی نیکی کی توکریم بھائی ہے اور کریم بھائی کا بیٹا ہے۔" فرمایا "فانی اقول کما قال یوسف لاخوتہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقا" یعنی بے شک میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا کہ آج تم پر کوئی برائی نہیں ہے، جاؤ تم آزاد ہو۔

آنحضرتؐ کی آخری وصیت آب زر سے لکھنے کے قابل ہے:۔

اوصیکم بتقوی اللہ واوصی اللہ بکم واستخلفہ علیکم واودعکم الیہ انی لکم نذیر وبشیر الا تعلوا علی اللہ فی بلادہ وعبادہ فانہ قال لی ولکم تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین وقال الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین ہ یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی ہے میں بھی تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور میں اللہ ہی کو تمہارا نگہبان چھوڑتا ہوں اور تمہیں اس کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک میں تمکو دوزخ سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا ہوں آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ملکوں اور بندوں میں برتری نہ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں مخاطب کر کے

فرماتا ہے کہ یہ مکان آخرت اُن لوگوں کے لئے ہے جو زمین پر برتری کا قصد کرتے ہیں اور نہ فساد کا اور آخرت کی نکوئی متقین کے لئے ہے اور فرماتا ہے کہ کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانا غرور والوں کا۔

" اس لئے آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے دین اسلام ہی ایک حقیقی رشتہ ہے اور مسلمان خواہ کسی حیثیت کسی قوم کسی ملک کے ہوں ایک "امت" ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں، اسلام کسی خاص قوم کی میراث نہیں ہر ایک شخص اس کا وارث ہو سکتا ہے خواہ عربی ہو یا عجمی اور اس لئے بہ تعلق اسلام خلافت ہر ایک شخص کی میراث ہے" بشرطیکہ وہ اُس کا اہل ہو جبتک قریش اُس کے اہل تھے خلافت کے مستحق وہی تھے جب وہ اُس کے اہل نہ رہے خلافت اُن سے لی گئی، یہی سنت اللہ ہے اور اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی" ہم اس دعوی کے قایل نہیں کہ فلاں قوم یا فلاں قبیلہ یا فلاں شخص خلافت کا مستحق ہی یا تھا اور یہ لوگوں نے ان سے غصب کر لی، خلافت مستحق ہی کو پہنچتی ہے اور جیسا کہ ہم نے مفصل بیان کیا ہے اللہ تعالی کی طرف سے عنایت ہوتی ہے، کوئی شخص خلیفہ کسی کے بنائے سے نہیں بنتا، جس شخص نے خلیفہ ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے خواہ کسی طرح کسی ذریعہ سے ہو، وصیت وشوریٰ وغیرہ استحقاق خلافت ثابت نہیں کرتے یہ خلیفہ کے انتخاب کی صورتیں ہیں اور حسب ضرورت وقت ان صورتوں میں بھی اختلاف موجود ہے ۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلافت ایک ایسی ہی حکومت ہے جیسیکہ پہلی حکومتیں تھیں اور یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ فی الحقیقت خلافت کا تعلق قوموں کے عروج ونزول سے کچھ نہیں خواہ یہ عربی ہوں یا عجمی، خلافت کا تعلق اسلام سے ہے تاکہ اس کا غلبہ تمام دیگر ادیان پر رہے، اور اسلام امن کے ساتھ ترقی کرتا رہے۔

" لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عنان خلافت خلفا کے ہاتھ میں رہی ہے اور خلافت حکومت کی مختلف صورتوں میں تبدیل ہوتی رہی ہے، اگرچہ صورتوں میں تبدیلی خلافت

کی نوعیت کو نہیں بدل سکتی مگر قیاس ہو سکتا ہے کہ خلافت کی کوئی صورت معین ہی نہیں، یہ صحیح ہے اور ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ حکومت خواہ کوئی صورت اختیار کرے بذاتہٖ بُری نہیں بشرطیکہ عنانِ حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو بہترین خلائق ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ خلافت نے بہترین خلائق کے انتخاب کی کیا صورت پیدا کی ہے؟

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلافت یا حکومت کی کوئی صورت معیّن نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے، تعیین صورت ارتقا کے مخالف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ نے صراحتاً کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا، اگر آنحضرتؐ ایسا کرتے تو آیندہ نسلوں کو ایک سند ہاتھ آجاتی، چونکہ قانون قدرت کسی چیز کو ہمیشہ ایک صورت پر قائم نہیں رہنے دیتا، اس لئے وصیت دربارۂ خلافت ہزارہا خرابیوں کا باعث ہوگی، اور علاوہ ازیں ایسی صورت بھی ہوتی کہ خلیفہ کو وصیت کرنے کا موقعہ ہی نہ ملتا جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے واضح ہوتا ہے اس لئے وصیت بھی کوئی ایسی صورت معینہ نہیں ہو سکتی جس پر انتخاب کا انحصار ہو، اور سب سے بڑھ کر اس میں یہ خرابی ہے کہ خلافت بے تکلف شخصی حکومت بن سکتی ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ انتخاب کی کوئی صورت معین کرنا خلافت کے منشا کے مخالف ہے،

آنحضرتؐ کی وفات کے قریب جب حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ

"انت واللہ بعد ثلث عبد العصا و اذهب بنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنسئلہ فیمن ھذا الامر ان کان فینا علمنا ذلک وان کان فی غیرنا علمناہ فاوصی بنا فقال علی انا واللہ لئن سالناھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنعناھا الناس بعدہ وانی واللہ لا اسألھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

واللہ تو تین دن بعد لاٹھی کا غلام ہوگا، آنحضرتؐ کی خدمت میں چلو تاکہ دریافت کریں کہ آنحضرتؐ کے بعد خلافت کن لوگوں میں ہوگی، اگر ہم میں ہوگی تو ہم جان لیں گے، اور لوگوں میں ہوگی تو بھی ہمیں معلوم ہو جائے گا، پس تم کو وصیت کرنی کہ کیا کرنا چاہئے، حضرت علیؓ نے فرمایا "واللہ اگر ہم نے آنحضرتؐ سے خلافت مانگی اور آنحضرتؐ نے ہم کو نہ دی تو لوگ ہم کو آپکے بعد کبھی خلافت نہ دیں گے، خدا کی قسم میں آنحضرتؐ سے خلافت نہیں مانگوں گا،" (فیض الباری پارہ ہژدہم)

"آیۂ استخلاف سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد خلافت ہوگی اور

ایسی ہوگی جیسے پیشتر تھی، اس میں کسی قبیلہ کسی شخص کو نامزد نہیں کیا گیا حضرت علیؓ کا خیال بالکل صحیح تھا کہ اگر آنحضرتؐ باوجود طلب خلافت کسی اور کو خلیفہ بناتے تو آیندہ لوگ حجت پکڑتے اور بنو ہاشم ہمیشہ خلافت سے محروم رہتے، خدا جانے "الائمۃ من قریش" (کل امام قریش سے ہوں گے) کس حد تک صحیح ہے، لیکن واقعات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کے شاہان مغلیہ بھی بنو عباس سے سندِ خلافت حاصل کرتے رہے، قیاس ہوسکتا ہے کہ تصویر کے بے شمار رُخ ہوتے ہیں اور کوئی صورت معین نہیں ہوسکتی، بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت عرب میں صرف قریش ہی خلافت کے اہل تھے، اور جب وہ اہل سند ہے تو خلافت ایسے لوگوں میں منتقل ہوگئی جو اس کے اہل تھے، مگر قریش اور کچھ نہیں تو "اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ" کی سند سے فائدہ اٹھاتے رہے" اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کے معنی صاف ہیں کہ اولی الامر کی اطاعت اگر وہ مخالف اطاعت اللہ و رسول نہ ہو فرض ہے اور یہی وجہ ہے کہ انتظامی امور میں خلیفہ مطلق العنان بادشاہ ہے اور خلفاء کے کارناموں سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور اسی لئے خلیفہ کی وصیت کا پاس ہمیشہ مسلمان کرتے رہے، البتہ "شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" نے خلفا کا تو کیا مذکور ہے رسول کے اختیارات کو بھی قیود کے بغیر نہیں چھوڑا اور آنحضرتؐ ہر ایک امر میں اصحاب سے مشورہ لیتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہتے، غزوۂ احزاب کے موقع پر جب مخالفین نے چاروں طرف سے مدینہ پر یورش کی اور ایک ماہ تک مسلمانوں کا خاطر خواہ قافیہ تنگ کر دیا تو رسول کریمؐ کا ارادہ ہوا کہ عتبہ بن حصن اور حرث بن عوف سے مدینہ مدینہ کے باغات کے تہائی پھل دے کر مصالحت کی جائے، سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ اس طرح صلح کرلیں، اگر ایسا ہے تو چون و چرا کی گنجایش نہیں اور اگر آپ کو یہ طریقہ صلح مرغوب و محبوب ہے تو بھی آپ ایسا کرسکتے ہیں یا یہ کہ اس میں آپ نے ہماری بہتری تصور فرمائی ہے اور ہمارے فائدہ کے لئے اس طرح صلح کا ارادہ

ہے ؟ آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارے ہی فائدہ کیلئے صلح کیا چاہتا ہوں، میں نے اس مرتبہ یہ خیال کیا ہے کہ عرب نے متفق ہوکر تم پر ایک کمان سے تیر باری کی ہے" سعد بن معاذ نے عرض کی کہ جب ہم شرک و الحاد و بتوں کی نجاست میں مبتلا تھے، اُس وقت تو یہ لوگ ہم سے ایک خرما بھی بجز خریداری حاصل نہیں کرسکتے تھے اب جبکہ اللہ تعالی نے ہم کو نور اسلام سے منور فرمایا اور آپ کی بدولت ہماری عزت افزائی ہوئی تو ہم ان کو اپنا مال اور پیداوار یوں ہی دیدیں ؟ واللہ ہم ان کو ایک خرما بھی سوائے تلوار کے نہ دیں گے، آپ مطمئن رہیں جب تک ہم میں سے ایک جان بھی باقی ہے کفار کا ٹڈی دل مدینہ کے پاس نہیں آسکتا، اس پر آنحضرت نے ارادہ صلح فسخ کردیا۔

اگرچہ رسول کریم نے کسی شخص کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا لیکن خلافت کے متعلق مفصل ہدایات چھوڑیں کہ قرآن شریف کی آیات بینات ہیں، اور جن کا حوالہ ہم دے چکے ہیں، اور ان کی موجودگی میں کسی شخص کو نامزد کرنا اور کچھ نہیں تو "وصیت" جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں سنت رسول اللہ ہوتی جس سے کبھی کوئی مسلمان انحراف نہ کرتا، مگر آنحضرت کی دور اندیشی نے اتنا بھی نہ کیا اور انتخاب خلفا کو واقعات اور حالات اور تقاضائے وقت پر چھوڑا، اور سچ تو یہ ہے کہ انتخاب محض ایک سبب ہے جس کو اللہ تعالی چاہتا ہے خلیفہ بنا دیتا ہے اور اس کی خلافت کے لئے راستہ صاف کردیتا ہے، بہرحال اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ کی تصدیق واقعات سے ہر ایک زمانہ میں نہیں ہوئی لیکن

"وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم" ہر ایک پہلو سے پورا ہوتا چلا آیا ہے، ہم نے اپنی کتاب "دمشق اور بغداد" میں خلفا، بنوامیہ اور عباسیہ اور خلافت کے حالات لکھے ہیں اب خلافت راشدہ کے حالات ہیں اس جہاں کی بادشاہت اور آسمانی بادشاہت میں موازنہ کرینگے خلافت راشدہ حکومت کی کونسی صورت ہے خلفا راشدین کے حالات سے معلوم ہوسکتی ہے یعنی نہ کوئی شخصی نہ جمہوری ہے، بلکہ ہر ایک صورت کا جلوہ اس میں نظر آتا ہے، جس طرح

اسلام وہی پرانا اور فطری دین الٰہی ہے اُسی طرح خلافت بھی وہی ازلی ارشاد الٰہی "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" ہے، دیکھنا یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ نے کہاں تک حق نیابت ادا کیا÷

فتنۂ آمد ثانی

جب آنحضرت صلعم "رفیق اعلیٰ" سے جاملے، صحابہؓ کے ہوش و حواس بجا نہ رہے، لوگوں کا ہجوم مسجد نبوی میں ہو رہا تھا، عالم تحیر میں جو جس کے منہ پر آیا کہا، ان میں سے حضرت عمرؓ شمشیر برہنہ کھڑے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ:۔

"ان رجال من المنافقین یجبوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات وانہ لم یمت وانہ ذھب الی ربہ کما ذھب موسٰی و لیرجعن فیقطعن ایدی رجال وارجلھم"	منافق گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم انتقال کر گئے وہ ہرگز نہ مرے، وہ بیشک اپنے رب کے پاس گئے ہیں جیساکہ موسٰیؑ گئے تھے، اور وہ واپس آکر ان منافقین کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے،

اتنے میں صدیق اکبرؓ آگئے اور حجرہ عائشہ صدیقہ میں داخل ہوئے، رسول کریم صلعم کے چہرۂ مبارک کو غور سے دیکھا اور پھر بوسہ دیا۔ اور کہا،

بابی انت وامی طبت حیاً و میتاً والذی نفسی بیدہ لا نذیقک اللہ الموتتین ابداً انا للہ وانا الیہ راجعون،	میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات وممات دونوں میں خوش حال ہیں قسم ہے اُس کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ

آپ کو دوبارہ موت کا مزا نہ چکھائے گا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صدیق اکبرؓ حجرہ سے باہر نکلے تو لوگوں کے ہجوم پر نظر کی اور عمرؓ کو شمشیر برہنہ قسمیں کھاتے ہوئے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ نہیں مرے جو شخص کہے گا کہ آنحضرت صلعم مر گئے میں اُس کا سر اڑا دوں گا، صدیق اکبرؓ نے عمرؓ کو آواز دی "اے قسمیں کھانے والے ٹھہر جا، جلدی نہ کر" عمرؓ اُس وقت ایک جوش کے عالم میں

ہیں تھے۔ صدیق اکبرؓ کی آواز پر توجہ نہ کی آپ منبر پر چڑھ گئے، اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور جمع ہونے لگے، صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے نہایت مؤثر الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر کہا،

ایھا الناس من یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت،

اے لوگو جو شخص محمدؐ کی پرستش کرنا چاہتا ہو جان لے کہ محمدؐ مر گیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو پس بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور نہیں مرے گا،

اس کے بعد قرآن شریف کی اس آیت سے استدلال کیا کہ "انک میّت وانھم میّتون" اور "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین" محمد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پیشتر اور بھی رسول گذرے ہیں، پس کیا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم لوگ اپنی پچھلی عادت کی طرف لوٹ جاؤ گے، اور جو شخص اپنی پچھلی عادت پر لوٹ جائیگا پس وہ ہرگز اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائیگا، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ شاکرین کو جزا دیگا،

"رسول کریمؐ کی وفات پر یہ فتنہ اگر صدیق اکبرؓ نہ ہوتے ایسا برپا ہوتا کہ مسیحی دنیا کی طرح رسول کریمؐ کی آمد ثانی کا انتظار مسلمانوں کو تا قیامت رہتا، اور رسول اللہ ایک ایسے ہی اوتار سمجھے جاتے جیسا کہ ہندوستان میں جونیں بدل بدل کر آتے رہتے ہیں، اور خدا پرستی جس کی اشاعت رسول کریمؐ تمام عمر فرماتے رہے بت پرستی کی صورت اختیار کر لیتی، روایتیں اور حکایتیں ہر ایک زبان پر ہوتیں اور آج ہمارے پاس ضخیم جلدوں میں ان کا ایک مجموعہ ہوتا، اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ ہوتی جو ان ہی روایتوں اور حکایتوں سے الہامی روح اخذ کرتے اور پیشگوئیوں کے الفاظ صدہا مدعیان محمدیت کھڑے کر دیتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حواریان مسیح میں بھی کوئی صدیق اکبرؓ کے پایہ کا شخص نہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ مسیحی دنیا اس وقت تک فتنہ مسیح میں مبتلا ہے،

اس موضوع پر ہمارا مضمون "مسیح کی آمد ثانی" مشاہیر اسلام کے سلسلہ میں قابل توجہ ہے)

صدیق اکبرؓ کی تقریر کا اثر لوگوں پر ایسا ہوا کہ گویا ایک پردہ آنکھوں کے آگے تھا جو اٹھ گیا، عمرؓ کے بدن پر رعشہ طاری تھا، لوگوں نے سمجھ لیا کہ فی الحقیقت رسول کریمؐ وفات پا چکے ہیں، بیقراریوں کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ تسلی کے عمرؓ کے دل لبھانے والے الفاظ تھے کہ رسول اللہؐ نہیں مرے بلکہ حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا کے پاس گئے ہیں اور پھر آئیں گے لوگ ہمیشہ دل کو ایسے ہی خیالات سے تسلی دیا کرتے ہیں، یہ تقاضائے محبت ہے کہ محبوب کی فرقت کوئی شخص گوارا نہیں کرتا اس کا غلبہ انسان کو بت پرست بنا دیتا ہے، صدیق اکبرؓ نے اس وقت آیات بینات سے نہ صرف رسول کریمؐ کی وفات پر استدلال فرمایا بلکہ ہر ایک رسول ہر ایک نفس کے لئے ذائقہ موت ناگزیر ہے، اور یہ نکتہ کہ رسول اللہؐ کی اگر کوئی پرستش کرنا چاہتا ہے تو سمجھ لے کہ آنحضرتؐ وفات پا چکے ہیں لطیف ہے، لوگوں نے اپنے اپنے قومی دیوتاؤں اور اوتاروں کو اسی پرستش کے لئے زندہ رکھا ہے اور جب وہ آنکھوں کے سامنے نہیں ہوتے تو ان کی پتھر کی مورتوں کی پوجا ہوتی ہے، اور صدیق اکبرؓ کا یہ ارشاد کہ "ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" موحدین کے دلوں پر نقش ہونا چاہئے، نکتہ یہ ہے کہ "عبادت اور حیات" لازم و ملزوم ہیں اگر بت پرست یہ سمجھ لیں کہ ان کا معبود نہ بھیرہے نہ مسیح نہ کلیم تو بتوں کو کون پوجے گا، زندہ مردوں کی پرستش کیوں کرنے لگا،

"اسلام" جس پر مفصل بحث ہم رسول کریمؐ کے حالات میں کرینگے (وما توفیقی الا باللہ) بزرگوں کو ان کی موت کے بعد خاک میں نہیں ملاتا، ان کو خاک میں تو نادان بت پرست ہی ملاتے ہیں جو ان کی خاک کی پوجا کرتے ہیں اسلامؐ تمہیں ان کی اسوۂ حسنہ کی طرف متوجہ کرتا ہے

"قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برآء

منکم و مما تعبدون من دون اللہ) (تم کو ابراہیم اور اُس کے ساتھ والوں کی عمدہ چال چلنی چاہیے جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہدیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں))

"لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید ہ"

(البتہ بتحقیق تم کو اُن ہی کے طریقہ پر چلنا چاہیئے، اس پر وہی چلے گا جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہے، اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پرواہ خوبیوں والا ہے)،

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا ہ"،

(البتہ تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے))،

"یہ ہمیشہ کی زندگی ہے" بُت پرستی مُردوں کو پوجنا ہے، خدا پرستی حی لایموت کی عبادت ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ معبود کے اوصاف عابد میں جلوہ فگن ہوں اور وہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کرے"

"اس اُسوۂ حسنہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انتہائے ترقی تک پہنچ جاتا ہے، جو شخص کسی کے نقش قدم پر چلتا ہے اسی قیام پر پہنچے گا جہاں اُس کا رہنما پہنچا ہے اور اس میں وہی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اُس کے ہادی میں ہوتی ہیں، صدیق اکبر کے متعلق رسول کریمؐ کا ارشاد کہ

"جو کچھ میرے سینے میں تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں بھر دیا" بالکل سچا ہے اور امام اور مقتدا کی سب سے زیادہ یہی تعریف ہے کہ مقتدی کو امامت و اقتدا کا اہل اور اُس میں امامت اور اقتدا کی صلاحیت پیدا کر دے، اسی واقعہ نے جو رسول کریمؐ کی حیات و ممات کے متعلق تھا ثابت کر دیا کہ صدیق اکبرؓ رسول کریمؐ کے بعد بہترین

خلائق تھے، اور چونکہ صحابہ میں صلاحیت کم و بیش موجود تھی اس لئے وہ آپ کی طرف جھکے، ورنہ عمرؓ کا جوشِ محبت جو کم و بیش ہر ایک دل میں موجزن تھا ایسا نہ تھا کہ اُن کو کسی اور طرف متوجہ ہونے دیتا، بہرحال "فتنہ آمد ثانی" کا قلع قمع صدیق اکبرؓ ہی کے ذریعہ ہوا، اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ نے اپنے بعد امت کو ایسی سرپرستی میں چھوڑا جس نے حق نیابت کما حقہٗ ادا کیا۔

بیعت سقیفہ

"فتنۂ آمد ثانی" کے بعد ایک اور فتنہ اُٹھا، اول الذکر اگر برپا رہتا، اسلام کے لئے مضر تھا، مؤخر الذکر نے خلافت کو خطرہ میں ڈال دیا، صحابہ رسول کریمؐ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے ہی تھے کہ اطلاع ملی کہ انصار بنی ساعدہ کے سقیفہ میں جمع ہو رہے ہیں، تاکہ سعدؓ[1] بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں، یہ سننا تھا کہ صحابہ مہاجرین مزاحمت کے لئے تیار ہوئے، صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کو آنحضرتؐ کے پاس چھوڑا اور آپ معہ حضرت عمرؓ و ابو عبیدہ بن جراح سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے، دیکھا کہ انصار کا ہجوم ہو رہا ہے، حضرت عمرؓ راستہ میں سوچ بچار کرتے گئے تھے کہ انصار کو اس طرح اور اس طرح سمجھاؤں گا، جس وقت سقیفہ پر پہنچے تو انصار کو

---

[1] سعد بن عبادہ انصاری رضؓ ساعدی ہیں اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے، صاحب وجاہت اور ریاست تھے، بعض اقوال کے مطابق بدر میں شامل ہوئے، دیگر تمام مشاہد میں انصار کا علم آپ کے ہاتھ میں رہتا، فتح مکہ کے دن رسول کریمؐ کا نشان آپ کے ہاتھ میں تھا، جب ابو سفیان کے پاس گذرے تو جوش میں آ کر کہا کہ الیوم یوم الملحمۃ الیوم تحل الحرمۃ یعنے آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کا دن حرمت کعبہ حلال ہے، ابو سفیانؓ نے کہا کہ آج آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے، سعد ایسا ہی خیال کرتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رحم کرنے کا دن ہے، آج خدا تعالیٰ نے قریش کو عزت دی ہے" اس کے بعد رایت سعد رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ غیور اور پُرجوش، دلیر اور بہادر، اور فیاض تھے، آپ کا مزار شریف واقع دمشق میں ہے۔

مخاطب کرکے کہا کہ "تم کو خوب یاد ہوگا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو تمہارے ساتھ حسن
سلوک کی وصیت کی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا اگر امارت مہاجرین قریش کی نہ ہو، اگر
تم کو استحقاق امارت پہنچتا تو آنحضرت صلعم تم کو ہمارے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتے
عمر رضہ نے اتنا کہا تھا کہ حباب بن المنذر رضہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور عمر رضہ اور حباب رضہ میں
گفتگو بڑھ گئی، حباب رضہ کہتے تھے کہ اسلام کی اشاعت ہمارے ذریعہ سے ہوئی ہے،
یہ وہی قریش ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلعم کو وطن سے نکالا اور ہم نے پناہ دی، اور
ہر ایک موقعہ پر جان و مال سے مدد دی ہم لوگ خلافت رسول اللہ صلعم کے مستحق ہیں
لیکن بخیال نزاع یہ کہتے ہیں کہ ایک ان میں سے امیر ہو اور ایک ہم میں سے اس کے
بعد عمر رضہ سے کہا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو تلوار سے فیصلہ ہو سکتا ہے' ابو عبیدہ بن
جراح حباب رضہ اور عمر رضہ کے درمیان آگئے کیونکہ دونوں جوش سے بھرے ہوئے
تھے، اور خوف تھا کہ اگر بات بڑھ گئی تو تلوار تک نوبت پہنچ جائے گی، ابو عبیدہ کہتے
تھے کہ اے گروہ انصار اللہ سے ڈرو تم لوگ وہ ہو جنھوں نے سب سے پہلے آنحضرت صلعم
کی مدد کی، اب تم سب سے پہلے نزاع کا باعث نہ ہو'، مگر اس وقت نقار خانہ میں طوطی
کی آواز کون سنتا تھا، صدیق رضہ بڑھے اور عمر رضہ کو کہا کہ چپکے رہو، اس کے ساتھ ہی تمام
حاضرین پر خاموشی چھا گئی اور آپ کی طرف متوجہ ہو گئے، آپ نے انصار کو مخاطب
کرکے برجستہ تقریر فرمائی جس کا لب لباب ہم تک اس طرح پہنچا ہے کہ:

"اے گروہ انصار، ہم لوگ سابقین اولین میں ہیں، رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہے
اور کفار کے ہاتھوں سے ایذائیں اُٹھائیں، آنحضرت صلعم کے ہمراہ وطن مالوف کو چھوڑا خویش
واقارب سے منہ موڑا، املاک کو ترک کیا اور اپنے بھائی بندوں سے لڑے، اس میں
کچھ شک نہیں کہ تم کو حق نصرت پہنچتا ہے اور تم سابق الاسلام بھی ہو، لیکن امارت کے بارہ
میں ہم سے مت جھگڑو، یہ نزاع خانہ جنگی کا باعث ہوگی، یقیناً قریش تمہاری امارت کو پسند
نہ کریں گے، لیکن قریش کی امارت کے ساتھ تمہاری وزارت وابستہ ہے"۔
حباب رضہ بن المنذر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ بشیر رضہ بن سعد نے کھڑے ہو کر حضرت ابو بکر رضہ

کی تائید کی، حباب نے برہم ہو کر بشیر کو کہا کہ "اے بشیر تو نے بڑی بزدلی کی" بشیر نے جواب دیا "بھائی تو جانتا ہے کہ میں بزدل نہیں ہوں لیکن تو نے ابو بکرؓ کی بات کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جو کچھ وہ کہتا ہے سچ کہتا ہے"۔

صدیق اکبرؓ نے عمرؓ اور ابو عبیدہ رضؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے گروہ انصار ان میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت کرو"، دونوں نے انکار کیا کہ آپ کی موجودگی میں ایسا ہو نہیں سکتا، بشیر رضؓ نے ہاتھ بڑھا کر صدیق اکبرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور تمام حاضرین کو صدیق اکبرؓ کی بیعت کے لئے کہا، عمرؓ نے سبقت کی اس کے بعد ابو عبیدہ رضؓ اور اس کے بعد ہر کہ ومہ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاتا تھا، دیکھتے دیکھتے ہر طرف سے مہاجرین اور انصار کا ہجوم ہو گیا، ہر ایک شخص خوشی خوشی صدیق اکبرؓ کے دست حق پرست پر بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا، سعدؓ بن عبادہ ابھی تک ایک طرف خاموش بیٹھے تھے، لوگ اشتیاق بیعت میں ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے ازراہ مزاح کہا کہ دیکھنا کہیں دب کر نہ مر جائے" عمرؓ بولے (قتلہ اللہ) خدا کی مار اس پر، سعدؓ بگڑ گئے اور عمر رضؓ سے دست و گریبان ہونے کو تھے کہ صدیق اکبرؓ نے روک دیا، اس کے بعد سعدؓ نے بھی ہاتھ بڑھایا اور بیعت کی۔

افسوس ہے کہ ہم تک بیعت سقیفہ کے مفصل حالات نہیں پہنچے اور بالخصوص وہ تقریر جو صدیق اکبرؓ نے مہاجرین اور انصار کے روبرو کی" لیکن واقعات اور حالات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت تقریروں کا وہ اثر نہیں ہوا جو صدیق اکبرؓ کی شخصیت کا تھا، امارت کا سوال تقریروں سے خواہ کیسے ہی معقول ہوں حل نہیں ہو سکتا، لیکن شخصیت کا اثر پڑ سکتا ہے، اور بالخصوص صدیق اکبرؓ کی شخصیت کا اثر تھا کہ انصار کے خیالات فوراً بدل گئے اور اسی وقت بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، ایسے وقت میں جبکہ خلافت کا فیصلہ تلوار پر آٹھیرا تھا، جبکہ مدینہ میں ابھی تک منافقین کی کثرت تھی اور اس ہنگامہ کو برپا کرنا چاہتے تھے۔ کونسی صورت امن کی ہو سکتی تھی، اور اگر ایک دفعہ تلوار چل جاتی تو معلوم نہیں کہ کس طرح

ؔ حسب روایت طبری سعدؓ نے بھی بیعت کر لی مگر بعض روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ سعدؓ نے بیعت نہیں کی لیکن چونکہ مدینہ میں اقامت دشوار تھی اس لئے شام کی طرف چلے گئے، اور وہاں ایک جن نے انہیں قتل کر دیا اس کہانی پر ہم اعتبار نہیں کرتے +

نیام میں ہوتی اور اسلام اور خلافت کا کیا حشر ہوتا، آیندہ واقعات نے جنہیں ہم مفصل بیان کریں گے ثابت کر دیا ہے کہ اگر اس وقت مہاجرین اور انصار میں تلوار چل جاتی تو مہاجرین کو مکہ کی طرف ہجرت کرنی پڑتی اور معلوم نہیں کہ وہاں اُن کی کیسی آؤ بھگت ہوتی اور اگر مہاجرین انصار پر کسی وجہ سے غالب آجاتے پھر بھی مدینہ میں بحالت امن نہیں رہ سکتے تھے، نتیجہ خواہ کچھ ہی ہوتا خلافت قائم نہ ہو سکتی بلکہ کچھ اور ہی صورت ہوتی، اور خدا ہی کو معلوم ہے کہ کیا صورت ہوتی، اور غالباً استحقاقِ خلافت کی مذموم بحث جو آج کل کے مسلمانوں میں ہے اول و آخر سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی ہوتی، حضرت علیؓ[۱۹] اور امیر معاویہؓ کے درمیان بھی سوال خلافت زیرِ بحث تھا، برہان قاطع یعنی تلوار نے بھی اُس کا قطعی فیصلہ نہ کیا، نتیجہ پر

نمبر ۱۹ بیان کیا جاتا ہے کہ سعدؓ بن عبادہ کی طرح حضرت علیؓ بھی دعویدار خلافت تھے مگر ایسا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں، ہماری رائے میں ہر ایک مومن صالح کو حق خلافت پہنچتا ہے حضرت علیؓ تو بدرجۂ اولیٰ اسکے مستحق تھے لیکن جب جمہور نے صدیق اکبرؓ کی بیعت پر اتفاق کر لیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؓ ابھی تک تذبذب کی حالت میں تھے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ زبیرؓ و طلحہؓ نے بھی بیعت سے تخلف کیا، یہ بھی روایت ہے کہ ابو سفیانؓ نے حضرت علیؓ کو ابھارا اور کہا کہ تمہاری موجودگی میں امارت کا کوئی اور شخص مستحق نہیں، یہ عجب بات ہے کہ حکومت و سلطنت قریش کے سب سے ادنےٰ اور حقیر قبیلہ میں چلی جائے، اس کے بعد حضرت علیؓ کو کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں اور اگر تم چاہو تو ابھی میں ابو بکر پر اس میدان کو تنگ کر دوں اور اس کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے ابو سفیان! بحالت کفر تو آخر دم تک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے لڑتا رہا اور جب تک مایوس نہ ہوا ہتیار نہ ڈالے، اب پھر فتنہ کا ارادہ رکھتا ہے؟ اور اسلام میں آتش فساد مشتعل کرنا چاہتا ہے، مجھے تیری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں"۔

ابو سفیان تو اپنا سا منہ لے کر واپس ہوا، غالباً تنگ ہو اور وہاں سے اسی ارادہ سے گیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور افسوس کے ساتھ کہا کہ آپ نے سقیفہ میں بیعت کے متعلق مجھ سے مشورہ کیوں نہ لیا؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں میرا جانا بیعت کی غرض سے نہ تھا بلکہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے جو انصار و مہاجرین میں دربارہ خلافت برپا ہو رہا تھا، اور اگر لوگ اس وقت میرے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو ایسا فتنہ برپا ہوتا جس کا فرو کرنا ناممکن ہو جاتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس سے تشفی ہو گئی اور بیعت کر لی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واقعات کا علم نہ تھا تخلف بیعت کے متعلق تمام روایتیں کم و بیش ناقابل اعتبار ہیں،

مہاجرین اور انصار میں سے کسی شخص نے بیعت سے انکار نہیں کیا، اسی طرح حضرت طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ کو جب صحیح واقعات کی اطلاع ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بطیب خاطر بیعت کی؛ اور مجلس شوریٰ میں نہایت فراخ حوصلگی سے امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین کے قوت بازو بنے رہے۔

دنیاء اسلام صدہا سال سے خون کے آنسو رو رہی ہے، افسوس "صفین" میں ایسی ہی شخصیت کی ضرورت تھی، جیسے "سقیفہ" میں،

بیعت عامہ

"صدیق اکبرؓ نے دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ لی اور حاضرین کو مخاطب کر کے اس طرح تقریر کی:-

" ایھا الناس قد ولیت علیکم و لست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوموني الصدق امانة والکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی اٰخذ له حقه والقوی ضعیف عندی حتی اٰخذ منه الحق ان شاء الله تعالیٰ"

اے لوگو! میں تمہارا سرپرست مقرر کیا گیا ہوں اور تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں بھلائی کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں برائی کروں تو متنبہ کرنا صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے تم سے جو کم زور ہے میرے نزدیک قوی ہے جب تک اس کا حق نہ دلوا دوں اور قوی ضعیف ہے جب تک اس سے کم زور کا حق نہ لے لوں، انشاء اللہ تعالیٰ"۔

"لا یدع منکم الجھاد فانه لا یدعه قوم الا ضربھم الله بالذل اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فاذا عصیت الله و رسوله فلا طاعة لی علیکم، قوموا الی صلاتکم رحمکم الله"

تم لوگ جہاد کو ترک نہ کرو، کیونکہ ہر ایک قوم اس کو ترک کر کے ذلیل ہوئی ہے، میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہوں اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں، اٹھو، نماز پڑھو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے"

"اس مختصر تقریر میں صدیق اکبرؓ نے حریت و مساوات و صداقت و عدالت کو ایک ہی فقرہ میں بیان فرمایا ہے، اور دوسرے فقرہ میں واضح بیان فرمایا ہے کہ خلافت صرف اسلام سے وابستہ ہے، اگر خلیفہ اللہ اور رسول کے احکام سے نافرمانی کرے تو اس کی اطاعت واجب نہیں"۔ اس تقریر میں صدیق اکبر رضؓ نے

خلافت کو ولایت سے تعبیر کیا ہے، اور ان تمام ذمہ داریوں کو اسی ایک لفظ کے ذریعہ واضح کر دیا جو آپ پر عائد ہوتی ہیں، ان ہی ذمہ داریوں کے احساس نے آپ کے منہ سے یہ فقرہ نکلوایا کہ نیک کاموں میں میری امداد کرو اور اگر کچھ خطا ہو تو مجھے دلیری کے ساتھ روکو، اس فقرہ میں حریت کی روح بول رہی ہے، اس کی تشریح میں دفتر لکھے جا سکتے ہیں، کسی شخص کا ولی اُس شخص کی بہتری اور بہبودی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس لئے اس کا سچا دوست اور کارساز ہوتا ہے، اگر ولی ولایت کو ذاتی منفعت اور مفاد کا ذریعہ بناتا ہے تو خائن ہے، اور ولایت کی صلاحیت نہیں رکھتا، صدیق اکبرؓ کا یہ ارشاد کہ نیک کاموں میں میری امداد کرو اور برائی سے روکو جمہور کی بہتری کے لئے ہے اور اس کے ساتھ اُس ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے جو جمہور پر عائد ہوتی ہے، لیکن اُس کا احساس حریت کے احساس کے بغیر ناممکن ہے اور اس کے ساتھ "مساوات" کا احساس بھی لازم ہے" یہ ذمہ داری جو جمہور پر عاید ہوتی ہے صدیق اکبرؓ کے فقرہ سے واضح تر ہم نہیں بیان کر سکتے کہ "صدق امانت ہے، اور کذب خیانت ہے" المستشار مؤتمن" (مستشار مشورہ کا امانت دار ہوتا ہے) اس لئے مشورہ صدق کو لئے ہوئے ہو، نہ کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ اور صداقت کا اظہار اخلاقی جرأت کے بغیر ناممکن ہے" اور کذب حریت کی روح کے لئے فنا کا عذاب ہے" اگر اظہار صداقت میں جان کا خطرہ ہو، اور اگر کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو تو خیانت ہے۔

"مساوات اور" عدالت" کی تعریف اس سے بہتر مثال میں نہیں ہو سکتی کہ زبردست میرے نزدیک زیردست ہے جب تک کہ زبردست کا ہاتھ ظلم سے کوتاہ نہ کر دوں اور زیردست زبردست ہے جب تک اُس کے حقوق محفوظ ہیں یعنی کوئی شخص کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتا، اور کوئی شخص کسی شخص کا حق غصب نہیں کر سکتا، اسی ایک فقرہ سے ولایت کی ضرورت اور ولی کے فرائض منصبی کا ذکر فرمایا کہ عدالت کے ذریعہ مساوات کو قائم رکھنا چاہیے"۔

"اطاعت کے متعلق فرمایا کہ "جب تک خلیفہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے لوگوں پر اُس کی اطاعت فرض ہے"، اور جب اللہ اور رسول کی نافرمانی کرتا ہے لوگوں پر اطاعت واجب نہیں" ۔

نمبر۲۔ قرآن شریف کی حسب ذیل آیات پر غور کرنا چاہیئے:۔

ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیرا ہ یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذلک خیر واحسن تاویلا ہ

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانتیں (جب مانگیں) اُن کے حوالہ کر دیا کرو) اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصل کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ جو نصیحت کرتا ہے تمہارے حق میں بہت اچھی ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سُنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور حکم مانو رسول اللہ کا اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں، اور اگر کسی امر میں تم (اور اولی الامر) آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی یہ شرط ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو"

" اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" میں اطاعت کا حکم ایک تو اللہ کے ساتھ اور دوسرے رسول اور اولی الامر کے ساتھ آیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اور اولی الامر کا حکم ایک ہی ہے؛ اس میں کچھ شک نہیں کہ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے اللہ ہی کا حکم مانا اُس نے اللہ ہی کا حکم مانا (۵-۷)

" وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" (اور جو رسول ہم نے بھیجا اُس کے بھیجنے سے ہمارا مقصود یہی رہا ہے کہ اللہ کے حکم سے اُس کا کہا مانا جائے" (۵-۶)

اس لئے اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت ایک ہی ہے۔ رسول اور اولی الامر صرف اللہ کے حکم کے اعلان کرنے کا ذریعہ ہیں؛ اس لئے حکم ایک ہی ہے، اطاعت اولی الامر بشرطیکہ اُس کا حکم اللہ و رسول کا حکم ہو، اللہ و رسول کے حکم کا مخالف نہ ہو فرض ہے،

" یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان آیات میں اولی الامر سے مراد خلیفہ نہیں ہے جو بعد وفات رسول کریمؐ برسر حکومت ہو۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہؐ کی زندگی میں مختلف مقامات کی طرف روانہ کئے گئے تھے۔ مثلاً یمن۔ عمان وغیرہ خلفاء رسول اللہؐ کی جگہ ہیں، اور اولی الامر عمال خلافت ہیں؛ آیات مرقومہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ اگر اولی الامر عدل کے ساتھ کسی امر میں فیصلہ نہ کریں تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس لئے اگر عمال خلافت کوئی ایسا ہی غلط فیصلہ کر بیٹھیں تو خلیفہ کی عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور خلیفہ کو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیئے، کیونکہ یہی سب سے اعلٰے اور آخری عدالت ہے اور اسی لئے خلفا اشوریٰ کی امداد سے

اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت صرف اسلام سے وابستہ ہی اور خلیفہ رسول کی عدم موجودگی میں وہی کام کرتا ہے جس کے لئے رسول مامور ہوتا ہے، اس کی حیثیت اولی الامر سے اعلیٰ ہوتی ہے، بلکہ اس کا تقرر خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جب اولی الامر کی اطاعت فرض ہے تو خلیفہ کی بدرجۂ اولیٰ فرض ہوئی اولی الامر کا فیصلہ اگر عدل پر مبنی نہ ہو تو خلیفہ کی عدالت اس کو رد کر سکتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر خلیفہ ایسا ہی غلط فیصلہ کرے تو چارہ کیا ہے؟ یہ ایسا ہی سوال ہے کہ اگر رسول کسی امر کا غلط فیصلہ کرے تو چارۂ کار کیا ہے؟،

اس میں کچھ کلام نہیں کہ "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" (۷-۱۲) رسول ہو یا خلیفہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے گا، اور ان کو ایسا ہی کرنا چاہئے ورنہ وہ اپنے فرائض منصبی کو ادا نہیں کرتے، اگر دیدہ و دانستہ احکام الٰہی کو نظر انداز کرتے ہیں، صریح احکام کی موجودگی میں رسول یا خلیفہ کو کسی شورت کی ضرورت نہیں، لیکن امور میں ہے جن کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ احکام محدود ہوتے ہیں اور ہر ایک امر کے عین مطابق نہیں ہوتے اس لئے استنباط اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے، جن میں غلطی کا احتمال ہے، لیکن یہ احتمال بالکل خفیف رہ جاتا ہے اگر کسی امر کا فیصلہ شوریٰ کے ذریعہ ہو، رسول کی غلطی کا ازالہ تو بذریعۂ وحی ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا، لیکن خلیفہ کی غلطی کا ازالہ اسطرح نہیں ہو سکتا، اور اسی لئے علمائے کرام نے اجتہادی غلطی کو ثواب ہی قرار دیا ہے جو نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے۔

لیکن بظاہر صدیق اکبرؓ کا اشارہ دربارۂ اطاعت ان امور کی طرف نہیں ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی طرف

بقیہ نمبر ۲ ص ہر ایک امر کا فیصلہ کرتے تھے تاکہ غلطی کا احتمال کم ہو، اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہوگا وہ عدل سے کبھی تجاوز نہ کرے گا۔

یعنی خلیفہ اگر اللہ و رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس لئے اُس کی اطاعت فرض نہیں"۔

"صدیق اکبرؓ کی تقریر میں آسمانی بادشاہت" کی روح بول رہی ہے یعنی اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت فرض ہے خواہ بذریعہ رسول ہو یا خلیفہ یا اولی الامرؑ اور احکام الٰہی کی تعمیل کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے خواہ بذریعہ رسول صادر ہو یا بذریعۂ خلیفہ یہی "اسلام" ہے اور یہی خلافت کی روح ہے"۔

زمین بھی اللہ کی ہے اور جو کچھ زمین پر ہے وہ بھی اللہ کا ہے، بندے بھی اللہ کے ہیں اور ان پر حکومت بھی اللہ کی ہے، یہی آسمانی بادشاہت ہے، اگر ہمیں یقین ہو کہ جو کچھ موجود ہے سب اللہ کی مخلوق ہے اور یہ کہ ہم کو اپنے اعمال کی سزا و جزا ملیگی اور ملتی ہے، تو اللہ اور آخرت پر ایمان، توحید و اخوت کے ساتھ حریت و مساوات و صداقت اور عدالت اور اُس کے ساتھ آسمانی بادشاہت قائم کر دیگا، ایسی صورت میں "اطاعت" اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کی ہے، اسلام کی یہی تعریف ہے اور صدیق اکبرؓ کی تقریر کا یہی مفہوم ہے"۔

ردّت

"دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت دانے کچھ پتھریلی زمین پر گرتے جہاں انہیں بہت مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اُگ آئے اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سُوکھ گئے"
(انجیل متی ۱۳ ـ ۵ـ۶)

"فتح مکہ کے بعد جب قریش کی مخالفت کا زور ٹوٹ گیا اور کوئی طاقت ایسی سنگ راہ نہ رہی جو لوگوں کو اسلام سے روکتی تو لوگ دین حقہ میں فوج فوج داخل ہونے لگے، قبیلہ قریش عرب میں بوجہ تولیت کعبۃ اللہ خاص اقتدار رکھتا تھا تمام قبائل

نمبر ۱۲ "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئٰک ھم الکافرون (۶ ـ ۱۰)
"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئٰک ھم الفسقون (۶ ـ ۱۱)
"وانزلنا الیک الکتٰب بالحق فاحکم بینھم بما انزل اللہ (۶ ـ ۱۱)

عرب کی نگاہ اسی پر تھی۔ جب اس نے اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تو پھر کسی کو سر اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا، اس لئے فتح مکہ کے بعد قبائل خود بخود آنحضرت صلعم کی خدمت میں آنے لگے۔

قبیلہ بنو تمیم کا وفد غزوہ تبوک کے بعد حاضر ہوا، مسجد نبوی میں یہ لوگ داخل ہوئے تو بلند آواز سے رسول کریم صلعم کو پکارا کہ "اُخْرُجْ یا محمّد" (اے محمد باہر آؤ) آنحضرت صلعم گھر سے باہر تشریف لائے تو کہا کہ ہم اپنے خطیب اور شاعر کے ساتھ فخر کرنے کو آئے ہیں" عرب کا یہ قدیم دستور تھا کہ جب ان کے رؤسا کسی جگہ جاتے تو اُنکے ہمراہ خطیب اور شاعر بھی ہوتے جو اُن رؤسا کے اوصاف فخریہ نظم ونثر میں بیان کرتے اور یہاں تک مبالغہ کرتے کہ خدا کی خدائی میں کوئی اُن کا مثل نہیں، یہی کچھ بنو تمیم کے خطیب اور شاعر نے کیا، رسول کریم صلعم بتقاضائے خُلقِ عظیم عزت واحترام سے پیش آئے اور فرمایا "اِقْبَلُوا الْبُشْریٰ یا بنی تمیم" اے بنی تمیم (بہشت کی) بشارت کو قبول کرو) کہا کہ "بَشَّرْتَنا فَاَعْطِنا" (بشارت تو دی مال بھی دلواؤ) اور جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو انعام واکرام سے تالیف بھی فرمائی۔

"عامر بن صعصعہ کا وفد آیا تو عامر نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ "اے محمد اپنے بعد میرے لئے حکومت کی وصیت کرنا" فرمایا یہ نہ تیرے لئے ہے اور نہ تیری قوم کے لئے اللہ جسکو چاہے دے" پھر عامر نے کہا کہ اچھا تم مجھے جنگل اور میدان دیدو۔ اور اپنے لئے آبادی اور شہر اختیار کرلو۔ یہ شخص مدینہ سے نکلنے سے پہلے یہ دھمکی دے گیا کہ میں اس میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا" لیکن اُسے اس کا موقع نہ ملا کیونکہ رستہ میں بعارضۂ طاعون مر گیا۔

بنو معتب کا وفد آیا تو بیعت اور اسلام کے ساتھ یہ شرط پیش کی کہ ان کا بت "لات" تین برس تک نہ توڑا جائے، اس عرصہ میں ان کی ضعیف الاعتقاد عورتیں اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف انکار کیا تو یہ ترمیم پیش کی کہ ان کا بت خود ان

ہاتھ سے نہ توڑوایا جائے، آنحضرت ص نے یہ استدعا منظور فرمائی، چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ نے لات کو توڑا معتب دور کھڑے حیرت انگیز خوف کے ساتھ یہ نظارہ دیکھتے رہے) اس کے بعد وفد نے یہ شرط پیش کی کہ نماز معاف کردی جائے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ" (اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہیں ہے)۔

بنوحنیفہ کے وفد کے ساتھ ایک شخص مسیلمہ بن حبیب بھی تھا آنحضرتؐ نے اُن لوگوں کو عزت و احترام سے جگہہ دی، مسیلمہ نے آنحضرتؐ کی روزافزوں طاقت کا راز معلوم کرنا چاہا تو خیال کیا کہ آنحضرتؐ ایک نئے دین کے مخترع ہیں اور ہر ایک جدید شے لذیذ ہوتی ہے، قرآن سنا اور ارکانِ اسلام کی طرف توجہ کی، اور ایک دو روز میں جو کچھ ہو سکا نیا سبق حاصل کیا، واپس لوٹا تو دعوی نبوت کیا۔

الغرض یہ اور اسی قسم کے وفود اکثر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کم ندر ایک زبردست طاقت کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے اور طاقت ور مال و دولت کی طمع پر آتے تھے اسلام سے ہر ایک کم و بیش بے خبر تھا، اور جب خواہشات پوری ہوتی نظر نہ آئیں بلکہ نماز کی تاکید کے ساتھ روزے بھی گلے پڑے اور اس پر طرہ یہ کہ زکوٰۃ و صدقات کا حکم ہوا تو خیال کیا کہ بیٹھے بٹھائے تکلیف میں مبتلا ہو گئے اور قریش تمام عرب کو باج گذار بنانا چاہتا ہے، اسلام اور اسلام کی برکتوں سے کچھ ہی لوگ واقف تھے جو آنحضرتؐ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے، جو اپنی جان اور مال اسلام پر قربان کر چکے تھے، جو اپنے وطن اور املاک کو چھوڑ بیٹھے تھے، جو ایمان کسی نفسانی یا دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض اسلام کی خاطر لائے، لیکن ایسے لوگ جو اسلام کی حقیقت سے بے خبر تھے صرف اسلامی روزافزوں طاقت سے خائف تھے، ادھر رسول کریم ؐ کے انتقال کی خبر مشتہر ہوئی اور اُدھر کل قبائلِ عرب مرتد ہو گئے۔ اگر صرف ارتداد پر کفایت کرتے تو ممکن تھا کہ رفتہ رفتہ پھر راہِ راست پر آ جاتے، لیکن ان قبائل نے صرف عمالِ رسول کریمؐ کا مقابلہ کیا بلکہ مدینہ پر حملہ کی تیاری میں مصروف

ہو گئے۔

"صدیق اکبرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لے کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسامہ بن زیدؓ کو اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا جس پر اُن کو آنحضرتؐ چند روز پیشتر مامور فرما چکے تھے انصار نے یہ مشورہ دیا کہ یہ وقت ایسی اہم مہم کا نہیں ہے، پہلے گھر کی خبر لو، مرتدین سے فارغ ہو کر یہ بھی سرانجام ہو سکتی ہے۔" صدیق اکبرؓ غصہ میں اُچھل پڑے اور کہا کہ کون ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ رسول کریمؐ کے ارشاد کے خلاف عمل کرے، واللہ میں ہر ایک کام جو رسول کریمؐ ادھورا چھوڑ گئے ہیں سب سے پہلے پورا کروں گا" اور جب یہ مشورہ دیا گیا کہ اسامہؓ کی جگہ کسی معمر آدمی کو سپہ سالار مقرر کرنا چاہئے تو سخت برافروختہ ہوئے اور کہا کہ "جس کو رسول اللہؐ مقرر فرمائیں کون اُس کو معزول کر سکتا ہے، جب تک میں اسامہؓ کو اس مہم پر روانہ نہ کرلوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔

ادھر صدیق اکبرؓ نے اسامہؓ کو بلاد شام پر حملہ کے لئے روانہ کیا اُدھر قبائل عرب کے مرتد ہونے کی متوحش خبریں آنے لگیں۔ اِس حالت میں اگرچہ صدیق اکبرؓ بالکل خاموش نہیں رہے مگر اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ رُوسا مرتدین کو نامہ و پیام میں مشغول رکھا، لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا، اتنے میں یہ پرچہ لگا کہ قبیلہ عبس و ذبیان متفقہ طاقت سے مدینہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ بنی اسد و بنی کنانہ بھی اُن کی پشت پر ہیں صدیق اکبرؓ نے اُس وقت مہاجرین و انصار میں سے ان تمام آدمیوں کو مسجد نبوی کے سامنے جمع کیا جو اسامہؓ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور حضرت علیؓ و زبیرؓ و طلحہؓ و عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ کے باہر شہر کی حفاظت پر مامور کیا۔ قبیلہ عبس وغیرہ کا ایک وفد آگیا، اور صلح کی شرائط پیش کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ نماز کی رکعتیں کم کر دی جائیں اور زکوٰۃ بالکل معاف کر دی جائے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ "واللہ اگر لوگ ایک عقال (جس سے اونٹ کے پاؤں باندھتے ہیں) نہ دیں گے، تو میں اُن پر جہاد کروں گا، اور صلوٰۃ خمسہ سے ایک رکعت بھی کم نہ کی جائے گی۔" وہ اپنا سا مُنہ لیکر واپس ہوا، لیکن مرتدین کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، اس لئے بلا تامل مدینہ

پر حملہ آور ہوئے، صدیق اکبرؓ نے اہل مدینہ کو حضرت علیؓ کی کمک پر روانہ کیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے مرتدین کا استقبال نہایت جوش کے ساتھ کیا اور ”ذی خشب“ تک مرتدین پسپا ہوتے گئے۔ لیکن مرتدین نے پھر متفقہ طاقت سے ہجوم کیا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ مدینہ میں آکر دم لیا، صدیق اکبرؓ نے پراگندہ جمعیت کو پھر جمع کیا اور نماز فجر کے بعد بنفس نفیس مدینہ سے باہر مرتدین کے مقابلہ کے لئے نکلے، حضرت علیؓ نے بڑھ کر سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا اے خلیفہ رسول اللہ کہاں جا رہے ہو؟ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوم احد میں آنحضرت صلعم سے کہا تھا، خدا کے لئے اپنی تلوار نیام میں کرو، تم بذاتہ نہ لڑنے جاؤ، اگر کہیں چشم زخم پہنچا تو نظام اسلام مٹ جائے گا۔“

فجر سے ظہر تک میدان کارزار گرم رہا، آخر صدیق اکبرؓ مہاجرین و انصار کے ساتھ ایک دفعہ مرتدین پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے دیکھتے اُن کی صفیں توڑ ڈالیں، مرتدین پریشانی کے عالم میں تتر بتر ہو گئے، صدیق اکبرؓ نے ذی خشب تک تعاقب کیا۔

” اسی اثنا میں اسامہؓ مہم شام سے فارغ ہو کر واپس آئے لیکن سفر کی کلفت نے اجازت نہ دی کہ فوراً صدیق اکبرؓ کے لشکر کے ساتھ شامل ہوتے، صدیق اکبرؓ نے اسامہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور مرتدین کا تعاقب جاری رکھا، ابرق پر مرتدین نے اپنا فوجی مرکز قائم کیا ہوا تھا اس پر جم کر لڑے لیکن شکست کھائی، صدیق اکبرؓ نے اس جگہ چند روز قیام فرمایا اور بنو ذبیان کو بالکل بیدخل کر کے مدینہ کی طرف مراجعت کی۔

اگرچہ مدینہ مرتدین کے حملہ سے محفوظ تھا مگر یمن اور دیگر مقامات پر ان کا زور تھا، انکی جمعیت یوماً فیوماً بڑھ رہی تھی، عمال بھاگ بھاگ کر مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے، اور ان مختلف مقامات پر جہاں کہیں مسلمانوں کو کچھ جمعیت حاصل تھی مرتدین کے مقابلہ پر اڑے ہوئے تھے۔

مدینہ میں صدیق اکبرؓ نے کل فوج کا جائزہ لیا اور گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ پر ایک ایک سردار مقرر کیا، خالد بن ولید، اور عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن

العاص اور حذیفہ بن محصن اور عرفجہ بن ہرثمہ اور طریفہ بن حاجز اور سوید بن مقرن اور علاء حضرمی کو مختلف مقامات کی طرف مرتدین کے مقابلہ میں روانہ کیا اور بعد ازاں شرجبیل بن حسنہ کو خالد اور عکرمہ کی امداد کے لئے بھیجنا اور اسی طرح وقتاً فوقتاً کمک بھیجتے رہے"

سرداران لشکر کی روانگی سے پیشتر صدیق اکبرؓ نے تمام رؤسائے مرتدین کے نام فرمان لکھے اور ان ہی فرمانوں کا مضمون بذریعہ عام اعلان مشتہر کیا، فرمانوں کا مضمون ایک ہی تھا۔ جس میں حمد الٰہی کے بعد رسول کریمؐ کی نبوت و رسالت کا منشا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا تھا، اور چونکہ یہ خیال دلوں میں نقش تھا کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے، اس لئے آنحضرتؐ کی وفات کے متعلق بھی تشریح کی، اس کے بعد ظاہر کیا گیا تھا کہ فلاں فلاں امیر مہاجرین و انصار کے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف آرہا ہے، اور اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تم سے جنگ کی ابتدا نہ کریگا، اور نہ کسی کو قتل کرے گا، وہ سب سے پہلے تمہیں دعوتِ اسلام دیگا جو شخص قبول کرے گا اس کی مدد کی جائے گی اور جو شخص انکار کرے گا اس سے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمان میں یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ ہمارا قاصد اس فرمان کو تمہارے مجمع میں پڑھے گا اور بذریعہ اذان دعوت دیگا، جس وقت تم مسلمانوں کی طرف سے اذان سنو تم بھی اذان دو یہ علامت اس امر کی ہے کہ تم نے دعوت قبول کر لی، یا ابھی تک اسلام پر قائم ہو۔ اور اگر تم نے اذان نہ دی تو تم سے وجہ دریافت کی جائے گی اگر تم نے انکار کیا تو تمہارے ساتھ جنگ کیا جائیگا، اس پر بھی اگر تم نے توبہ کی تو قبول کی جائیگی۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان واقعات کا مفصل تذکرہ لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حالات کی طرف توجہ دلائیں جو رسول کریمؐ کی وفات کے بعد فتنوں کی صورت میں رونما ہوئے، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت "اسلام" معرض خطر میں تھا، اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر آنحضرتؐ کا جانشین اس وقت کمزوری کا اظہار کرتا یا ضرورت سے زیادہ سختی کرتا تو حق نیابت ادا نہ کر سکتا، اور یہ امر کہ ایسے فتنوں کا استیصال کسی ایسے

ہی شخص کے ہاتھوں سے ہو سکتا تھا، اور رسول کریمؐ کے بعد ان واقعات کی موجودگی میں خلافت کے بوجھ کا متحمل ایسا ہی شخص ہو سکتا تھا جو خاص امتیازی قابلیت رکھتا تھا بدیہی ہے ۔

صدیق اکبرؓ کو جب یہ مشورہ دیا گیا کہ مہم شام ملتوی کر دی جائے تو انکار کیا اور فرمایا کہ جو کام رسول کریمؐ نے شروع کیا ہے اس کو سب سے پہلے تکمیل تک پہنچاؤنگا خواہ مجھے یہ ڈر ہو کہ کوئی قزاق مجھے مدینہ میں لوٹ لیگا اور کوئی درندہ مجھے پھاڑ کھائیگا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کو اس خطرہ کا بھی احساس تھا جو "ردت" کی صورت میں رونما ہوا۔ اور یہ بھی علم تھا کہ مدینہ پر ضرور حملہ ہوگا۔ لیکن وہ اصول خلافت سے خوب واقف تھے، اور آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ صدیق اکبرؓ ان رموز کو بہتر سمجھتے تھے، صدیق اکبرؓ کو معلوم تھا کہ قبائل عرب کسی امر پر کبھی متفق نہیں ہو سکتے، اور اگرچہ قبائل کا متفقہ طاقت کے ساتھ حملہ آور ہونا خطرہ سے خالی نہ تھا، لیکن ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا تھا، یہ ممکن تھا کہ مرتدین کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ عرصہ دراز تک جاری رہتا لیکن صدیق اکبرؓ نے حالات کا صحیح اندازہ کر لیا تھا، اگرچہ "ردت" کی اہمیت کو بخوبی وزن کر لیا تھا لیکن اُن کی نگاہ شام کی طرف لگی ہوئی تھی، اور یقین کامل تھا کہ قبائل عرب رفتہ رفتہ راہ راست پر آجائیں گے اگرچہ اُن کے مقابلہ میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا لیکن بالآخر "ردت" کا استیصال خاطر خواہ ہو جائیگا، لیکن شام کی طرف سے ایک ایسے مہیب دشمن کا ڈر تھا جو متمدن دنیا پر قابض تھا جس کے علم کے نیچے بے شمار قواعد دان سپاہ آلات حرب سے آراستہ تھی، جو اس وقت عرب کی شمالی حدود پر جمع ہو رہی تھی، جس کو تمام شام کے عرب متنصرہ امداد دے رہے تھے اور بحران اور عرب کے دیگر عیسائی قبائل سے ساز باز کر رہا تھا، اگر صدیق اکبرؓ مرتدین عرب کی طرف ہمہ تن مصروف ہو جاتے اور قیصر کی فوجیں عرب میں داخل ہو جاتیں تو جنگ کا اعلان اول تو ممکن ہی نہ تھا، قیصر کے ساتھ رفتہ رفتہ سب ملحق ہو جاتے اور عرب

کی آزادی کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہوجاتا۔
صدیق اکبرؓ نے سب سے پیشتر شام کی طرف اسی لئے توجہ مبذول فرمائی کہ مرتدین وعرب متنصرہ اور رومی سپاہ کا پیش قدمی سے قطع تعلق کردیا جائے، ردت بجائے خود خطرناک تھی اور اس کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کچھ آسان کام نہ تھا، لیکن اگر مرتدین اور قیصر کا جس کو پہلے ہی عرب میں اقتدار حاصل تھا الحاق ہوجاتا تو ایسی مشکل کا سامنا ہوتا جس کو سلجھانا ناممکن تھا، اسامہؓ کی مراجعت پر صدیق اکبرؓ نے جہاں مرتدین کے مقابلہ کے لئے فوج روانہ کی، ایک لشکر بسرکردگی خالد بن سعید بن العاص شام کی طرف بھیجا تاکہ قیصر کی پیشقدمی کو روکے، اس کا مفصل حال مناسب موقع پر بیان کیا جائے گا۔

ردتِ بحرین

"ردت" کا زیادہ تر زور یمن، حضرموت، بحرین وعمان میں تھا جو عرصہ سے شاہانِ فارس کے زیر اثر تھے، اس میں کچھ شک نہیں کہ بنو کندہ اور آل منذر اپنی سابقہ امیرانہ طاقت جو ان کو شاہان فارس کی نیابت میں حاصل تھی بحال کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگرچہ صدیق اکبرؓ کی توجہ شام پر لگی ہوئی تھی لیکن ان ممالک کی ردت سے بے فکر نہ تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بحرین میں بنی عبدالقیس تو اسلام پر ثابت قدم رہے لیکن بنی بکر وائل مرتد ہوگئے، ان میں سے ایک وفد کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوا، اور کسریٰ نے منذر بن نعمان بن المنذر المخاطب بہ مغرور کو اپنا نائب مقرر کیا اور سات ہزار ایرانی سپاہ کے ساتھ مدد کی، جب منذر بحرین میں داخل ہوا بنی بکر سے تین ہزار آدمی اس کے پاس جمع ہوگئے، بنی عبدالقیس اس وقت چار ہزار آدمی کے قریب اپنے رئیس جارود بن المعلی کے ماتحت مقابلہ میں آئے لیکن شکست کھائی، اور قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے، صدیق اکبرؓ کو بھی واقعات کی اطلاع ملی تو ا

بن حضرمی کو دو ہزار مہاجرین وانصار وتابعین کے ساتھ کمک کے لئے روانہ کیا
جارود بن المعلی ابھی تک قلعہ جواثی میں محصور تھے کہ علاء وقت پر آپہنچے، جارود بھی
قلعہ سے نکل کر دلیرانہ مرتدین پر حملہ آور ہوئے، مخالفین نے بھی مورچے قائم کرکے
اور اپنے گرد ایک خندق کھود رکھی تھی، عرب ہمیشہ کھلے میدانوں میں لڑنا پسند
کرتے تھے اور "خندق" سے واقف نہ تھے، آنحضرتؐ کے عہد میں جب کفار نے مدینہ کا
محاصرہ ڈالا تو آنحضرتؐ نے سلمانؓ فارسی کے مشورہ سے مدینہ کے گرد ایک خندق
کھودی جس کو کفار عبور نہ کر سکے، لیکن آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ یہ نیا پیمانہ
فریب ہے، اہل ردت نے بھی عجمی سپاہ کے مشورہ سے ایک خندق کھود رکھی تھی
جس کو مسلمان ایک ماہ کامل عبور نہ کر سکے۔

ایک رات علاء اپنے خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ مرتدین کے لشکر گاہ کی طرف
سے شور وغل کی آواز سنائی دی، جاسوس خبر لانے کے لئے بھیجے، معلوم ہوا کہ عجمی نشۂ
شراب میں بدمست راگ رنگ میں مشغول ہیں، علاء نے فوراً خاموشی کے ساتھ
حملہ کی تیاری کی، اور چیدہ جانبازوں کے ساتھ خندق کو بسرعت مگر چپکے عبور کیا اور عجمی
بدمستوں کو بے خبری میں آلیا، اتنے میں مسلمانوں کا باقی لشکر بھی آگیا، اور مخالفین کی
لاشوں سے خندق کو بھر دیا، بقیۃ السیف جزیرۂ دارین میں پناہ گزین ہوئے لیکن علاء
نے سرگرمی سے تعاقب کیا اور اس جگہ سخت خونریز لڑائی کے بعد عرب کو عجم سے اور
بحرین کو مرتدین سے پاک کر دیا۔

ردّتِ عمّان

رسول کریمؐ کی وفات کے بعد "ردت" کی تاریخ میں یہ نہایت دلچسپ واقعہ ہے کہ ہر جگہ
کسی نہ کسی شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور عوام کالانعام اس کے ساتھ ہو لئے، چنانچہ
لقیط بن مالک نے بھی دعویٰ نبوت کیا، ایام جاہلیت میں عمان کی حکومت اسی کے
خاندان میں تھی، کچھ عرصہ طوفان بے تمیزی برپا رکھا، حذیفہ بن محصن حمیری اور عرفجہؓ کو

صدیق اکبر نے مقابلہ [illegible] کے لئے روانہ کیا کچھ عرصہ فریقین میں جھڑپ جاری رہی۔ آخر عکرمہ بن ابی جہل بھی آپہنچے اور [illegible] عمان میں ایک فیصلہ کن لڑائی میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

ردّتِ یمن

آنحضرتؐ نے جب کسریٰ پرویز کو دعوت اسلام دی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو چاک کر دیا تو والیِ یمن ملک باذان کو جو سلطنت فارس کا باجگذار تھا لکھا کہ دو شخص آنحضرتؐ کی گرفتاری کے لئے بھیجے۔ دو شخص جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کسریٰ پرویز کے حکم سے جو ملک باذان کے نام صادر ہوا تھا مطلع کیا اور کہا کہ مناسب ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلو اور اگر انکار کرو گے تو نہ تمہارے اور نہ تمہاری قوم اور ملک کے حق میں اچھا ہوگا شہنشاہ فارس عرب کو تباہ کر دے گا۔ آنحضرت نے فرمایا وہ [illegible] کیا ہے کسی کو کیا تباہ کرے گا۔ تم باذان کے پاس واپس جاؤ اور اسے کہو کہ اسلام تمام عالم میں پھیلنے والا ہے اور یہ اس پتھر کی مانند ہے جو اس پر گرے یا جس پر یہ گرے تباہ ہو جائے گا۔ اگر ملک باذان اسلام قبول کرے گا تو یمن کی حکومت بدستور بحال رہے گا۔

گرفتار کرنے والے یمن کی طرف لوٹے اتنے میں شیرویہ شاہ فارس کا فرمان باذان کے نام آیا کہ میں نے پرویز کو قتل کیا اور میں اس وقت شاہ فارس ہوں جس طرح تم [illegible] پیشتر شاہ [illegible] اطاعت کرو باذان نے [illegible] کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] باذان کی تقلید کی اور [illegible] کے ساتھ یمن میں [illegible] باذان مرتے دم تک اسلام پر قائم رہا۔ اس کے انتقال کے بعد رسول کریم نے یمن کی تقسیم فرمائی اور اپنے عامل مقرر فرمائے۔

صنعا پر باذان کے بیٹے "شہر" کو مقرر فرمایا۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا زمانہ قریب تھا ایک شخص اسود نامی نے نبوت کا دعویٰ کیا، تھوڑے عرصہ میں کافی جمعیت فراہم کر لی اور نجران سے عمرو بن حزم اور ملحقہ علاقہ سے خالد بن سعید بن العاص عمال رسول کریمؐ کو بیدخل کر کے صنعاء کی طرف بڑھا، شہر بن باذان نے مقابلہ کیا مگر شہید ہوا، اور اسود نے اس کی بیوی آزاد کے ساتھ نکاح کر لیا، مگر چند روز کے بعد اسی عورت کی سازش کا شکار ہو گیا، اگرچہ اسلام کی اشاعت پھر یمن میں ہونے لگی، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل یمن پھر مرتد ہو گئے۔
اگرچہ "ردت" کے تاریخی واقعات نہایت دلچسپ ہیں لیکن ان کی تفصیل کیلئے دفتر درکار ہیں۔ ہم صرف نتائج پر اکتفا کرتے ہیں۔
قیس بن مکشوح اور عمرو بن معدیکرب نے "ردت" یمن میں بڑا حصہ لیا، اور مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان پہنچایا، متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں ان لوگوں کو کچھ کامیابی ہوئی اس لئے ان کا حوصلہ اور بڑھ گیا، اور خطرناک جمعیت بہم پہنچا کر پیشقدمی کا ارادہ کر رہے تھے کہ صدیق اکبرؓ نے مہاجر بن ابی امیہ کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، راستہ میں مکہ وطائف سے صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل ہو گئی، مہاجر یلغار کرتے ہوئے نجران میں داخل ہوئے، ادھر سے قیس و عمرو مرتدین کا لاؤ لشکر لیکر آ گئے اور مہاجرؓ نے دوسرے دن اپنے آپ کو نجران میں محصور دیکھا، عمرو بن معدیکرب عرب میں ایک مشہور دلیر شہسوار تھا، اس کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مہاجرؓ نے مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کیا، اور تھوڑے عرصہ میں مرتدین کی صفوں کو تہ و بالا کر دیا، قیس و عمرو دونوں زندہ گرفتار ہو کر صدیق اکبرؓ کے سامنے لائے گئے، دونوں نے ردت سے توبہ کی، اور صدیق اکبرؓ نے قبول کر کے یمن کی طرف واپس کر دیا۔
مہاجر نجران سے فارغ ہو کر صنعائی طرف بڑھے اور اس مقام کو بھی مرتدین سے پاک و صاف کر دیا اور عکرمہ بن ابی جہل سے آملے، بحکم صدیق اکبرؓ دونوں سردا

بنوکندہ کی سرکوبی کے لئے بڑھے، لیکن مہاجرؓ کو معلوم ہوا کہ بنوکندہ کو مہلت نہ دینی چاہئے کیونکہ وہاں مرتدین کا خطرناک اجتماع ہو رہا ہے، اس لئے عکرمہ بن ابی جہل کے ماتحت لشکر کو چھوڑ کر کچھ سواروں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے مقام محجر الزرقان پر اشعث بن قیس پر ٹوٹ پڑے جو اس وقت مرتدین کا سپہ سالار تھا، یہ حملہ ایسا دفعۃً اور پُرزور تھا کہ اشعث گھبرا کر بھاگا اور نجیر میں قلعبند ہو گیا، اس اثنا میں عکرمہ رضؓ بھی آ پہنچے، اور ہر طرف سے سختی کے ساتھ محاصرہ ڈال دیا، جب رسد اور کمک محصورین کو کسی طرف سے نہ پہنچی تو مجبور ہو کر اشعث صلح کا خواہاں ہوا، شرط یہ پیش کی کہ اس کی قوم کے نو آدمیوں کو اُن کے اہل و عیال کے ساتھ پناہ دی جائے، مہاجرؓ نے یہ شرط منظور کر لی، اور اشعث نے قلعہ حوالہ کر دیا، قیدیوں کی تعداد کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ اسیران جنگ میں صرف ایک ہزار عورتیں تھیں، اس کے بعد جو اشعث کا خط جس میں اُس نے اپنی قوم کے نو آدمیوں اور اُن کے اہل و عیال کے نام لکھے گئے تھے پڑھا گیا، اس میں اشعث اپنا نام لکھنا بھول گیا تھا اس لئے وہ بھی اسیران جنگ کے ساتھ صدیق اکبرؓ کے سامنے آیا، آپ نے فرمایا کہ تو مرتد ہو گیا اور مسلمانوں کو قتل کیا اس لئے اس کی پاداش میں تو بھی واجب القتل ہے۔ اشعث نے ندامت کے مارے گردن جھکالی اور کہا "اے خلیفۃ الرسولؐ میں توبہ کرتا ہوں میرا اسلام قبول فرمالیجئے"۔ صدیق اکبرؓ نے قبول فرمایا اور کہا کہ "مجھے امید ہے کہ آئندہ نیکی کے سوا تجھ سے اور کوئی فعل سرزد نہ ہوگا"، اس کے بعد اسیران بنوکندہ کو بھی آزاد کر دیا۔

خالد بن ولید ان گیارہ سرداروں میں سے ایک تھے جن کو صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے مقابلے کے واسطے روانہ کیا، خالد بن ولیدؓ جن کو رسول کریمؐ کی طرف سے "سیف اللہ" کا لقب عطا ہوا تھا طلیحہ اور مالک بن نویرہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے۔

طلیحہ ایک کاہن تھا رسول کریمؐ کے زمانہ میں مسلمان ہو کر مرتد ہو گیا، دعویٰ نبوت کیا اور کچھ جمعیت فراہم کر لی۔ آنحضرتؐ نے ضرار بن الازور کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، لیکن پیشتر اس کے کہ ضرار کا مقابلہ طلیحہ سے ہو، رسول کریمؐ نے انتقال فرمایا

اور ضرار مدینہ کو واپس آ گئے، اس عرصہ میں مرتدین زور پکڑ گئے، مرتدین کی وہ پراگندہ
جماعت جس کو صدیق اکبرؓ نے مدینہ کے قریب شکست فاش دی تھی، طلیحہ سے آملے
اس وقت مرتدین عیینہ بن حصن مرتد کے ماتحت خالد کے استقبال کو نکلے، مقام بزاخہ
پر اسلامی ہراول سے جو عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اخرم انصاری کے ماتحت
تھا دوچار ہوئے، دونوں لڑتے ہوئے شہید ہوئے، جب مسلمانوں کو ان کی
شہادت کی اطلاع ہوئی تو انہیں سخت صدمہ ہوا، خالد بن ولید نے انصار پر
ثابت ابن قیس اور قبیلہ طے پر عدی بن حاتم کو مقرر کر کے فوراً میدان جنگ کی طرف
رخ کیا، لڑائی سخت خونریز تھی، عیینہ بن حصن بدحواس طلیحہ کی طرف آیا، دیکھا تو ایک
چادر اوڑھے مراقبہ میں بیٹھا ہے، طلیحہ سے پوچھا کہ کیا اس لڑائی کے متعلق بذریعہ وحی کچھ
معلوم ہوا ہے، جواب دیا نہیں وحی کا منتظر بیٹھا ہوں، عیینہ پھر میدان جنگ کی طرف
لوٹا، انصار جی توڑ کر لڑ رہے تھے، اور مرتدین کے مقابل بازو کو دبائے ہوئے بڑھ
رہے تھے، عیینہ پھر طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا ابھی تک وحی [illegible] نہیں [illegible] جواب
دیا نہیں، عیینہ پھر بڑھا مگر اس وقت تک [illegible] مرتدین [illegible]
بدحواس ہو کر پھر طلیحہ کے پاس آیا اور حسب معمول سوال کیا، طلیحہ نے کہا کہ جبرئیل ابھی
ابھی آیا تھا اور کہہ گیا ہے کہ "وہی ہوگا جو قسمت میں لکھا ہے" عیینہ اس جواب پر جھڑک
اٹھا اور بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے بنی [illegible] یہ شخص کذاب ہے، میں تو جاتا ہوں تم
بھی محفوظ مقام پر چلے جاؤ"، مرتدین [illegible] طلیحہ [illegible]
اپنی بیوی کو لئے ہوئے شام کی طرف [illegible] اسلام ہوا اور فاروق
اعظم کے عہد میں حج کے لئے آیا [illegible]
اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو کر [illegible]
ہو کر مدینہ میں لایا گیا، بازار [illegible] اس کے پیچھے پیچھے ہو [illegible]
کہتے تھے کہ "اے دشمن خدا تو مومن ہونے کے بعد کافر ہوا" عیینہ کہتا تھا کہ میں تو کبھی ایمان
نہیں لایا نہ اب لاؤں گا، صدیق اکبرؓ کے روبرو پیش ہوا تو [illegible] قتل کیا گیا۔

سجاح

رسول کریمؐ کی وفات کے وقت بنی تمیم میں آنحضرتؐ کے عمال حسب ذیل تھے،

(۱) زبرقان بن بدر، بنی عوف اور ابناء میں۔

(۲) قیس بن عاصم مقاعس اور بطون میں۔

(۳) صفوان بن صفوان بنی سعد بن عمرو، بنی عمرو میں۔

(۴) وکیع بن مالک، بنی مالک میں۔

(۵) مالک بن نویرہ حنظلہ میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو قیس بن عاصم مرتد ہو گیا، اور زبرقان اور صفوان کی جماعت صدقات کے ساتھ مدینہ کی طرف جا رہے تھے، ... شکست کی، مالک بن نویرہ کے ہتھیاروں بھول گئے، مسلمانوں اور مرتدین میں لڑائی شروع ہو گئی تو مالک پریشانی کی حالت میں خاموش بیٹھے رہے، اسی اثناء میں قبیلہ تغلب کی ایک عورت سجاح بنت الحرث نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور ایک جمعیت فراہم کر کے مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے خروج کیا، راستہ میں بنی تمیم کی نا چاقی و تفرقہ سے فائدہ اٹھایا، مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر لی، اور بنی تمیم پر حملہ کا مشورہ دیا، اگرچہ سجاح کو اس جگہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا لیکن آخر کار فریقین میں صلح ہو گئی، اور وکیع بن مالک بھی سجاح سے مل گیا، سجاح پھر مدینہ کی طرف بڑھی لیکن راستہ میں مالک اور وکیع دونوں کھسک گئے، اسی اثنا میں سجاح کو مسیلمہ کا دعوت ملا، اس لئے سجاح نے یمامہ کی طرف اپنا رخ کیا۔

اسی اثناء میں خالد بن ولید مرتدین بنی تمیم کی سرکوبی کے لئے آ گیا، چنانچہ مالک بن نویرہ اور اس کے چند رفقا قید ہو کر آئے تو بعض لوگوں نے شہادت دی کہ مالک نے اذان کا جواب اذان سے دیا، لیکن بعض نے کہا کہ اس نے اذان نہیں دی، خالد نے پھر مالک کو ضرار بن الازور کی حراست میں رکھا، رات کے وقت کچھ ہنگامہ

غلط فہمی سے برپا ہوگیا۔ اور مالک اور اُس کے رُفقا تہ تیغ بے دریغ ہوئے۔
ابو قتادہ اور خالد میں اس خونِ ناحق پر گفتگو ہوئی، اور سخت کلامی تک نوبت پہنچی
ابو قتادہ ناراض ہوکر مدینہ میں چلے آئے، اس جگہ اصحاب رسول اللہؐ کو واقعات
سے مطلع کیا، خالد کے برخلاف ہر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا، حضرت عمرؓ کی یہ رائے
تھی کہ خالد کو فوراً معزول کیا جائے اور مالک کا قصاص لیا جائے، صدیق اکبرؓ
نے فرمایا کہ "میں سیف اللہ کو بوقت ضرورت نیام میں نہیں رکھ سکتا، مالک اور
اُس کے رُفقا کا خوں بہا بیت المال سے دیا گیا، اور خالد کو بھی ایک خط تہدید آمیز
لکھا گیا، اور مدینہ میں طلب ہوا، الزامات سے بریت کے بعد مسیلمہ کی سرکوبی کے
لئے حکم ہوا۔

مسیلمہ کذّاب

غالباً "ردّت" کی تاریخ میں مسیلمہ کذاب مرتدین کی فہرست میں اول درجہ پر ہے
یوں تو رسول کریمؐ کی وفات کے قریب اکثر مدعیان نبوت کھڑے ہوئے اور چند سال
کے بعد کس مپرسی کی حالت میں گذر گئے، اسود عنسی مارا گیا طلیحہ بعد میں مسلمان ہوگیا،
لیکن مسیلمہ کذاب نے جتنا نقصان مسلمانوں کو پہنچایا بحیثیت مجموعی کُل مرتدین نے
بھی نہ پہنچایا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب قبائل عرب کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہونے لگے، تو ان میں سے ایک بنو حنیفہ کا بھی وفد تھا، مسیلمہ بن حبیب ان ہی
میں تھا، جب مسیلمہ واپس ہوا اور رسول کریمؐ کی علالت کی خبر مشہور ہوئی تو اُس نے نبوت
کا دعویٰ کیا، اور رسول کریمؐ کی خدمت میں ایک خط اس مضمون کا بھیجا کہ "نبوت میں
ہم دونوں شریک ہیں اور اس لئے نصف زمین قریش کی اور نصف میرا حق ہے، مگر
قریش حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں" رسول اللہؐ نے جواب دیا کہ "بسم اللہ الرحمن
الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب سلام علی من اتبع الھدیٰ

اما بعد فان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کو کئی ایک فتنوں کا سامنا ہوا جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ رہے، اس عرصہ میں مسیلمہ تقویت حاصل کرتا گیا، آخر کار صدیق اکبرؓ نے عکرمہ بن ابی جہل کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر اُس کی طرف آرہا ہے تو سجاح بنت الحرث کو لکھا کہ پہلے بلاد عرب قریش اور ہم میں نصف نصف تقسیم تھے، قریش نے بدعہدی کی، اس لئے اس کا نصف حصہ میں تم کو دیتا ہوں اور اس کے ساتھ قیمتی تحائف بھیجے، اور سجاح کو اپنے ہاں مدعو کیا اور لکھا کہ چونکہ وحی آسمانی آپ پر بھی نازل ہوتی ہے اس لئے میرے واسطے تصدیق کے سوا چارہ نہیں، اس لئے جب میرے رسول شرف باریابی حاصل کریں تو اگر منظور خاطر عاطر ہو تو اُس طرف توجہ فرمائیں، تاکہ کلام الٰہی بسمع رضا و صفا سنو جب مسیلمہ کے ایلچی سجاح کے سامنے آئے اور تحائف پیش کئے تو سجاح نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمہاری تعریف کی ہے کہ" لا النساء یاتون ولا بخمر یشربون" یعنی تم ایسے لوگ ہو نہ عورتوں کے خواہاں ہو اور نہ شراب خوار ہو، اس کے بعد یمامہ کی طرف کوچ کیا، مسیلمہ استقبال کے لئے نکلا اور نہایت عزت و احترام سے اپنے باغ میں جس کا حدیقۃ الرحمن نام رکھا تھا ایک خیمہ کے اندر جگہ دی، باتوں باتوں میں سجاح نے کہا مجھے کچھ وحی کا تازہ کلام سناؤ، مسیلمہ نے کہا" الم ترا فعل ربك الحبلی اخرج منہا نسمیۃ تسعی من بین حشاق" سجاح نے کہا کچھ اور بھی مسیلمہ نے کچھ اور خرافات اور ہذلیات سنائیں جن کا مضمون مرد اور عورت کے اختلاط کے متعلق تھا اور کہا کہ "لا اقسم بھذا البلد لا اشرح ھذا البلد حتی یکون ذا مال فی ولد وفرد وسفرۃ وحیل وعد وعلی زعم من حسد" سجاح نے مسیلمہ کی نبوت کی تصدیق کی، مسیلمہ اشارہ سمجھ گیا اور کہا کہ مجھے بذریعہ وحی پہلے ہی اطلاع ہو چکی ہے کہ تو میرے نکاح میں آئے گی، چنانچہ اسی وقت نکاح پڑھا گیا اور سجاح مسیلمہ کے پاس تین دن رات رہ کر اپنی قوم کی طرف آئی، جب قوم کو اس نکاح کا علم ہوا تو دریافت کیا کہ مہر

کیا مقرر ہوا ہے، کہا چونکہ نکاح عجلت میں ہوا تہا، اس لئے فریقین مہر مقرر کرنا بہول گئے تہے، مہر کے متعلق دوبارہ سلسلہ جنبانی کی گئی تو مسیلمہ نے نماز فجر و عشا کی معافی کے ساتھ یمامہ کی نصف پیداوار کا وعدہ کیا، سجاح اپنے رفقا کو لئے ہوئے واپس آرہی تہی کہ رستہ میں خالد بن ولید دوچار ہوئے، ابہی لڑائی کی نوبت نہ آئی تہی کہ سب بدحواس ہو کر بہاگ گئے، سجاح نے جزیرہ میں اپنی قوم بنی تغلب کے ہاں پناہ لی، (عرصہ دراز تک گوشۂ گمنامی میں رہی امیر معاویہ کے عہد میں مسلمان ہوگئی اور معہ بنی عقفان کوفہ میں رہایش اختیار کی) ۔

عکرمہؓ بن ابی جہل سُرعت کے ساتھ یمامہ کی طرف بڑہے اور باوجود ہدایت صدیق اکبرؓ کمک کا انتظار نہ کیا، حالانکہ خلیفہ نے شرجیلؓ بن حسنہ کو بہی کافی جمعیت کے ساتھ امداد کے لئے روانہ کر دیا تہا، عکرمہؓ نے حریف کی طاقت کا غلط اندازہ کیا اور فوراً بے طرح لڑائی چہیڑ دی اور شکست کہائی، صدیق اکبرؓ کو اطلاع ہوئی تو سخت سرزنش کی اور لکہا کہ "حرب" ایک فن ہے اگر انسان اُس میں ماہر نہ ہو تو مہارت پیدا کرنی چاہیئے، اچہا اب چند روز حذیفہؓ اور عرفجہؓ کے ساتھ مل کر کام کرو، اور مہرہ اور اہل عمان سے لڑو، جب یہاں سے فراغت حاصل ہو تو مہاجر بن ابی امیہ کے ساتھ شامل ہو کر یمن و حضر موت کے مرتدین کی خبر لو، عکرمہؓ بن ابی جہل نے ایسا ہی کیا، اور ثابت کر دیا کہ فن حرب میں خوب ماہر ہے۔

ادہر خالد بن ولید سجاح کی جماعت کو منتشر کرنے کے بعد مسیلمہ کے سر پر آپہنچے مسیلمہ کے عَلَم کے نیچے اُس وقت چالیس ہزار سپاہی موجود تہے علاوہ ازیں سجاح کی باقی ماندہ فوج بہی اُس سے آملی، خالد اور شرجیل کے ماتحت تیرہ ہزار سپاہی تہے، مقدمۃ الجیش پر شرجیل بن حسنہ تہے، اور مسیلمہ کا مقدمۃ الجیش رجال بن عنفوہ تہا، پہلے حملہ میں مسلمان پسپا ہوتے ہوئے خالد بن ولید کے خیمہ تک پہنچ گئے، اس خیمہ میں خالد بن ولید کی بیوی تہی جس کے ساتھ خالد نے مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد نکاح کیا، اس کی خوبصورتی کا نظیر نہ تہا، اس لئے خالد پر یہ بہی الزام تہا

کہ مالک کا قتل دراصل اُس کی خوبصورت بیوی کے باعث ہوا،

خیمہ کے قریب سخت خونریز لڑائی ہوئی اور اکثر مرتدین اُس جگہہ کام آئے، باقی "حدیقۃ الرحمن" کی طرف پسپا ہوئے، اسی حدیقہ میں مسیلمہ موجود تھا مرتدین بدحواس اس میں داخل ہوئے، اور مسلمان بھی ایک جوش میں اُن کے پیچھے تھے، حدیقۃ الرحمن حدیقۃ الموت بن گیا، مسیلمہ یہ حالت دیکھ کر اپنے خیمہ سے نکلا اور اپنے رفقا کے ساتھ شمشیر بکف حملہ کیا اور مسلمانوں کو حدیقہ چھوڑنا پڑا، بلکہ پھر پسپا ہونے لگے مسیلمہ حدیقہ سے باہر نکل کر مرتدین کو اُبھار رہا تھا کہ وحشی غلام نے بھانپا، کمان میں ایک تیر رکھکر اِس زور سے چلہ کھینچا کہ:-

فلک گفت احسن مَلک گفت زہ
قضا گفت گیر و قدر گفت دہ

تیر مسیلمہ کے گلے میں ترازو ہوگیا اور اُسی جگہہ تڑپ تڑپ کر مر گیا ۔ مسیلمہ کے میسرہ پر محکم بن الطفیل لڑ رہا تھا، عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق اکبر رضؓ سے دوچار ہوا عبدالرحمن کی تلوار نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا، ادہر رحال میں عنفوہ زید بن الخطاب حضرت عمر رضؓ کے بھائی کے ہاتھ سے مارا گیا، مرتدین کا لشکر بے سر ہوگیا، اس لئے پاؤں اُکھڑ گئے

جنگ یمامہ کا تاریخ خلافت میں پہلا خونریز جنگ ہے جس کے اہم نتائج پر ہم مناسب موقعہ پر بحث کریں گے، اس جنگ میں اگرچہ مرتدین کے سترہ ہزار آدمی مارے گئے، مگر مسلمانوں کا نقصان بھی ناقابل تلافی تھا، ایک ہزار سے زیادہ مہاجرین وانصار وتابعین شہید ہوئے جن میں سے سات سو سے زیادہ حافظ قرآن تھے

اسیران جنگ جب صدیق اکبر رضؓ کے روبرو آئے تو آپ نے مسیلمہ کے حالات دریافت کئے اور پوچھا کہ اگر کسی شخص کو اُس کا کلام یاد ہو تو سُنائے، جب کلام سنا تو فرمایا "واللہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے"۔

اس کے بعد اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا اور ہدایت کی کہ آیندہ اسلام پر ثابت قدم رہو۔

اگرچہ ہمارے پاس مسیلمہ کے کلام سے خرافات و ہذلیات ہی پہنچی ہیں اور
اور روایت اس طرح ہے کہ اس نے قرآن شریف کے مقابلہ میں اپنا ایک
قرآن بنایا تھا، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اس نے اکثر کاموں میں آنحضرت ؐ
کی تقلید کی، نماز و روزہ فرض ٹھیرایا، اور شراب حرام کردی، اگرچہ وقتاً فوقتاً تکالیف
شرعیہ میں تخفیف کرتا رہا، بات اصل میں یہ ہے کہ حق حق ہی ہے اور کذب کذب
ہی ہے اور باطل کو بقا نہیں، اگرچہ اس نے ایک عمارت تعمیر کی مگر اس کی بنیاد
ریت کے تودہ پر تھی، اس نے دعوی نبوت کیا تو حیرت انگیز کامیابی ہوئی رسول
کریم ؐ پر ابتدا ہی سے مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، آخر جلاوطن ہوئے، عمر کا زیادہ حصہ
تکالیف میں گذرا، اگر مسیلمہ کو ان میں سے ایک مصیبت بھی پیش آتی تو سب دعوے
بھول جاتا مسیلمہ کذاب کا مقابلہ آنحضرت ؐ جیسے عالی رتبہ نبی کے ساتھ کرنا بے ادبی ہے
لیکن ہم اس واقعہ کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس وقت صدیق اکبر رض
نے مسیلمہ کا کلام سنا فرمایا کہ "واللہ یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا" لیکن جب رسول کریم ؐ
سے کلام الٰہی سنا تھا تو فوراً تصدیق کی کہ "یہ خدا کا کلام ہے"۔ رسول کریم ؐ فرمایا کرتے
کہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس کو میں نے دعوت اسلام دی ہو اور وہ متذبذب نہ ہوا ہو لیکن
ابو بکر رض کہ اس نے بلا چون و چرا تسلیم کی" اور یہی وجہ ہے کہ آپ صدیق اکبر رض کے
لقب سے مشہور رہیں، صدیق اکبر رض کے قلب میں قدرت نے ایسی طاقت ودیعت
کی تھی کہ آپ فوراً حق و باطل میں تمیز کر سکتے تھے، اگرچہ فاروق اعظم رض کی شخصیت
نے حق و باطل میں نمایاں فرق پیدا کر دیا، لیکن حق و باطل میں امتیاز سب سے پہلے
صدیق اکبر رض کے قلب سلیم نے کیا، آنحضرت ؐ کے دعوی نبوت سے پیشتر ہی وہ بت پرستی
سے بیزار تھے، اگرچہ ورقہ بن نوفل اور عثمان بن الحویرث اور عبیداللہ بن جحش بت پرستی
سے بیزاری ظاہر کرتے تھے اور آخر کار مسیحی دین قبول کیا، مگر صدیق اکبر رض کے قلب کو یہ
دین بھی کشش نہ کر سکا، اس وقت کلیسائے مسیحی کی بدعتیں بت پرستی سے کچھ کم نہ تھیں
مسیلمہ کذاب کا کلام جو ہم تک پہنچا ہے محض ہزلیات ہیں لیکن واقعات کے رو

سے ہم یقین نہیں کر سکتے کہ ان ہی ہزلیات نے ایک لاکھ کے قریب لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا، اور نہ صرف اس کی امارت کو قبول کیا بلکہ اس کے علم کے نیچے مرنے مارنے پر مستعد تھے، بات اصل میں یہ ہے کہ مسیلمہ کا کلام خواہ کیسا ہی فصیح و بلیغ تصور کیا جائے وہ انسانی کلام ہی تھا، لیکن ہر ایک شخص انسانی اور الٰہی کلام میں امتیاز پیدا نہیں کر سکتا، ہر ایک دل صداقت کو فوراً نہیں پا سکتا، اس کے لئے تزکیۂ نفس و تصفیہ قلب کی ضرورت ہے تاکہ خواہشات نفسانی "متابعت ظن" پر مائل نہ کریں، جو انسان کو شک و شبہ میں ڈالتا ہے اور جس سے قلب مکدر ہو جاتا ہے اور حقائق کا صحیح علم حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا، حق و باطل میں امتیاز علم ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ "لا ریب فیہ" یعنی معلوم اس طرح متمیز اور منکشف ہو جائے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے، قرآن شریف کا نام ہی علم ہے اور کتاب کی صورت میں ہے اور اسی لئے اس کی یہی تعریف ہے کہ "لا ریب فیہ"۔ لیکن کسی کا قلب صدیق اکبرؓ کا سا ہو جو سن کر کہہ اٹھے کہ "واللہ یہ کلام الٰہی ہے"، اور جب مسیلمہ جیسے مدعیان نبوت کا کلام سنے تو فوراً کہہ دے "واللہ یہ خدا کا کلام نہیں، یہ تو ایک شاعر کے تخیلات ہیں"۔

یہ امر کہ قرآن "علم" ہے اور "لا ریب فیہ" اس کی تعریف ہے کہ "متقی" ہی سمجھ سکتے ہیں "ہدایت" کے لئے لازمی امر ہے کہ "اتقا" مقدم ہو، صدیق اکبرؓ کی سیرت کا صحیح تصور اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ اسلام لانے سے پیشتر بھی متقی تھے، ایام جاہلیت میں آپ کی صلہ رحمی، مہمان نوازی، عدل، حمایت حق، کریمانہ خلق، فیاضانہ سلوک مشہور تھے، یہ تو نیک اعمال ہیں جن سے نیک دلی کا پتہ ملتا ہے جن سے خصائل حسنہ کی شناخت ہوتی ہے، لیکن اتقا جو علم کی طرف رہنمائی کرتا ہے ایسی ہی شخصیت کا حصہ ہے جس کے وجود میں نیک دل ہو اور جن کے اعمال نیک ہوں۔

اسلام۔ جزیہ۔ سیف

اوصیکم بتقوی اللہ واوصی اللہ بکم واستخلفہ علیکم واودعکم اللہ انی

لکم نذیر و بشیر الا تعلوا علی اللہ فی بلادہ و عبادہ فانہ قال لی ولکم تلک الدار الآخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین وقال الیس فی جہنم مثوی للمتکبرین" (وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) من قتل معاھدا لم یرح رائحۃ الجنۃ (عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص معاہد کو قتل کرے گا بہشت کی بُو تک نہ سونگھے گا)

حفاظت جان و مال کے لئے، فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لئے اور امن قائم کرنے کے لئے جنگ کرنا اور بات ہے اور ہوس ملک گیری کے لئے خونریزی اور شے ہے، جب تک دنیا میں قومیں "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کا دم بھرتی ہیں اور بھرتی رہیں گی جنگ و جدل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، جبتک تمام دنیا آنحضرتؐ کی معرکۃ الآرا تقریر کا (جو آپ نے حجۃ الوداع کی تقریب پر فرمائی) مفہوم نہ سمجھ لے، اور اس پر کاربند نہ ہو خوں ریزی جاری رہے گی، جب تک لوگ آنحضرتؐ کی وصیت پر کہ "ملک خدا میں اور خدا کے بندوں پر برتری نہ ڈھونڈھو" عمل نہ کرے گی دنیا ہمیشہ بادیۂ ضلالت میں سرگرداں رہے گی، یعنی جب تک لوگوں کا ایمان ایک خدا پر نہ ہو گا اور یہ یقین نہ ہو گا کہ ہم سب خدا کے بندے ہیں اور سب بنی آدم ہیں، آپس میں بھائی بھائی ہیں، عرب کو عجم پر کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کچھ فوقیت نہیں، اور معیار عزت صرف "تقویٰ" ہے تب تک دنیا میں حقیقی اور دوامی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

ہجرت، غزوات، ردت، کی تاریخ میں ہم نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ اور صحابہ کو وطن میں ہر ایک تکلیف پہنچی، وطن چھوڑنا پڑا، غریب الوطنی میں بھی مخالفین نے پیچھا نہ چھوڑا، مرتا کیا نہ کرتا، مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، جب آنحضرتؐ عمرہ کے لئے مکہ کی طرف تشریف لیگئے، کفار مکہ نے مزاحمت کی، فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، ہمیشہ لڑائی پر آمادہ نظر آتے ہیں، جب کفار و مشرکین کی کوشش انتہا درجہ کو پہنچگئیں اُس وقت" وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (یعنی تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں)، کا حکم ہوا، بروئے قرآن جنگ کی اجازت

صرف ایسی حالت میں ہے، انتقام اگرچہ مشروع ہے مگر اُس کی مذمت میں کچھ کلام نہیں، ایک دفعہ رسول کریم ؐ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا "کیا میں تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں جو اس سے بہتر ہو کہ تم ایک دوسرے کا گلا کاٹو" صحابہ نے عرض کی کہ فرمائیے، فرمایا کہ "اللہ کی یاد" یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ہمیں جنگ و جدل سے باز رکھ سکتا ہے، دنیا میں اللہ کی مخلوق آباد ہے اور کسی شخص کا حق نہیں کہ کسی کو قتل کرے۔ آنحضرت ؐ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کو عبداللہ و عبدالرحمٰن اور ایسے نام پسند ہیں، ایام جاہلیت میں لوگ ایسے نام پسند کرتے تھے جن کا مفہوم دلاوری، تہور، خوں خواری ہو، آنحضرت ؐ نے اکثر صحابہ کے نام بدل دیئے، حضرت علی رضؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، تو دریافت کیا کہ کیا نام رکھا ہے، کہا کہ "حرب" فرمایا کیسا بُرا نام ہے "حسنؓ نام رکھو"

آنحضرت ؐ کو جنگ اور خونریزی سے نفرت تھی، لیکن جیسا کہ ہم ہجرت و غزوات کے تحت لکھ چکے ہیں آنحضرت ؐ کو مجبوراً لڑنا پڑا، آنحضرت ؐ کی آخری وصیت یہی تھی کہ "ملک میں خدا اور خدا کے بندوں پر برتری نہ ڈھونڈھو" آنحضرت ؐ کفار و مشرکین و اہل کتاب کا غلبہ مسلمانوں پر ایسا ہی ناپسند فرماتے تھے جیسا کہ مسلمانوں کا غلبہ اُن پر، ایک قوم کا غلبہ دوسری قوم پر حریت و مساوات کے منافی ہے جب تک کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے لئے حکومت جائز ہے مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔

مسلمانوں سے تو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم پر کاربند ہوں گے لیکن غیر مسلم اقوام کو کون مجبور کر سکتا ہے، آنحضرت ؐ اور خلفاء راشدین کے عہد میں ہمیں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکے کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد شخصی حکومتیں قائم ہوئیں اگرچہ خلفاء بنو امیہ و عباسیہ و فاطمیہ غیر مسلم حکمرانوں سے بہتر تھے، مگر خلفاء راشدین کو نہیں پہنچ سکتے، اگر ایسی شخصی حکومتوں کا دَور دورہ میں کسی حکمران یا والی نے ایسا کام کیا ہو تو صریحاً اسلام کے مخالف ہے اور قابل ملامت ہے، یہ نہایت ناواجب بات ہے کہ ہم اُن کے افعال قبیحہ کو حمیدہ

سمجھیں، لیکن ان حکومتوں میں بھی ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے اس امر کی تائید ہو کہ "دین میں جبر و اکراہ ہے" بہر حال خواہ مسلمان حکمرانوں کی مثال غیر مسلم اقوام کے بادشاہوں میں نہیں ملتی تاہم اُن کا ہر ایک فعل جو خلاف اسلام ہو قابل ندامت ہے۔ شخصی حکومتوں کے بعض حکمرانوں اور والیان کے کارناموں میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی شخص شودر نہیں رہ سکتا اور کوئی شخص محکوم نہیں کہلا سکتا، ایک دفعہ عامل مصر نے عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ لوگ جوق جوق اسلام قبول کر رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ 'جزیہ' سے بچنا چاہتے ہیں، اگر ارشاد ہو تو اُن کا امتحان ختنہ سے کروں" عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ "تم بخت اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو جزیہ وصول کرنے اور لوگوں کو مختون بنانے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا، اگر آیندہ اس قسم کا بیہودہ مشورہ دیا تو ایسے شخص کو تیرے سر پر بھیجوں گا جو تیرے حواس خمسہ درست کر دے"

اسلام، جزیہ، تلوار پر مخالفین اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے، ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے، قرآن کریم سے واضح ہوتا ہے کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں، اس لیے جزیہ اور تلوار کا مفہوم بہ تعلق دین کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں ہو سکتا، لیکن حکومت کے ساتھ ان کا رشتہ مضبوط ہے، اور جب تک حکومتیں قائم ہیں جزیہ اور تلوار کی شکایت عبث ہے، لیکن ہم بجائے اس کے کہ جزیہ اور تلوار پر بحث کریں واقعات کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور سب سے پیشتر جنگ کے متعلق احکام الٰہی اور ان ہدایات کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو خلفا نے احکام الٰہی سے اخذ کرتے ہوئے سپہ سالاروں کے نام صادر کیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ جنگ صرف مدافعت کے لئے جائز ہے جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے[1]

(1) ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ولكن الله ذو فضل

علی الغلمین" (۳ - ۱۴)

دورانِ جنگ میں حکم ہے کہ جو شخص لڑے اُس سے لڑو اور اُس پر زیادتی نہ کرو جب ہتیار رکھ دے تم بھی رک جاؤ، جنگ کے خاتمہ پر اسیرانِ جنگ کو کسی حالت میں قید غلامی میں نہ رکھو، یا تو بذریعہ تبادلہ اسیرانِ جنگ یا کچھ روپیہ لیکر یا احسان رکھ کر اور زادِ راہ دے کر آزاد کرو تاکہ راستہ میں فاقہ کشی سے نہ مریں اور اپنے اپنے گھروں تک صحیح و سلامت پہنچ جائیں ۔

"فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا" (محمد)	اور جب ملاقات کرو تم اُن لوگوں کی کہ کافر ہوئے ہیں مارو گردنیں اُنکی یہاں تلک کہ جب چور کر دو انکو پس محکم کرو قید کرنا پیچھا یا احسان کیجو پیچھے اُس کے یا بدلہ لیجو یہاں تک کہ رکھدے لڑائی بوجھ اپنے ۔

"ذٰلِکَ" یہ حکم الٰہی ہے اور اس کی تعمیل ہر طرح فرض ہے ۔

غلامی اسلام کے محدثات سے نہیں ہے البعثت سے پیشتر تمام مہذب دنیا غلاموں سے بھری ہوئی تھی۔ "اسلام" جو حریت اور مساوات کا معلم ہے کب غلامی کو جائز قرار دے سکتا تھا، عموماً یہ اعتراض اسلام پر کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے غلامی کی بالکل بیخ کنی نہیں کی، یہ اعتراض انہیں لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو مصلحت عامہ کو نظرانداز کرتے ہیں" ہربرٹ سپنسر کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "دنیا میں سب سے بڑا مصلح وہی ہے جو اصلاح کا سنگِ بنیاد رکھ جاتا ہے جس پر آیندہ نسلیں عالی شان عمارت تعمیر کرتی ہیں جو مصلحان یہ چاہتے ہیں کہ فوراً ہر ایک خرابی کی بیخ کنی کریں وہ نادانی سے ایک خرابی کے عوض ہزار ہا معاشرتی اقتصادی اور سیاسی خرابیوں کا باعث ہوتے ہیں" اس لئے اصلاح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اعتدال ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے، ذرائع اور وسائل بھی افراط و تفریط کی حد تک نہ پہنچیں اور اصلاح بھی اعتدال پر قائم رہنی چاہیئے، یہ امر قانونِ قدرت

کے سخت مخالف ہے کہ کوئی کام خواہ وہ کیسا ہی اصلاح کا ہو آج ہی شروع کیا جائے اور آج ہی حد تکمیل تک پہنچ جائے "دیر آید درست آید" بالکل صحیح مقولہ ہے، اور آنحضرت صلعم ہمیشہ تعجیل کی ممانعت فرمایا کرتے تھے کہ تعجیل کار شیاطین بود" قرآن شریف میں بھی اس کی مذمت ہے " بل تحبون العاجلة" انسان کچھ ایسا جلد باز واقع ہوا ہے کہ ہر ایک شخص کی بتقاضا بشریت یہی خواہش ہے کہ جو کچھ ہونا ہے آج ہی ہو جائے، غلامی جو یونان و روم و ایران و ہندوستان میں قدیم الایام سے رائج تھی، اور کوئی مہذب و متمدن قوم غلاموں کے بغیر زندہ نہ رہ سکتی تھی جس کے برخلاف انبیاء سابقین نے بھی اشارۃً کچھ نہ کہا جس کی باقاعدہ تجارت تمام دنیا میں ہوتی تھی اگر یک لخت موقوف کر دی جاتی تو کچھ شک نہیں کہ ہزارہا خرابیوں کا باعث ہوتی، آیت محولہ بالا کے رو سے کوئی اسیر جنگ قید غلامی میں نہیں رہ سکتا تاریخ عالم کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا سب سے بڑا ماخذ یہی جنگ تھا، اس آیت نے غلامی کی جڑ کاٹ دی، اگر قومیں سمجھیں تو جنگ و جدل سے بھی دست بردار ہو جائیں کیونکہ جو کچھ فائدہ جنگ سے اٹھانا چاہتے ہیں وہ "اسلام" نے ناجائز قرار دیا ہے، ملک خدا اور بندگان خدا میں برتری کا دعوی جس کی ممانعت رسول کریم کی آخری وصیت ہے اسی جنگ کی بنیاد ہے، قرآن شریف سے نہ تو جنگ کا جواز ثابت ہوتا ہے نہ غلامی کا، بلکہ دونوں کے خلاف احکام موجود ہیں، یہ سچ ہے کہ جس طرح غلامی یک لخت موقوف نہیں ہو سکتی تھی، اسی طرح جنگ کا بھی دنیا میں یک لخت خاتمہ نہیں ہو سکتا تھا، اگر قرآن میں کوئی ایسی نص ہوتی جس کے رو سے جنگ قطعاً ممنوع ہوتی تو اس کا کیا نتیجہ ہوتا، اگر صدیق اکبرؓ ایسی آیت سنتے تو بلا اٹھتے کہ "واللہ یہ خدا کا کلام نہیں"۔

جنگ اور غلامی قومی غلبہ یعنی حکومتوں سے وابستہ ہیں، اس لئے جنگ اور غلامی اور حکومت لازم و ملزوم ہیں، حکومت کے تصور کی بغیر جنگ اور غلامی کے تصدیق نہیں ہوتی، ان میں سے اگر ایک ہے تو دوسرا لازمی نتیجہ ہے، جو اشخاص آنحضرتؐ

پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے غلامی کی بیخ کنی نہ کی، اور قرآن میں کوئی نص
ایسی نہیں ہے جس کی رُو سے غلامی یک لخت موقوف ہو جاتی وہ اُن اسباب کی
طرف سے چشم پوشی کرتے ہیں جو جنگ اور حکومت کی صورت میں غلامی کا سرچشمہ
ہیں، دنیا میں کوئی طاقت اگر ان کی بیخ کنی کر سکتی تو غلامی خود بخود معدوم ہو جاتی لیکن
یہ کل امر مرھون باوقاتھا۔

دنیا میں سب سے پہلی آواز غلامی کے برخلاف آنحضرتؐ کے قلب سلیم سے نکلی
اور آپ فاما منا بعد و اما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا، ذلک نے جنگ
اور غلامی کے تعلقات کو جو قدیم الایام سے مضبوط رشتہ میں جکڑے ہوئے تھے،
قطع کر دیا۔

آنحضرتؐ نے دنیا میں فی الحقیقت ایسی جابر حکومت قائم نہیں کی جس کا تعلق
جنگ اور غلامی سے ہم واضح بیان کر چکے ہیں بلکہ ایک "امت" بنائی جس کی ہستی قائم
رکھنے کے لئے خلافت کی ضرورت حالات مذکورہ بالا میں لازمی ہے، اس امت
کی یہ تعریف ہے۔"

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر
وتؤمنون باللہ" (یعنی لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں اُن میں
سے تم سب سے بہتر ہو اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے
ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی "امت" کے ایک ممتاز فرد کا تذکرہ ہم لکھ رہے ہیں، امتیں دنیا میں بے شمار
ہیں لیکن جو کچھ دنیا کی امتوں کا مفہوم ہے وہ اسلامی امت کا نہیں ہے، دنیا کی
امتیں ایسی احساس سے بنتی ہیں جو اسلامی امت میں نہیں ہے، اس میں صرف حریت
و مساوات کا احساس ہے اس میں قومی منافرت اور نسلی مغایرت اور شعب و قبائل
کی تقسیم اعلیٰ و ادنیٰ اور کسی قسم کے دنیوی نفع و نقصان کا احساس نہیں ہے، دنیا میں کوئی
قوم ایسی نہیں جو اپنے آپ کو اللہ نہیں کہتی اور اعلیٰ اسی لئے کہتی ہے کہ انہوں نے بندگان

خدا کو ادنیٰ بنا رکھا ہے، وہ ملک خدا اور بندگان خدا میں برتری کے مدعی ہیں مسلمان اس لئے بہتر امت نہیں ہیں اور نہ آن کی برتری کا یہ مفہوم ہے، بلکہ یہ آیت ہے:-

"انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ و جعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر"ہ

"اگرچہ شعوب و قبائل کی تقسیم بغرض معرفت و شناخت قدرتی ہے، اگرچہ عورت اور مرد "نفس واحدہ" سے پیدا ہوئے ہیں لیکن تقسیم ان میں بھی قدرتی ہے لیکن اس قدرتی تقسیم کا ناجائز فائدہ حضرت انسان نے کیا کچھ نہیں اٹھایا، انہی ناجائز فوائد کے برخلاف اسلام نے جہاد کیا، اور ایسی امت پیدا کی جو بہترین امم ہے، جو لوگوں کو افراط و تفریط سے منع کرتی ہے اور اعتدال کا حکم دیتی ہے"

یہ اعتراض جو آج فی الحقیقت اسلام پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہوتے ہیں اور ایک حد تک بجا ہیں اسی "امت" اور بہترین امم کے پیدا کردہ دل و دماغ سے نکلتے ہیں ورنہ بعثت سے پیشتر نہ یہ دل تھا نہ دماغ، اور سچ تو یہ ہے کہ اعتراض بھی مسلمانوں پر ہونا چاہئے کیونکہ یہی اصلاح کے مدعی ہیں، دیگر امم پر کیوں اعتراض کرے جن کی خرابیوں کی اصلاح کر رہا ہے، یہ بھی مبارک فال ہے کہ خرابیوں کی اصلاح کا احساس پیدا ہو رہا ہے اگرچہ اعتراض کی صورت میں اور وہ بھی اسلام پر جو معلم ہے۔

کس نیاموخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

ابھی تک قومی منافرت و مغایرت کا روح ان لوگوں میں بول رہا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد شخصی مطلق العنان حکومتوں نے غلامی کو اسی طرح رواج دیا جس طرح غیر مسلم اقوام میں رائج تھا، لیکن پھر بھی یہ لوگ مسلمان تھے غلاموں کو نہ صرف آزاد کرنے کے لئے جو بروے قرآن اور احادیث اور سنت رسول و صحابہ اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے بلکہ بادشاہ بنانے کے لئے خرید کرتے رہے، کیا کوئی قوم ایسی غلامی کی نظیر پیش کر سکتی ہے، ہندوستان کی تاریخ میں امیر سبکتگین جو ایک غلام تھا اور سلطان محمود غزنوی جو اسی غلام کا بیٹا تھا اور خاندان غلامان کے حالات مفصل لکھے ہیں لیکن

خلفاء عباسیہ اور فاطمیہ کی نسبت اور مصر کے مملوک خاندان کے متعلق یہ علم صرف اُن لوگوں کو ہوگا جو اُن کے حالات سے واقف ہیں کہ یہ سب کنیزک زادگان اور غلام اور غلاموں کی اولاد تھے' ایسی غلامی کی ہوس ہر ایک زمانہ میں ہر ایک آزاد شخص کرتا رہا ہے، بہر حال اسلام کسی خاص قوم کا ورثہ نہیں ہر ایک شخص اسے قبول کرسکتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرسکتا ہے، اگر مسلمانوں سے ایک کام نہیں ہوسکا اور کسی غیر مسلم قوم نے کر دکھایا تو اسلام کا منشا بہر حال پورا ہوگیا؛

"چشمِ ماروشن دل ماشاد"

جنگ اور غلامی اور حکومت کے تعلقات واضح بیان کرنے کے بعد ہم ان احکام الٰہی کی طرف توجہ دلاتے ہیں جن سے معاملات بین الاقوامی خوش اسلوبی سے طے ہوسکتے ہیں؛

(۱) "ان اللہ یأمرکم بالعدل والاحسان" — اللہ تم کو عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے؛

(۲) "ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون" — کسی قوم کی عداوت تم کو اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم اُن سے بے انصافی کرو، عدل کرو یہی طریق تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے تقویٰ کرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے عملوں کو خوب جانتا ہے؛

ہجرت اور غزوات کے تحت ہم نے چند آیات کا حوالہ دیا ہے، محولہ بالا کو ان سے ملا کر پڑھنا چاہیے؛ آیات محولہ بالا پر کسی حاشیہ کی ضرورت نہیں، تین الفاظ عدل۔ اور احسان اور تقویٰ" مسلمان مومنین کا طغرائے امتیاز ہے، اور یہی اصل اصول ہے، جو قومی منافرت و مغایرت اور عداوت کی بیخ کنی کرسکتا ہے اور اسی پر کل قوانین بین الاقوامی منضبط ہوئے ہیں اور کل ہدایات کا یہی ماخذ ہے جو خلفاء وقتاً فوقتاً صادر کرتے رہے؛

مسلمان مومنین کا مقابلہ کفار و مشرکین و اہل کتاب سے رہا ہے' اور بلحاظ مذہب

نوعِ انسان کی تقسیم اسی طرح ہو سکتی ہے، ان کے درجات میں تفاوت ہے اور (ہماری رائے میں) ان کے متعلق احکام بھی مختلف ہیں۔

"یہ تو ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں، اس لئے ان احکام سے کسی قسم کا جبرو اکراہ دین کے متعلق اخذ کرنا غلط فہمی پیدا کرنا ہے، یہ احکام صرف اُن تعلقات کے متعلق ہیں جو خلافت اور غیر مسلم اقوام کے درمیان ہیں جو خلافت کے زیر سایہ رہنا چاہیں، خلافت کا اصل اصول ہم بیان کر چکے ہیں، کہ یہ آسمانی بادشاہت ہے، زمین بھی خدا کی اور بندے بھی خدا کے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کی بے شمار آیات سے واضح ہوتا ہے، اس آسمانی بادشاہت کا انکار کفر ہے، اور اس کے ساتھ اور بادشاہوں کو شریک بنانا "شرک" ہے، اہل کتاب اس کفر و شرک سے بری ہیں،

اب سوال یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین یا اہل کتاب مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات، قائم رکھنا چاہیں یا لڑائی پر آمادہ ہوں اور لڑائی کے بعد مغلوب ہوں تو اُن سے کس قسم کا سلوک کرنا چاہئیے؟ اس کا جواب یہ ہے:-

(۱) "الا الذین عاهدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاهروا علیکم احدا فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم ان الله یحب المتقین"

(۲) "اوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا"

لیکن جو قسمیں کھا کھا کر عہد صلح و امن باندھتے ہیں اور بار بار توڑتے ہیں اُن کی نسبت بھی حکم ہے کہ:

(۳) "فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون"

جو لوگ لڑائی پر آمادہ ہوں اور لڑیں اُن سے لڑنا چاہئیے اور جب مغلوب ہوں تو آیہ "فاذا لقیتم" الخ الآیہ موجود ہے، اور ہر ایک امر میں عدل و احسان و تقویٰ کو مدنظر رکھنا الٰہی حکم ہے۔

جب کفار و مشرکین دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے لئے صلح و امن کا عہد باندھیں

تو مسلمانوں کو عہد باندھنا چاہیئے اور ایفاء عہد بھی اُس مدت تک کرنا چاہیئے جس مدت تک کفار و مشرکین نباہ سکیں اور اگر وہ اپنے عہد کو بار بار توڑیں اور لڑائی کریں تو ان سے لڑنا چاہیئے اور جب اُن کا زور ٹوٹ جائے اور وہ ہتھیار رکھ دیں تو اسیران جنگ کو احسان رکھ کر یا تاوان جنگ یا تاوان لے کر آزاد کرنا چاہیئے اگرچہ اُن کو مذہبی آزادی حاصل ہے، اور اُن کے ملکی اور قانونی حقوق بھی محفوظ ہیں لیکن ایسے مفسدین کی ریاست کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا جو اُن کو بار بار نقض عہد اور جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ صرف یہی رعایت ہے کہ اُن کو کامل مذہبی آزادی حاصل ہے:۔

"قل یاایھا الکفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین"

اے پیغمبر ان منکروں کو کہہ دو کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو میں نہیں پوجنے کا اور جس معبود واحد کو میں پوجتا ہوں تم پوجتے معلوم نہیں ہوتے، اور نہ ہی میں تمہارے معبودوں کو پوجوں گا، اور نہ تم میرے معبود کو پوجتے نظر آتے ہو۔ نتیجہ یہ کہ تمہارے لئے تمہاری راہ اور میرے لئے میری راہ۔

سورۂ الانفال والتوبہ کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے، ایسے مفسدین کی ریاست اور سیادت کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا، ان سے کوئی عہد نہیں باندھنا چاہیئے اور اُن سے جب تک وہ مغلوب نہ ہوں اور فتنہ کا استیصال قرار واقعی نہ ہو جائے جنگ کرنا چاہیئے۔ "والفتنة اشد من القتل"

یہ تمام آیات کفار و مشرکین کے بارے میں ہیں، لیکن اہل کتاب کے متعلق کوئی آیت در بارۂ جنگ نہیں ہے، البتہ اہل کتاب میں سے خاص خاص فرقوں کو کفار و مشرکین کی مثل بیان کیا گیا ہے۔

"قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتیٰ یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون ۔ وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ ذلک

قولهم بافواههم یضاهئون قول الذین کفروا من قبل قاتلهم الله انّٰی یؤفکون
اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسیح ابن مریم وما اُمروا
الا لیعبدوا الٰها واحدا لا الٰه الا هو سبحٰنه عما یشرکون یریدون ان یُطفئوا
نور الله بافواههم ویأبی الله الا ان یتم نوره ولو کره الکٰفرون هو الذی
ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه ولو کره المشرکون (۱۰-۱۱)

" لڑو اُن سے جو نہ خدا اور نہ روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ اللہ اور اُس کے
رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھتے ہیں، اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہیں،
ان میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ مغلوب ہو کر ایک ہاتھ سے
جزیہ دیں، اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح
اللہ کے بیٹے ہیں یہ اُن کی مُنہ کی بکواس ہے۔ لگے اُن ہی کافروں کی سی باتیں
بنانے جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، خدا ان کو غارت کرے کدھر کو بہکے جاتے
ہیں، ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مشائخوں اور مسیح ابن مریم کو خدا بنا
کھڑا کیا، حالانکہ ان کو بذریعہ توریت و انجیل، یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت
کرتے رہنا اُس کے سوا کوئی اور خدا نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے، چاہتے
ہیں کہ خدا کے نور کو مُنہ سے بجھا دیں اور خدا کو یہ منظور ہے کہ ہر طرح پر اپنے نور کو پورا
کر کے رہے، اگرچہ کافروں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے، وہی خدا، جس نے اپنے رسول محمدؐ
کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگر
مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے"۔ علماء اسلام کا شروع آیت کی تفسیر میں اختلاف
ہے، بعض کہتے ہیں کہ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما
حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق محض کفار و مشرکین کے بارے میں ہے
اور (قاتلوا) من الذین اوتوا الکتٰب اہل کتاب میں سے اُن فرقوں کے بارہ میں ہے
جو عزیرؑ اور مسیحؑ کو خدا کے بیٹے کہتے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جب سرحد شام پر
آنحضرتؐ کے قاصد مارے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ جو قاصدوں کی

حرمت کا پاس نہیں کرتے، اور مفسد اور فتنہ پرداز ہیں اگرچہ اہل کتاب ہیں اور ان کو نور ہدایت بذریعہ توریت و انجیل و صحف انبیا پہنچ چکا ہے، مگر وہ اپنے اعمال ناشائستہ سے ثابت کر رہے ہیں کہ نہ اُن کو اللہ پر ایمان ہے اور نہ روز آخرت پر یقین ہے، اس لئے چونکہ باز پرس اور پرسش کرنے والے کا یقین نہیں ناروا کام کرتے ہیں ایسے لوگوں کے اعمال ناشائستہ کی یہ سزا ہے کہ وہ بھی ذلیل کئے جائیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہؐ کے قاصدوں کو قتل کر کے تحقیر کی ہے، حالانکہ ان کا قتل کسی طرح روا نہ تھا، قتل انسان بلا وجہ معقول تو یوں بھی حرام ہے قاصدوں کی حرمت تو مسلم ہے۔

عموماً علماء اسلام نے "صَاغِرُون" کی تفسیر یہ کی ہے کہ "ایسے لوگ چونکہ ذمہ دار حکومت کے اہل نہیں اس لئے اُن کو ایسی حکومت اور قانون کے تابع رکھنا چاہیے جس کے سایۂ عاطفت میں اُن میں احساس ذمہ داری پیدا ہو، چنانچہ مسلمانوں کو ان کے سر پر ایک کنٹنجنٹ فوج رکھنی پڑی جو اُن کے جان و مال کی حفاظت بھی کرتی تھی اور ان کو ایسی شرارت کا موقع نہ ملتا تھا، اس طرح فتنہ و فساد کا استیصال قرار واقعی ہو گیا، اس کنٹنجنٹ فوج کے اخراجات یہی لوگ برداشت کرتے تھے جس کو اصطلاح میں "جزیہ" اور ان لوگوں کو "ذمی" کہتے ہیں، خلفا کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ وہ "ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہمیشہ ہدایات صادر کرتے رہے اور اُن کی بہتری اور بہبودی کی ذمہ داری کو ایسا بوجھ سمجھتے تھے جس کے متحمل خلفاء راشدین ہی ہو سکتے تھے، جزیہ نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا اور بقایا ہمیشہ معاف کیا جاتا، کیونکہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا کہ ذمی ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ دوران جنگ میں جبکہ کنٹنجنٹ فوج کو بھی لڑائی میں مصروف رہنا پڑتا۔ جزیہ کی رقم وصول شدہ ذمیوں کو واپس دی جاتی، کیونکہ ایسی حالت میں اُن کی حفاظت جان و مال کے لئے فوج نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ ان ذمہ داریوں کی شدت احساس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کی آخری وصیت

یہ تھی کہ "ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھو"۔

"جزیہ" پر علماء اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے اور بہت اچھا لکھا ہے لفظ جزیہ خواہ "جزا" سے مشتق ہو یا "گزیت" سے مسلمانوں نے اُسے رومیوں سے سیکھا ہو یا اہل فارس سے، یہ قدیم الایام سے رائج ہو، یا اہل اسلام کے محدثات ہو ہم ان امور پر بحث نہیں کرتے، مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ اگر آیات محولہ بالا اہل کتاب کے بارے میں ہیں تو یہ رعایت اور خاص رعایت اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے متعلق ہے جو اگرچہ اپنے اعمال ناشائستہ کے باعث کفار و مشرکین کی مثل ہیں، مگر پھر بھی اہل کتاب ہیں اُن کے پاس نور و ہدایت موجود ہے ضرورت صرف اتنی ہے کہ اُن کو اس نور و ہدایت کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ نیک بندے بن اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال کریں، وہ اہل کتاب جن کے اعمال مشرکین و کفار کی طرح نہیں ہیں مسلمان ہیں اور ان سے جنگ کے متعلق ایک بھی آیت قرآن میں نہیں ہے، بلکہ جابجا اُن کی تعریف کی گئی ہے۔

ذمیوں کے ساتھ خاص رعایت ہے کہ اُن کی ریاست میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی گئی، صرف ان کی تادیب مد نظر ہے تاکہ راہ راست پر آجائیں لیکن کفار و مشرکین جن کے پاس کوئی کتاب ایسی نہیں جو نور و ہدایت ہو جو بادیہ ضلالت میں سرگرداں ہیں رعایت کے مستحق نہیں اُنہیں کامل مذہبی آزادی اور دیگر حقوق حاصل ہیں مگر تلوار اُن کے قبضہ میں نہیں رہ سکتی جس کا استعمال وہ ہمیشہ بے جا ہی کرتے رہے، اس لئے اُن کی ریاست تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اور اُن سے کوئی عہد جیسا کہ حکومتوں کے درمیان ہوتا ہے نہیں باندھا جا سکتا۔ وہ بطور رعیت خلافت کے زیر سایہ رہ سکتے ہیں۔

تعجب اور سخت تعجب ہے کہ "جزیہ" جو ایک رعایت اور خاص رعایت اہل کتاب کو دی گئی تھی، آج مسلمانوں کو مورد طعن و تشنیع بنا رہا ہے، قرآن کی آیت محولہ بالا سے تو یہی استدلال ہو سکتا ہے کہ "جزیہ" کی رعایت صرف اہل کتاب کے لئے

ہے۔ اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے، علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لینا چاہئے، لیکن چونکہ آنحضرتؐ نے مجوس سے بھی جزیہ وصول کیا ہے اس لئے مجوس سے جزیہ لینا سنت تصور کی ہے، اور حدیث بریدہ وغیرہ کو صحت میں پیش کر کے مشرکین سے بھی وصولی جزیہ جائز قرار دی ہے، لیکن محققین علماء نے اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لینا جائز ہے۔ اور غیر اہل کتاب سے قبول نہیں کرنا چاہئے، اور "انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا" سے استدلال کیا ہے کہ صرف یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب نہیں بلکہ اور لوگ بھی ہیں، زبور اور صحف ابراہیمؑ وغیرہ کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور قرآن نے باقی اقوام کی کتابوں کی نفی نہیں کی ہے، بلکہ بے شمار آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سوا دیگر امم بھی جن کی طرف رسول اور ہادی آئے، اور اگر ژند اور وید میں تحریف ہے تو توریت و انجیل بھی تو محفوظ کتابیں نہیں ہیں، مجوس سے آنحضرتؐ نے اسی لئے جزیہ وصول کیا کہ ان کو اہل کتاب سمجھتے تھے،

"لم یکن عمر اخذ الجزیۃ من المجوس" اور عمرؓ نے مجوس سے جزیہ نہ لیا تھا جبتک کہ
حتی شھد عبد الرحمن بن عوف ان عبد الرحمن بن عوف نے گواہی نہ دی کہ آنحضرت
رسول اللہ اخذھا من مجوس ھجر" نے مجوس ہجر سے جزیہ لیا تھا۔

عبد الرحمنؓ نے یہ شہادت دی تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب کی طرح سلوک کرو۔

در اصل جزیہ پر اعتراض نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی حکومت ٹیکس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اگر اعتراض ہے تو آیت محولہ بالا کے اخیر جزو پر "عن ید و ھم صاغرون" "صاغرون" کی تفسیر ہم کر چکے ہیں "عن ید" کا لفظی ترجمہ ایک ہاتھ سے ہے، علماء اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ "تمہاری نعمت سے جو ان پر ہے" اور بعض یہ کہتے ہیں کہ "دل سے خوش ہو کر" اور بعض یہ کہتے ہیں کہ "اپنے ہاتھ سے ادا کرے اور کسی کے ہاتھ نہ بھیجے"۔ معترضین ان میں سے ایک اپنی خواہش کے مطابق

منتخب کر سکتے ہیں، لیکن خلفا کے طرز عمل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں معنے صحیح ہیں اور خلفاء راشدین تو دل سے خوش ہو کر ہی سمجھتے تھے، اور فی الحقیقت اس سے مراد شرح جزیہ اور طریقہ ادائگی ہے یعنی ایسی شرح نہ لگائی جائے جو بار خاطر ہو، بلکہ ایسی شرح جو بخوشی ادا کر سکیں، اور اسی لئے دو سالوں کا جزیہ جمع نہ کیا جاتا اگر ایک یا ایک سے زیادہ سالوں کا واجب الوصول بقایا میں ہوتا تو معاف کیا جاتا، نہایت احتیاط بوقت ادائگی کی جاتی کہ کسی قسم کا فریب یا دھوکا نہ ہو، اور غلطی سے وصولی کے بعد کسی کے نام بقایا نہ رہ جائے، لڑکے، بوڑھے، زن، عورت، مجنون، اپاہج و عاجز، اجیر، اور عبادت خانوں میں رہنے والوں سے جزیہ وصول نہ کیا جاتا، یہ سب مستثنٰے تھے۔

وقال ابن عيينة عن ابن ابی نجيح قلت لمجاهد ماشأن اهل الشام عليهم اربعة دنانير واهل اليمن عليهم دينار قال جعل ذلك من قبل اليسار

اور ابن عیینہ نے ابی نجیح سے روایت کی ہے کہ مینے مجاہد سے پوچھا کہ اہل شام پر کیوں چار دینار فی آدمی کیوں ہیں حالانکہ اہل یمن پر ایک دینار فی آدمی ہے کہا کہ اہل شام زیادہ مالدار ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جزیہ کی شرح مختلف تھی اور وہی کچھ تھی جو ذمی بخوشی خاطر ادا کر سکتے تھے، یہ شرح سالانہ تھی اور اس پر بھی تین درجے مقرر کئے گئے تھے، ادنیٰ متوسط، اعلیٰ، اعلیٰ شرح چار دینار تھی اور متوسط دو دینار اور ادنیٰ ایک دینار۔

حدثنا سهل بن بكار ثنا وهيب عن عمرو بن يحيى عن عباس الساعدى عن ابى حميد الساعدى قال غزونا مع رسول الله تبوك واهدى ملك ايلة للنبى بغلة بيضاء وكساه بردا وكتب لهم ببحرهم

ابو حمید ساعدی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شامل تھے، ایلہ کے بادشاہ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں ایک خچر سفید تحفہ بھیجی تو آنحضرت صلعم نے اس پر چادر ڈالی اور شاہ ایلہ کو اس کا شہر لکھدیا۔

بقول ابن اسحاق جزیہ پر ریاست بحال رکھی، بحرین کے جزیہ کے متعلق یہ واضح ہو چکا ہے کہ جزیہ "صلح" پر دلالت کرتا ہے اور ذمیوں کی زمین یعنی ریاست نہ تو مسلمانوں میں تقسیم ہو سکتی ہے اور نہ کسی کو جاگیر میں دی جا سکتی ہے۔ (فتح)

احادیث بیشمار ہیں جن کی رو سے "ذمی" سے سوائے جزیہ کے اور وہ بھی بخوشی خاطر کچھ اور وصول کرنا ناجائز ہے اور ذمیوں کی ریاست میں کسی قسم کی مداخلت صریحاً آنحضرت کے احکام کے مخالف ہے۔ چونکہ عرب میں زمین بہت کم میسر حاصل تھی، اور مفتوحہ ممالک "ذمیوں" کے قبضہ میں تھے جو مسلمانوں میں نہ تو تقسیم ہو سکتے تھے اور نہ جاگیر میں دئے جا سکتے تھے، اس لئے مسلمانوں کے لئے تجارت اور فوجی خدمت کے سوا اور کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا، فوجی خدمت کا معاوضہ "جزیہ" سے ملتا، اور اس لئے اس کے معنی مفسرین نے "عن ید" کے معنی "تمہاری نعمت سے جو ان پر ہے" کئے ہیں، اور حضرت عمرؓ کی وصیت سے بھی یہی استدلال ہو سکتا ہے۔

حدثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبۃ ثنا ابو جمرۃ قال سمعت جویرۃ بن قدامۃ التمیمی قال سمعت عمر بن الخطاب قلنا اوصنا یا امیر المؤمنین قال اوصیکم بذمۃ اللہ فانہ ذمۃ نبیکم و رزق عیالکم ۔	جویریہ سے روایت ہے کہ ہم نے عمر بن الخطابؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین ہم کو وصیت کیجئے فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں ساتھ نگاہ رکھنے ذمہ اللہ کے بے شک وہ تمہارے نبی کا ذمہ ہے اور تمہارے عیال کی روزی ہے۔

خلفا کو ذمیوں کے حقوق اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا شدت کے ساتھ احساس تھا، اور یہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں کی بہتری اور بہبودی کا ذمہ دار ہم کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہرایا ہے اور اللہ اور رسول اللہ کی ذمہ داری میں ہیں اس لئے ان کو ڈر تھا کہ کہیں مسلمان ان کی زمینوں پر قابض نہ ہو جائیں، اس لئے مسلمانوں کو کبھی کاشتکاری کی سند نہیں دیتے تھے۔ کوتہ اندیشی نے خلفا کے طرز عمل سے یہ غلط فہمی پیدا کی ہے کہ خلفاء مسلمانوں کو اہل عرب کو صرف سپاہی بنانا چاہتے تھے، غالباً اس کوتہ اندیشی نے خلفا کو بھی کوتہ اندیش سمجھ رکھا ہے کہ اگر اہل عرب صرف سپاہیانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے تو چند سالوں میں ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا۔

نفل، فئ، خمس، صدقات،

"الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ، واولئک ھم الفائزون" الآیۃ

یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا اٰبائکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون، قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم و ازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا

من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیل اللہ حتی یاتی اللہ بامرہ،

جو کچھ بھی موجود ہے اللہ کی مخلوق ہے اور سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اُس کے ید قدرت میں ہر ایک شے ہے اور وہ قادر مطلق جس طرح اُس کے علم و حکمت کا تقاضا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔

(۱) "و للہ المشرق والمغرب، فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم"

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب تو جہاں کہیں منہ کرو اُدھر ہی اللہ کا سامنا ہے، بیشک اللہ بڑی گنجایش والا اور سب کچھ جانتا ہے۔

(۲) "للہ ملک السموت والارض وما فیھن"

اللہ ہی کا ملک السموات والارض ہے اور جو کچھ ان میں ہے اس پر اسی کی حکومت ہے۔

(۳) "لہ ما فی السموٰت والارض کل لہ قانتون، بدیع السموٰت والارض لہ

اُسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، سب اُس کے محکوم ہیں۔ آسمان و زمین کا موجد ہے۔

واذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون"

اور جب کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو بس اُس کی نسبت فرماتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتا ہے۔

(۴) "للہ ما فی السموٰت وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ"

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو تمہارے دل میں ہے اگر اُس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔

"یحاسبکم بہ اللہ، فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علی کل شئ قدیر"

اللہ تم سے حساب لیگا، پھر جس کو چاہے بخشے اور جسکو چاہے عذاب دے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۵) "قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء

کہہ اے خدا تمام ملک کا مالک تو ہی ہے جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔

وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر"

اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے اور ہر ایک خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(۶) الحمد للہ رب العالمین

تمام حمد اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

(۷) الحمد للہ الذی خلق السموٰت والارض وجعل الظلمت والنور!

ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین پیدا کیا، اور نور و ظلمت کو بنایا!

(۸) قل لمن ما فی السموٰت والارض قل للہ،

(لوگوں سے پوچھو) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کس کا ہے؟ کہہ اللہ کا ہے،

(۹) "ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم واٰباؤکم ما انزل اللہ،

تم لوگ خدا کے سوا نرے ناموں ہی کی پرستش کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے دل سے گھڑ رکھے ہیں خدا نے

بھا من سلطٰن ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون"

اُن کی کوئی سند نہیں اُتاری (تمام جہان میں) حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے اُس نے حکم دیا ہے کہ صرف اُسی کی پرستش کرو، یہی دین سیدھا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۰) "ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو علم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحٰن اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم"

(وہ اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا رحمٰن اور رحیم ہے وہ اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی اللہ نہیں بادشاہ ہے، پاک ذات ہے عیبوں سے بری ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، زبردست ہے، جبّار ہے، بڑی عظمت والا ہے، یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ اُس سے پاک ہے، وہی اللہ خالق، موجد، مصوّر ہے۔ اُس کے اچھے اچھے نام ہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کی تسبیح کرتے اور وہ زبردست حکمت والا ہے)۔

(۱۱) " تبٰرک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شئ قدیر الذی خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا، وھو العزیز الغفور الذی خلق سبع سمٰوات طباقا، ما ترٰی فی خلق الرحمٰن من تفٰوت فارجع البصر ھل ترٰی من فطور، ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر"

(بڑا) بابرکت ہے وہ (اللہ) جس نے ید (قدرت) میں سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے جس نے سبع سموات کو طبقاً عن طبق پیدا کیا، بھلا تجھ کو

(خدائے) رحمن کی خلق میں تفاوت نظر آتا ہے، تو دوبارہ نظر کر دیکھ خوب فکر کر) تجھکو کہیں خلل نظر آتا ہے، پھر بار بار نظر کر کھسیانی ہو کر ضعف میں تیری طرف لوٹ آئے گی (اور تجھکو خلق خدا میں کوئی تفاوت کوئی نقطۂ نظر نہیں آئے گا جس سے تجھے اس امر کا ثبوت ملے کہ ایک سے زیادہ خالق ہیں جن کا قانون جدا، صنعت جدا، اور نظام جدا ہے)

"قرآن کا اول سے آخر تک مطالعہ کرو، ہر ایک سورۃ ہر ایک رکوع ہر ایک صفحہ پر آیات بینات سے گی جو آیات محولہ بالا کی ہم معنی اور تفسیر ہوں،

اصل اصول یہی ہے کہ اللہ ہی کا ملک ہے اور وہی ہر ایک چیز کا مالک ہے کفار اور مشرکین اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے، تو اللہ کا سرے سے انکار کرتے ہیں یا اسکے ساتھ ایسے معبود اختراع کرتے ہیں جن کی کچھ حقیقت نہیں، یہ اُن کے من گھڑت معبود ہیں یعنی اُن کی نفسانیت نے ان کو پیدا کیا ہے اور اس لئے اُن کے اعمال نفسانیت ہی کا نتیجہ ہیں وہ دنیا میں بغاوت پھیلاتے ہیں" آسمانی بادشاہت میں کوئی کافر کوئی مشرک اس قابل نہ رہنا چاہیئے کہ وہ اپنے فتنہ و فساد کے باعث جو اس کے کفر و شرک کا لازمی نتیجہ ہے امن اور ترقی کا جو اسلام کا منشا ہے مخالف ہے"

اصل اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے مال غنیمت بھی اللہ ہی کا ہے؛

"یسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول، فاتقوا الله واصلحوا ذات بینکم واطیعوا الله ورسوله ان کنتم مؤمنین"

تجھ سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو مال غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے، تو تم لوگ خدا سے ڈرو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک رکھو اگر سچے مسلمان ہو"

"یرید الله ان یحق الحق بکلمته ویقطع دابر الکفرین، لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون"

(اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ اپنے حکم سے حق کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ (کفر) کاٹ کر رکھدے، حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے گو کافروں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے)،

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول یا خلیفہ کے ذریعہ "اسلام" یعنی احکام الٰہی نافذ اور شائع ہوتے ہیں، اور اس لئے رسول اور خلیفہ کو تبلیغ سے زیادہ کوئی حق نہیں پہنچتا، نہ تو رسول اور خلیفہ اور نہ اور کسی شخص کو خواہ وہ مال غنیمت ہو، یا خوان یغما،

یا اپنی محنت کی کمائی ہو کسی طرح کا تصرف بے جا کا حق نہیں ہے وہ صرف تاحین حیات امانت دار ہے اور تولیت کا حق اُسے ہے اس لئے وہ مال کو اسی طرح اور اسی طریقہ سے حاصل کرے گا اور صرف کرے گا جس طرح کہ اللہ کا حکم ہے اور اُس کی تشریح قرآن میں صاف صاف لفظوں میں کھول کھول کر بیان کردی گئی ہے۔

"لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب،

نیکی یہ نہیں کہ اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال اللہ کی حب پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (غلامی وغیرہ کی تعدی سے لوگوں کی گردنوں کے چھڑانے) میں دیا۔

اور اسی طرح خمس بھی اللہ ہی کا ہے اور اس کا صرف حسب ذیل آیت سے واضح کردیا گیا ہے۔

"واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل۔"

اور جان رکھو کہ جو چیز تم لوٹ کر لاؤ اُس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا"

اور فَے کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔

"وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیٔ قدیر۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولٰئک ھم الصٰدقون والذین تبوّؤا الدار والایمان من قبلھم،

اور جو (مال) خدا نے اپنے رسول کو بے لڑے ان سے دلوادیا تو (مسلمانو) تم نے اس کے لئے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں (نہ) گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قابض کردے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جو (مال) اللہ اپنے رسول کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوادے تو وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اس لئے کہ لوگ تم میں مالدار ہیں یہ ان ہی میں دائر نہ رہے اور جو پیغمبر تم کو دست دیا کریں تو وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو منع کریں اُس سے دست کش رہو اور خدا سے ڈرتے رہو، خدا کی مار سخت ہے (اور نیز) محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو (کافروں کے ظلم سے)

يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون، والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا الآیہ"

اپنے گھراور مال سے بے دخل کر دیے گئے (اور اب وہ) خدا کے فضل اور (اُس کی) خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں اور خدا اور اُس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں یہی تو سچے (مسلمان) ہیں (اور مال فئے) ان کا (بھی حق) ہے کہ (مہاجرین نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ) ان سے پہلے میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور مال غنیمت میں سے مہاجرین کو جو دیا جائے اُس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں (اس کی) کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور (فئے) ان کا (بھی حق) ہے جو مہاجرین اولین کے بعد آئے اور دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ الآیہ"

صدقات کے لئے بھی یہی حکم ہے

(۱) "انما الصدقات للفقراء والمسٰكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم" (۱۰-۱۴)

خیرات (کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اُن کارکنوں کا جو (مال) خیرات (کے وصول کرنے) پر (تعینات) ہیں اور اُن لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے (ان مصارف میں مال خیرات کو خرچ کیا جائے اور (نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضے) میں اور نیز خدا کی راہ میں اور مسافروں کے لئے ہے (یہ حقوق) اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں) اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"

(۲) يسئلونك ماذا ينفقون قل ما انفقتم من خير فللوالدين والاقربين واليتمى والمسٰكين وابن السبيل وما تفعلوا من خير فان الله به عليم (۲-۱۰)

تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو سمجھادو کہ جو مال بھی خرچ کرو تو وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اور تم کوئی سی بھلائی کروگے تو اللہ اُس کو جانتا ہے۔

(۳) ويسئلونك ماذا ينفقون قل العفو، كذلك يبين الله لكم الآيت لعلكم تتفكرون، في الدنيا والآخرة" (۲-۱۱)

تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں تو اُن کو سمجھادو کہ جتنا (تمہارے حاجت سے) زیادہ ہو (یا بچ رہے) اسی طرح اپنے احکام تم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت (کے معاملات) میں غور کرو۔

(۴) "ومثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضعف لمن يشاء" الآیہ (۳-۴)

اور جن لوگوں نے اپنا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کیا اُس دانہ کی مثال ہے جس سے نکلیں سات بالیں ہر ایک بال میں سو دانہ ہے اور اللہ دگنا کرتا ہے جس کے لیے چاہے۔

(۵) "یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض الاٰیۃ (۲ - ۹)

(۶) "ما ینفقون فی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا کمثل ریح فیھا صرٌّ اصابت حرث قوم ظلموا انفسہم فاھلکتہ وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون (۳ - ۴)"

آیات محولہ بالا کے مطالع سے واضح ہو گیا ہوگا کہ مال خواہ وہ بذریعہ محنت و مشقت یا بذریعہ تجارت و زراعت یا بذریعہ غنیمت حاصل کیا جائے صرف کرنے ہی کے لئے ہے اور اُس کا مصرف آیات مذکورہ میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، مال جو کسی کی ضروریات سے زائد ہو سب مستحقین پر صرف کرنے کا حکم ہے، ضروریات اور حاجات کا اندازہ ہر ایک شخص نیک نیتی سے خود کر سکتا ہے کیونکہ "علیٰ نفسہ بصیرۃ" ہے اور ضروریات میں بھی اعتدال کا حکم دیا گیا ہے، نہ تو بخل اور نہ اسراف کی حد تک خرچ کیا جائے، افراط و تفریط سے ہر ایک امر میں بچنا چاہیئے، اور ساتھ ہی تمثیلوں سے واضح کر دیا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال میں ترقی ہوتی ہے اور حیاۃ الدنیا کے لئے جو متاع قلیل اور لہو و لعب ہے خرچ کرنا مال کو ضائع کرنا ہے، علم الاقتصاد نے اُس کی صداقت پر مہر لگا دی ہے

اگر آیات محولہ بالا کا مطالع غور سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آیہ کے "لا یکون دولۃ بین الاغنیاء" نے اصل اصول بتا دیا ہے کہ مال جو ہماری حاجات سے زیادہ ہو وہاں صرف کیا جائے جہاں اور جس کو اُس کی زیادہ ضرورت ہے، اغنیا سے زیادہ محتاجوں کو حاجت ہے، اس لئے مال انہی کو دینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ مال اغنیا میں چکر لگاتا رہے اور محتاج محتاج ہی رہیں۔

علم الاقتصاد کے عالم جانتے ہیں کہ اگر آیہ کے "لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ" پر عمل ہو تو قومیں افلاس کا منہ نہ دیکھیں اور تمام اقتصادی خرابیاں رفع ہو جائیں۔

مال یا تو محنت و مشقت یا تجارت و زراعت یا غنیمت میں حاصل ہوتا اور ایسا مال بلا تکلف کم و بیش جسمانی اور دماغی محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ ایسی صورتیں بھی ہیں کہ مال محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے، انفال وہ مال غنیمت ہے جو

لڑائی میں جس کا سرمایہ لڑنے والوں کی جان و مال سے حاصل ہوتا ہے اور "فئے" وہ مال غنیمت ہے جو بلا مزاحمت مفت ہاتھ آتا ہے، مال خواہ وہ کسی طرح حاصل ہو سب اللہ کا ہے، اس پر لوگوں کو محض حق تولیت حاصل ہے وہ اس میں کسی قسم کا تصرف بے جا کرنے کے مجاز نہیں ہیں، درحقیقت یہ تمام اصطلاحیں نفل، فئے و خمس و صدقات محض حق تولیت مقرر کرنے کے لئے وضع ہوئی ہیں ورنہ مال کا مصرف تو یہی ہے کہ حاجات سے زیادہ کوئی شخص ایک حبہ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور اس کو وہیں صرف کرنا چاہیئے جہاں جسکی اس کی زیادہ ضرورت ہے، حق تولیت قائم کرنے کے لئے اصل اصول یہی ہے کہ مال اُسی شخص کے قبضہ میں رہے جو تولیت کی صلاحیت رکھتا ہو، اور صلاحیت وہی رکھتا ہے جو مال کو اپنی سعی سے حاصل کرتا ہے اور اس قابل ہوتا ہے کہ مال اُس کے قبضہ میں محفوظ رہتا ہے، وہ مال کے صحیح مصرف کو جانتا ہے، اور مال اُس کی تولیت میں ترقی کرتا ہے، اگر کوئی شخص مال اپنی حاجات سے زیادہ جمع رکھتا ہے یا تولیت کی صلاحیت نہیں رکھتا تو خلافت کو اس امر کا حق پہنچتا ہے کہ اُس کا زائد مال بیت المال میں رکھے یا اُس کا کوئی متولی مقرر کرے، چونکہ ہر ایک شخص تولیت کا اہل نہیں ہوتا اور ہر ایک شخص محتاجوں کی حاجات کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا، اس لئے خلافت ایسے کارکن مقرر کرتی ہے جو لوگوں سے ان کا زائد مال وصول کرتے ہیں اور اہل حاجات کی حاجتوں کو اُن سے رفع کرتے ہیں۔

"ردت" جس کے مختصر حالات ہم لکھ چکے ہیں انہی صدقات کی بنا پر واقع ہوئی، لوگوں نے صدقات کی ادائیگی سے انکار کیا اور عمال کو جو اُن کی وصولی پر مامور تھے اپنی اپنی بستیوں سے نکال دیا، صدیق اکبرؓ نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "اگر کوئی شخص ایک عقال بھی دینے سے انکار کرے گا تو میں اُس سے جبراً وصول کروں گا"۔

"جزیہ" صدقات کے مقابلہ میں حقیر رقم ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "جزیہ

اس سختی سے وصول نہ کیا جاتا جیسا کہ صدقات خود مسلمانوں سے ہمیں کوئی ایسی مثال معلوم نہیں کہ کوئی شخص خلافت راشدہ کے عہد میں جزیہ سے بچنے کے لیئے مسلمان ہو گیا ہو، لیکن ردت کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ صدقات کی ادائگی سے بچنے کے لیئے مسلمان ہزاروں بلکہ قریباً کل عرب مرتد ہو گیا تھا۔

اس موضوع پر جامع و مانع بحث کی گنجایش نہیں، مختصر یہ ہے کہ آسمانی بادشاہت میں ہر ایک شخص کی جان و مال کا مالک اللہ ہے، ہر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنا کر حق تولیت عطا فرمایا ہے، تاکہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق اپنا تصرف کرے اور اُن کو ترقی دے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اس مقام پر ہم یہ بھی ظاہر کر دیں کہ "ربا" جس پر مفصل بحث علماء اسلام کر چکے ہیں، مسلمانوں کے باہمی لین دین میں حرام ہے مال اور اُس کے کمانے اور صرف کرنے کے اصول بیان کرنے کے بعد ضرورت نہیں کہ اس دعوے پر زیادہ بحث کی جائے۔ چونکہ قرآن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی ایک برائی ہے اور انتقام مشروع ہے اور قصاص میں بھی حیات ہے، اس لیئے کفار و مشرکین سے جو ربا جائز سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو مجبوراً ادا کرنا پڑتا، ربا حاصل کرنا جائز ہو سکتا ہے، اصل اصول تو یہی ہے کہ دنیا میں محتاج نہ رہیں اور اس لیئے مال انہی کو دینا چاہیئے تاکہ وہ اپنی حاجات رفع کرنے کے قابل ہوں اور ملک اور قوم و ملت کے لیئے مفید ہوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حق تولیت کو واضح کرنے کے لیئے ہم احادیث پیش کریں گے۔

رسول کریمؐ کی وفات کے بعد عباسؓ و علیؓ نے آنحضرتؐ کی جائداد متروکہ کا دعوے کیا جو صدیق اکبرؓ کی عدالت میں پیش ہوا، تحقیقات کے بعد صدیق اکبرؓ نے یہ جائداد دونوں حضرات کی مشترکہ تولیت میں دیدی، فاروق اعظم کے عہد خلافت میں دونوں حضرات میں تنازعہ پیدا ہو گیا تو تقسیم کی درخواست دیدی، فاروق اعظم نے کہا کہ تقسیم ابھی

جائداد کی ہوتی ہے جو شرکا کی ملکیت ہو، ایسی جائداد جس پر صرف متولی کو صرف حق تولیت حاصل ہو ناقابل تقسیم ہے یہ ترکہ جو آنحضرتؐ کا ہے محض صدقہ ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے خود فرمایا تھا کہ "لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ" اور تمہیں تمہاری استدعا پر صدیق اکبرؓ نے اس کا متولی بنایا تھا اس شرط پر کہ جس طرح رسول کریمؐ اس جائداد پر تصرف فرمایا کرتے تھے تم بھی کرو، یعنی ازواج مطہرات کے خانگی اخراجات کے بعد جو کچھ زائد ہو دیگر مستحقین پر صرف کیا جائے، اور تم نے اس شرط کو قبول کر لیا، فان عجزتما عنہا فادفعاہا الیّ فانی الفیکما ھا یعنے اب اگر تم اس تکلیف کو گوارا نہیں کر سکتے تو میرے حوالہ کر دو کہ میں ہی یہ بوجھ اپنے سر پر اُٹھا لوں گا۔

رسول کریمؐ نے فرمایا کہ "اللہ المعطی وانا القاسم" یعنی اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں اُس کے عطیہ کو تقسیم کرنے والا ہوں، در اصل آسمانی بادشاہت کا بھی یہی اصل اصول ہے کہ خلیفۃ اللہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں تصرف جائز تقسیم ہی کے لئے کرتا ہے، اور اس میں اُس کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ دوسروں کا ہے۔

اور نیز فرمایا کہ " ما اعطیکم ولا امنعکم انما انا قاسم اضع حیث امرت یعنے میں تم کو عطا نہیں کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ کو تم سے روکتا ہوں میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں ارشاد الٰہی ہوتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطیہ میں میرا تصرف حکم الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔

اور نیز فرمایا کہ " ان رجالاً یخوضون فی مال اللہ بغیر حق فلھم النار یوم القیٰمۃ یعنی جو لوگ اللہ کے مال میں تصرف بیجا کرتے ہیں اُن کے لئے قیامت میں آگ ہے۔

اور نیز فرمایا " اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ والذی نفسی بیدہٖ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ" جب کسریٰ ہلاک ہوگا

اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا اُس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور اُن دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں صرف کئے جائیں گے خلافت نے ایسا ہی کیا ؎

جس طرح مال اللہ کا ہے تمام انسان بھی اُسی کے بندے ہیں آسمانی بادشاہت کے نیک شہری وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سرتسلیم خم کردیتے ہیں ،، اللہ کی راہ میں جان و مال سے سعی کرنا فرض ہے، اگرچہ جبری خدمت کا جواز ثابت نہیں ہوتا مگر اتنا تو ہے کہ تمام مسلمان مطوعین (والنٹیر) ہیں۔

ایام جاہلیت ہیں جن سے مراد وہ زمانہ ہے جو رسول کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عرب پر گذرا عربی قبائل کسی منتظم حکومت کے تابع نہ تھے لیکن وہ ایسی حکومتوں سے ناآشنا بھی نہ تھے، فرزندان "ام القریٰ" قدیم الایام سے غیر ممالک سے تعلق رکھتے تھے، اونٹ اور گھوڑا جو عرب ہی کی پیدایش ہے ایسے ذرائع سفر تھے جو ان کو عرب سے باہر ہر ایک جگہ لے گیا، ان لوگوں نے شام کی زرخیز زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے، اور مصر کی سیر حاصل اراضی جو نیل سے سیراب ہوتی ہے عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں شام کے ساحلوں پر "فنیقی" اُس وقت فن جہازرانی میں اُستاد تسلیم کئے گئے تھے جبکہ یونان کا نام تک ابھی تاریخ کے صفحات پر نہ تھا، فنیقی امم سامیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن کا گہوارہ طفولیت بحر احمر کے شرقی کنارہ پر ارض حجاز میں واقع تھا، ان کے تمدن و تہذیب کی

نمبر ۲۲ سام و یمن دونوں خالص عربی لفظ ہیں۔ سام کے معنی سوئے دست چپ" اور "یمن" کے معنی سوئے دست راست یعنے وہ سمتیں جن کو ہم شمال اور جنوب کہتے ہیں۔ ان ناموں کی وجہ تسمیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ممالک کا نام ان لوگوں نے شمال وجنوب رکھا جو ارض حجاز سے نکل کر ان سمتوں کی طرف آئے تھے

ابوالتاریخ ہیروڈوٹس" اہل فنیقہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "یہ لوگ خود بیان کرتے ہیں کہ انکا وطن بحر اسود کے کنارہ پر تھا، (ملاحظہ ہو کتاب اول و ہفتم) بعض محققین نے ہیروڈوٹس کا مضحکہ اُڑایا ہے کہ بحیرۂ روم کے ساحلوں پر یہ لوگ بحر احمر کے کناروں سے کس طرح آسکتے تھے اسلئے بحر اسود کی نسبت یہ قیاس کیا ہے کہ اس سے مراد خلیج فارس ہے، اور بقول فاضل بیان فنیقی فرات کے

کی تاریخ اور علوم و فنون کی شہادت، علم الآثار اور علم الالسنہ نے دی ہے بر اعظم یورپ ایک "فینقی" شہزادی "عربہ" کے نام پر آباد ہوا، اور اسی شہزادی کا بھائی "قدم" ( ) نے یونان میں علوم و فنون کی اشاعت کی، تمام براعظم یورپ کی زبانوں کی حروف ابجد ان کے نام اور ترتیب اور شکل و صورت "فینیقی" ہیں۔

اسی طرح جب بداوت چھوڑ کر حضارت اختیار کی تو وادی نیل میں آباد ہو کر اس ملک کو "مصر" سے موسوم کیا، اور اس جگہ ایک عظیم الشان تمدن کی بنیاد رکھی جس کی یادگار ابھی تک آثار قدیمہ باقی ہیں جن میں اہرام مصر عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں، مصر کی تصویری تحریر جس کو حر غلیفی ( ) کہتے ہیں، لفظ "حر" اور "غلف" سے مرکب ہے "حر" سے مشتق الفاظ "تحریر" "تحرر" محاورہ وغیرہ ہیں "غلف" کے معنی مستور یعنی تحریر مستور کیونکہ عوام الناس سے تحریر کا مطلب پوشیدہ رکھنے کے لئے یہ رسم خط علما میں رائج تھی، عام مصری رسم الخط کو ( ) کہتے ہیں۔

بقیہ نمبر ۲۲ کنارہ سے آکر ساحل شام پر آباد ہوئے۔ لیکن یہ قیاس اس لئے بھی غلط ہے کہ ارض حجاز میں بحر احمر کے کنارہ پر ایک نام "فنیقہ" ( ) پرانے نقشوں پر موجود ہے۔ اور بطلیموس کے زمانہ تک بھی یقین کیا جاتا تھا کہ فینقی اس جگہ سے شام کی طرف گئے بہرحال اس میں کلام نہیں کہ فینقی عربی ہی تھے۔

نمبر ۲۳۔ عربہ کے متعلق ملاحظہ ہو ہیروڈوٹس جلد اول اور اساطیر الاولین یونان۔ یونان کا رب الارباب ضیا ( ) اس شہزادی پر عاشق ہوا۔ دونوں کا عقد ہو گیا۔ اور ان کی اولاد نے اول یونان آباد کیا بعد ازاں بر اعظم یورپ میں پھیل گئے۔

ابجد	H B C D	C = یونانی میں ج ہے
ہوز	E F G	= E = A = F
حطی	H + I	C = ق
کلمن	K L M N	ل = Q ق - ے
سعفص	+ O P +	
قرشت	Q R S T	

روم کا ابھی سنگ بنیاد بھی نہ رکھا گیا تھا کہ قار تھیج "متمدن دنیا میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، لاطینی میں یہ لفظ د) اور یونانی میں (دراصل لفظ قرجہ عبرانی ہے اور "قریہ" عربی ہے ج اور ی ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں، اس لفظ کے معنی بستی یا قصبہ کے ہیں ۔

عرب کے حدود میں عراق و یمن میں ایسی سلطنتیں موجود تھیں جنکی قدامت کو کوئی اور سلطنت نہیں پہنچ سکتی اور جس کی عظمت کی شہادت اس وقت بھی آثار قدیمہ سے ملتی ہے ۔

اس میں کچھ شک نہیں اہل عرب دنیا کے مختلف حصوں میں مسافرانہ تاجرانہ اور فاتحانہ حیثیت سے گئے اور ہر ایک جگہہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کو رواج دیا، لیکن جزیرہ نما عرب کرۂ ارض میں کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اگر آج ہم عراق کی سیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کریں اور اگر ہمارے پاس تاریخی ثبوت موجود نہ ہو تو کبھی یقین نہ کریں گے کہ دجلہ کے کناروں پر کبھی "بغداد" اس وسعت میں آباد تھا کہ صرف نو نو میل تک خلفاء بنو عباسیہ کے قصر تھے، عرب کی موجودہ حالت دیکھ کر کب یقین ہو سکتا ہے کہ "بابل و نینوا ایسی سلطنتوں کے پایۂ تخت تھے جو متمدن دنیا پر پھیلی ہوئی تھی اور یہ کہ یمن میں سبائی اور حمیری سلطنتیں بھی تھیں ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت عرب کا زرخیز حصہ قیصر و کسریٰ کے زیر اقتدار تھا، عراق اور یمن پر کسریٰ کی حکومت تھی، اور شمالی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، اگرچہ آئے دن کے جھگڑوں سے فرصت نہ تھی مگر عربی قبائل اپنے آپ کو ہمیشہ آزاد ہی سمجھتے رہے اور یہ آزادی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ کسی منتظم حکومت کے ماتحت رہنا پسند نہ کرتے تھے، ایام جاہلیت میں یہ

نمبر ۲۳ کا بقیہ ۔ مفصل بحث کے لئے ہماری کتاب تحقیق الالسنہ کا انتظار کرنا چاہئے جسمیں فنیقی مصری، حمیری، عراق وغیرہ کے حروف ابجد کی تاریخ مفصل ہے ۔

لوگ ہمیشہ عراق اور شام میں لڑتے رہے، مغلوب ہوتے تو خراج ادا کرتے ؛ لیکن جب موقع ملتا اطاعت شاہی سے انحراف کرتے ؛

اگرچہ اس وقت عربی قبائل کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، لیکن "مکہ" اُن کی مذہبی اور سیاسی طاقت کا مرکز تھا، جس کی وجہ "کعبۃ اللہ" تھا؛ کعبہ کی تولیت کے لئے ہر ایک قبیلہ ہمیشہ کوششیں کرتا رہا۔ کیونکہ اس وقت یہی نشان حکومت تھا بالآخر قریش کو غلبہ حاصل ہوا؛

عرب و عجم کے موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "ام القریٰ" میں مفصل بحث کی ہے۔ اس جگہہ اعادہ کی ضرورت نہیں ؛۔

خلافت راشدہ کو قیصر و کسرےٰ و مقوقس والی اسکندریہ اور نجاشی شاہ حبش سے سابقہ پڑا؛ آنحضرتؐ نے ان حکمرانوں کو نامے لکھے تو صرف نجاشی ہی ایمان لایا، ان حکمرانوں اور خلفاء راشدین سے ان کے تعلقات پر ہم مفصل بحث کرینگے اور سب سے پہلے ہم کسرےٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں *

کسرےٰ

آنحضرتؐ کا ہمعصر تخت فارس پر کسرےٰ پرویز تھا، جس کے عہد میں ایرانی شہنشاہت انتہا سے عروج پر تھی، قیصر قسطنطنیہ ہرقل کے مقابلہ کے لئے اٹھا، اور تمام شام اور ارض فلسطین پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد افریقہ کا رُخ کیا اور اہل کتاب کی عبادت گاہوں کو جلاکر آتشکدہ بنا دیا، نو ہزار عیسائی اس جنگ میں تہ تیغ بے دریغ ہوئے، اور شام کی تمام دولت و ثروت کسرےٰ نے ایران میں جمع کی، سونا، چاندی، صنعت و حرفت کے بیش قیمت نمونے اور خود اہل صنعت و حرفت کو ایران میں لے گیا۔ اس وقت کسرےٰ کی شان و شوکت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نو سو ساٹھ ہاتھی شہنشاہ کی سواری کے لئے موجود تھے خیمہ و خرگاہ اور بار برداری کے لئے بارہ ہزار بڑے اور آٹھ ہزار چھوٹے اونٹ اور شاہی

اصطبل میں چھ ہزار صبا رفتار گھوڑے تھے، چھ ہزار محافظ فوج درِ دولت پر کھڑی رہتی اور بارہ بارہ ہزار سام ہر وقت خدمت میں حاضر تھے، تین ہزار عورتیں جو کہ حسن و شباب کا انتخاب تھا کسریٰ کے عیش و عشرت کو مکمل کرتی تھیں۔
"گنج شائگاں" اور "باد آورد" میں درو جواہر کے انبار لگے ہوئے تھے۔ "قصر ابیض" واقع مدائن جسکی سقف جواہر نگار کو چالیس نقرئی ستون سہارا دیتے تھے، جن پر تیس ہزار زربفت اور حریر کے منقش پردے لٹک رہے تھے اور جن کے نیلگوں گنبد میں ہزار طلائی اور نقرئی قمقمے آویزاں تھے، آسمان کا نقشہ تھا جس کے گنبد نیلی فام میں آفتاب و مہتاب اور بے شمار روشن ستارے زینت کا باعث ہیں۔
اس وقت جبکہ ایرانی شہنشاہت سمت الراس پر تھی، ایک دن موسمِ سرما میں جبکہ بقول "گبن" "کسریٰ اپنے قصر ابیض میں عیش و عشرت میں منہمک تھا اور ان اسباب عشرت پر جن کا تذکرہ کیا گیا ہے نظر تھی اور تخت زرین پر بیٹھا ہوا دعوے "انا ربکم الاعلیٰ" کر رہا تھا کہ دربانوں نے ایک شخص کو آستانۂ دولت پر لا کھڑا کر دیا، یہ شخص کمبل پوش، سر پر پھٹا پرانا عمامہ عربی نژاد عربی وضع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد عبداللہ بن حذافہ سہمی تھا، ہاتھ میں ایک قرطاس تھا جو آنحضرت صلعم کا نامہ تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدیٰ وامن باللہ وسلمہٗ اما بعد فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیًّا، اسلم، تسلم، فان ابیت فعلیک اثم المجوس"

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کی جانب، اس پر سلام جو ہدایت کا تابع ہو، اور اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، بیشک میں تمام دنیا کے آدمیوں کی طرف جو زندہ اور موجود ہیں ڈرانے کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، اسلام قبول کر، سلامت قبول کر، سلامت رہیگا، ورنہ مجوس کا وبال گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

یہ آستانہ جس پر اس وقت عبداللہ اس وقت کھڑا تھا بوسہ گاہ خلائق تھا، دربانوں

نے حسب معمول سجدہ کرنے کے لئے کہا، انکار کیا، اجنبی سمجھ کر تعرض نہ کیا تخت کی طرف بڑھے تو چوبداروں نے آلیا۔

سگ و دربان چو یافتند غریب　　　　ایں گریباں گرفت و آں دامن

یہاں بھی سجدہ کا تقاضا ہوا، عبداللہ نے کہا کہ سجدہ غیر اللہ کو ہمارے مذہب میں منع ہے، نامہ پیش کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسرے کے چہرہ پر آتشکدہ کی آگ بھڑک رہی ہے نامہ کو پارہ پارہ کر دیا اور بے چارہ عبداللہ بیک بینی و دو گوش اور روایات کی رو سے یہ بھی نہ تھے) دربار سے نکلوا دیا گیا، عبداللہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا کہہ سنایا، فرمایا، "مزق اللہ ملکہ (اللہ اُس کے ملک کو پارہ پارہ کرے)"۔

ملک باذان والی یمن کے نام کسرے کا حکم پہنچا کہ اس عربی (محمدؐ) کو فوراً دو شخص بھیجکر گرفتار کرو اور دارالدولت کے پاس روانہ کر دو، یہ دو شخص جب مدینہ میں آئے تو آنحضرتؐ کا پتہ پوچھا مسجد نبوی کچھ دور نہ تھی، اس جگہ صحابہ کرام فرش خاک پر بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ تم میں سے محمدؐ کون ہے، صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کیا، تو کسرے کا حکم سنایا، جو ملک باذان کے نام صادر ہوا تھا، فرمایا "جاؤ اپنا راستہ لو" پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے۔

شیرویہ نے آٹھ ماہ سلطنت کی اور مر گیا، اس کے بعد سات برس کا لڑکا اردشیر تخت نشین ہوا، ڈیڑھ برس کے بعد یہ بھی شہریار کی بغاوت کا شکار ہوا، جس کو سپاہ شاہی نے بوقت جائزہ مار ڈالا۔ اس وقت شاہی خاندان میں اولادِ ذکور کا خاتمہ ہو چکا تھا، کچھ تو پرویز کے جنون کی وجہ سے قتل کئے گئے تھے اور کچھ یکے بعد دیگرے مارے گئے، اس لئے پرویز کی لڑکی بوران کو تخت ملا جو ایک برس کے بعد مر گئی، دوسری بہن "آزمیدخت" جانشین ہوئی یہ بھی چھ ماہ بعد قتل کی گئی، اردشیر بابک کی نسل سے فرخ زاد بن خسرو تلاش کے بعد دستیاب ہوا

تخت پر چھ ماہ بیٹھا اور مارا گیا، اس کے بعد یزدجرد بن شہریار بن پرویز جو دادا کے جنون کے باعث دشت وصحرا میں جان چھپاتا پھرتا رہا، اصطخر میں ملا اور بادشاہ بنایا گیا، اس کی سلطنت کے دوسرے سال عرب عراق پر قابض ہو چکے تھے۔

اس وقت عرب "ردت" کی ناپاکی سے پاک ہو گیا تھا، اور خالد اس انتظار میں یمامہ میں پڑے ہوئے تھے کہ دیکھئے صدیق اکبرؓ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ حکم ملا کہ عراق کی طرف کوچ کرو۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ اگرچہ صدیق اکبرؓ کی توجہ زیادہ تر شام کی طرف لگی ہوئی تھی، لیکن کسریٰ کی طرف سے بھی بے فکر نہ تھے، اور اگر فارس اندرونی خرخشوں میں مبتلا نہ ہوتا تو غالباً پہلا حملہ عراق ہی پر ہوتا، لیکن اس پر بھی جہاں اسامہؓ کو شام کی طرف روانہ کیا، مثنیٰؓ بن حارثہ کو قبیلہ ربیعہ کے نوجوانوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ کیا، لیکن یہ ہدایت کردی کہ باقاعدہ لڑائی کی طرح نہ ڈالے، اور وقتاً فوقتاً جب موقع ملے حملہ آور ہو، اور فوراً کسی اور ہٹ آئے، مثنیٰؓ کچھ عرصہ یہی کام کرتا رہا اور اپنے رفقا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ اپنے بھائی سوید کے ماتحت منتہا سے خلیج فارس کی طرف روانہ کیا اور خود کوفہ کے قرب وجوار میں رہا، دونوں بھائی آج اس قریہ پر اور کل اس قریہ پر چھاپہ مارتے اور مال مویشی جو کچھ ہاتھ آتا لیکر نکل جاتے، کسی جگہ کسریٰ کی طرف سے مزاحمت نہ ہوئی، لیکن ادھر صدیق اکبرؓ اور ادھر کسریٰ کو چیرہ دستی کی خبریں برابر پہنچتی رہیں، صدیق اکبرؓ کو تو ردت کی صفائی کا اور کسریٰ کو اندرونی خرخشوں کے قلع وقمع کا انتظار تھا، آخر دونوں ملک کے اندرونی انتظام سے فارغ ہو گئے، اسوقت فرخ زاد شاہ فارس تھا۔

ادھر خالد اسفل عراق میں بصرہ کے قریب ابلہ پر نمودار ہوئے اور سوید سے آملے، ادھر اعلیٰ عراق میں عیاض بن غنم حسب الحکم صدیق اکبرؓ ایک وقت میں

داخل ہوئے، یعنی ایک ہی وقت میں عراق کے شمال اور جنوب میں عربیوں نے حملہ کیا۔ اور بے تکلف بڑھتے چلے گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مثنیٰؓ بھی خالدؓ سے آملے، اُس وقت عراق چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا جن کو خالد نے یکے بعد دیگرے بلا مزاحمت جزیہ کی شرط پر پیچھے چھوڑا اور سرعت کے ساتھ "ہرمز" کے استقبال کے لئے جو کسریٰ کی طرف سے عراق کا حاکم تھا بڑھے، ادہر ہرمز بھی اپنے لشکر کو جن میں زیادہ تر عربی اور متنصرہ عرب تھے "حضیر" پہ جمع کر رہا تھا، جسکے میدان میں خالد کے ہراول کے ساتھ جو مثنیٰ بن حارثہ کے ماتحت تھا اور چھ ہزار کی جمعیت تھی مڈبھیر ہو گئی۔

اہل فارس فنون حرب سے خوب واقف تھے، چنانچہ خندق کے متعلق جو عرب میں پہلے پہل مدینہ کے محاصرہ میں آنحضرتؐ نے سلمان فارسیؓ کے صلاح و مشورہ سے کھودی ہم لکھ چکے ہیں، اس جنگ میں جو ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے اپنی لشکر گاہ کی چاروں طرف لوہے کی زنجیروں سے باڑھ باندہ رکھی تھی تاکہ عربی سوار حملہ آور نہ ہوسکیں، یہ بھی عربوں کو عجیب بات معلوم ہوئی اور اس جنگ کا نام "ذات السلاسل" رکھا۔

خالد کے ماتحت اُس وقت اٹھارہ ہزار آدمی تھے، تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ مثنیٰؓ اور دوسرا حصہ عدی بن حاتم اور تیسرا حصہ اپنے ماتحت رکھ کر "حضیر" کی طرف بڑھے، تینوں فوجوں میں ایک ایک منزل کا فاصلہ تھا، ارادہ تو یہ تھا کہ مثنیٰ کے حملہ کے بعد عدی تازہ دم فوج کے ساتھ حملہ آور ہوں اور اس کے بعد خود حملہ کریں لیکن "ہرمز" نے جنگ کی بساط جس طرح بچھائی تھی اُسی پر مقابلہ کرنا پڑا۔

میدان حضیر میں دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، کہ خالدؓ سوار ہو کر اپنی صفوں سے آگے نکلے، اور بہ آواز بلند اپنا حسب و نسب بیان کیا اور ہرمز کو مبارز طلب کیا، ہرمز بھی سوار ہو کر نکلا، اس کے بعد دونوں گھوڑوں سے اتر آئے۔

یہ زمانہ شجاعت تھا، میدان میں دو نبرد آزما فریقین کی طاقت کے نمایندہ نکلتے

اور زور آزمائی کرتے۔ دونوں لشکر صفیں باندھے خاموشی کے ساتھ دیکھتے اور حریف کے زور بازو اور شجاعت کا اندازہ کرتے، ابتدا خالدؓ نے کی، اور ہرمز پر تلوار کا وار کیا جو حریف نے پیچھے ہٹ کر خالی دیا، اس کے بعد ہرمز نے وار کیا، خالدؓ نے آگے بڑھ کر سرعت کے ساتھ کلائی پر ہاتھ ڈالا، یہ آہنی پنجہ تھا، اگرچہ ہرمز بھی بزعم خود فولاد بازو تھا، مگر خالد نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی، دونوں دست و گریبان ہو گئے، خالدؓ نے ہرمز کے کمربند میں ہاتھ ڈال کر صاف زمین سے اُٹھا لیا اور پھر زمین پر پٹک دیا، عجم کی صفوں سے چند سوار اپنے سردار کو بچانے کے لئے بڑھے، اِدھر سے قعقاع بن عمرو کچھ سواروں کے ساتھ خالد کی امداد کو آئے لیکن پیشتر اس کے کہ دونوں طرف کے سوار جمع ہوتے خالدؓ ہرمز کو قتل کر چکا تھا، اور حسب دستور اُس کے سلاح حرب پر قبضہ کر لیا، صرف خود ہی ایک لاکھ روپیہ کا تھا، اس کے بعد جنگ مغلوبہ شروع ہو گیا مگر بے سر فوج کے پاؤں جلدی اُکھڑ گئے، اور مال غنیمت سے خمس نوید فتح کے ساتھ صدیق اکبرؓ کے پاس بھیجا۔

ہمارا منشا یہ نہیں کہ جنگ کے مفصل حالات لکھیں جن کو تفصیل وار ہر ایک مورخ نے بیان کیا ہے، مختصر یہ کہ دورانِ خلافت صدیق اکبرؓ میں عربوں اور عجمیوں کا عراق میں چار پانچ جگہہ مقابلہ ہوا اور ہر ایک جگہہ مسلمان غالب رہے، عراق میں اگرچہ کسرےٰ کی طرف سے قواعدداں فوجین مقابلہ کے لئے برابر چلی آرہی تھیں لیکن زیادہ تر عرب ہی مقابلہ میں تھے جو سرزمین عراق میں قدیم الایام سے آباد تھے، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان عربوں کو اپنے بھائی مسلمان عربوں سے دلی ہمدردی تھی، قومیت کا تقاضا بھی کچھ تھا، اور مسلمان بھی ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے،

جب خالدؓ نے جنگ ذات السلاسل کے بعد "حیرہ" کا رخ کیا، راستہ میں چند مقامات پر کسرےٰ کی فوج سے مقابلہ ہوا، لیکن خالد راستہ صاف کرتا ہوا حیرہ پر پہنچ گیا، مرزبان حیرہ شہر و قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا، کیونکہ کسرےٰ فرخ زاد کے قتل کی خبر اُس کو پہنچ گئی تھی، لیکن دیگر سرداران لشکر نے قلعبند ہو کر لڑنا پسند کیا۔

حیرہ آباد شہر تہا اور عمارتیں بلند، دور سے کسی متکبر کی طرح سر اُٹھائے نظر آ رہی تہیں، خالدؓ نے قلعہ کا محاصرہ ڈال دیا، اور محصورین سے کہلا بہیجا کہ بہتر ہے کہ قلعہ ہمارے حوالہ کردو۔ اور شرائط صلح طے کرنے کے لئے کسی معمّر تجربہ کار آدمی کو بہیجدو، قلعہ سے دو شخص جن میں سے ایک بوڑہا اور دوسرا نوجوان تہا نکلے اور خالد کے پاس آئے، بوڑہے کا نام عبدالمسیح تہا، آتے ہی فصیح عربی میں "حیرہ" کی تعریف کی اور اُس کے گرد و نواح کی سیر حاصل زمین کی بہت کچھہ صفت بیان کی اور کہا ایک وہ وقت تہا کہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا، اب ایک ویران جگہہ ہے۔

خالدؓ تو کون ہے ؟

عبدالمسیح : بندہ خدا

خالد : کہاں سکونت رکھتا ہے ؟

عبدالمسیح : دنیا میں

خالد : کہاں سے آیا ہے ؟

عبدالمسیح : پشت پدر سے ہوکر شکم مادر سے،

خالد نے کسی قدر جھنجہلا کر کہا " یہ معمّے میری سمجھہ میں نہیں آتے صاف صاف میری طرح آدمیوں کی سی گفتگو کر"

عبدالمسیح : باتیں تو میں آدمیوں کی سی کر رہا ہوں تمہاری سمجھہ میں نہ آئیں تو میں کیا کروں"

خالد اچھا بتاؤ تم کون ہو ؟

عبدالمسیح : فرزند آدم۔

خالد : پھر وہی، اچھا بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے، صلح کا یا جنگ کا ؟

عبدالمسیح : صلح کا۔

خالد : تم عرب ہو کہ عجمی ؟

عبدالمسیح: تھے تو عرب مگر عجم ہو گئے، اب پھر عجم سے عرب ہو گئے۔

خالد: اب میں تمہارا مطلب سمجھ گیا- یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

عبدالمسیح: زہر کی پڑیا ہے

خالد: ہاتھ میں کیوں رکھی ہے،

عبدالمسیح: احتیاطاً اگر تمہاری طرف سے بدسلوکی ہو تو اپنی قوم کو منہ نہ دکھاؤں،

خالد: دیکھوں تو یہ زہر کیسا ہے -

عبدالمسیح نے چپکے سے پڑیا حوالے کی اور خالد نے ہتیلی پر رکھکر اور بسم اللہ و وباللہ رب الارض والسماء الذی لایضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء کہہ کر کھا گیا، تھوڑی دیر بظاہر عالم بیہوشی میں پڑا رہا اس کے بعد عبدالمسیح کو کہا کہ مناسب ہے کہ تم لوگ ہمارے ساتھ جنگ نہ کرو، اگرچہ زہر کا کھانا اور اس کا اثر نہ کرنا خالد کی کرامت میں شمار ہوتا ہے، لیکن امر واقع یہ ہے کہ عبدالمسیح کی گفتگو سے خالد سمجھ گیا تھا کہ "الحرب خدعة" پر عمل کرنا چاہیے، اور ایسا ہی کیا، چنانچہ لوگوں کے دلوں پر رعب چھا گیا اور قلعہ و شہر خوں ریزی کے بغیر مسخر ہو گیا،

خالد نے "حیرہ" پر چھاونی ڈالدی والیان عراق کے نام جو کسریٰ کی طرف سے حکمران تھے نامے لکھے۔

اما بعد فالحمد لله الذی حل نظامکم ووھن کیدکم وفرق کلمتکم ولو لم نفعل ذلك کان شرالکم فادخلوا فی امرنا ندعکم وارضکم ونجوزکم الی غیرکم والاکان ذلك فانتم کارھون علی ایدی قوم یحبون الموت کما تحبون الحیات،،

الحمد للہ جس نے تمہاری بدنظمی کو آشکارا کر دیا اور تمہارے پول کو کھول دیا، اور تمہارے شیرازہ کو بکھیر دیا، اگر ہم تمہارا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو تم تباہ ہو جاتے اگر تم ہمارا کہا مانو تو ہم تمہارا ملک تمہارے لئے چھوڑ دیں گے اور اور لوگوں کی طرف جائیں گے (تاکہ تبلیغ اسلام کریں) ورنہ یہ ہو گا کہ تم لوگ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو گے جو موت کو ایسا ہی دوست رکھتے ہیں جیسے تم زندگی کو۔

فی الحقیقت اس وقت فارس وعراق میں کوئی ذمہ وار حکومت نہ تھی، ایک مرد یا عورت تخت پر بیٹھتی اور قتل کی جاتی، عراق میں تو اس سے بدتر حالت تھی۔ جب مرکزی حکومت انتہا درجہ کی بدنصیبی میں ہو تو ملک میں عام فتنہ وفساد ایک قدرتی نتیجہ ہے ہم بیان کر چکے ہیں کہ قوموں کا قوموں پر غلبہ مساوات اور حریت کے منافی ہے، اور قدرتاً بہت دیر تک نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ لوح کائنات پر جلی حروف میں قوموں کا عروج ونزول اور تباہی لکھی ہوئی ہے، اس وقت سلطنت فارس قعر پستی کی طرف سرعت کے ساتھ نزول کر رہی تھی، اس کی سیاسیات کا تار و پود عرصہ سے سست پڑ چکا تھا اور نظام سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، خالدؓ کے نامہ سے ان ہی امور کی طرف اشارہ معلوم ہوتا تھا جن کے آخر میں خالد رضؓ نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا کہ ہوس ملک گیری ہماری مداخلت کی محرک نہیں ہوئی ہے بلکہ خود تمہاری بہبودی اور بہتری ہمارے مدنظر ہے، اور ہم اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں جو ہم پر ہے، اس لئے اگر تم ہمارا کہا مانو اور ہمارے صلاح ومشورہ پر عمل کرو تو فتنہ وفساد کا قلع وقمع ہو جائے گا، اور دو ہمسایہ طاقتیں امن سے ایک دوسرے کے پہلو میں بسر کرینگی، اور ہم تمہاری طرف سے مطمئن ہو کر اُن لوگوں کی طرف جائیں گے جنکو ہماری تبلیغ کی ضرورت ہے، تمہارا ہمارے ساتھ جنگ کرنا ایک عبث فعل ہے، تم عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہو جس نے تم کو نکما بنا رکھا ہے اور ہم ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"حیرہ" کے بعد خالدؓ نے "انبار" اور "عین التمر" کو مسخر کیا اور "دومۃ الجندل" میں عیاض بن غنم سے آملے، خالد "مدائن" پر قابض ہونا چاہتا تھا مگر پرچہ لگا کہ کسریٰ کی فوج "حیرہ" کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آ رہی ہے اس لئے پھر "حیرہ" کی طرف لوٹے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے قعقاع جس کو خالد نے "حیرہ" میں اپنا نائب چھوڑا تھا کسریٰ کی فوج کو شکست دے چکا تھا، اس کے بعد خالد رضؓ اس مقام کی طرف بڑھا جہاں بعد میں بغداد آباد ہوا۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد اس تمام علاقہ پر قبضہ جما لیا، اسی اثنا میں خالد رضؓ

کو صدیق اکبر رضؓ نے سپہ سالار افواج شام مقرر فرمایا، اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو تسخیر عراق پر مقرر فرمایا، خالد کچھ فوج کے ساتھ شام میں "بصریٰ" پر شرجیل بن حسنہ رضؓ کے ساتھ آملے جو شہر کا محاصرہ ڈالے پڑے تھے۔

قیصر

رومی شہنشاہت جس کا سنگ بنیاد اطالیہ (اٹلی) میں دریائے روم پر رکھا گیا، اور جن کی ایشیائی عالی شان عمارت سکندر اعظم کی فتوحات پر تعمیر ہوئی، اس وقت دو حصوں میں منقسم تھی، یورپ میں وہی پرانا دارالسلطنت "روم" تھا جس کی شان و شوکت کا زمانہ ہوچکا تھا، قسطنطنیہ ایشیائی اور افریقی مقبوضات کا پایہ تخت تھا، اُس وقت قیصر قسطنطنیہ پر "قلیاس" جس کو عربی مورخین "ہرقل" کہتے ہیں متمکن تھا جو یونانی تھا اور فی الحقیقت یہ رومی سلطنت یونانی شہنشاہت تھی، مگر "روم" کچھ ایسا زباں زد خلائق تھا کہ آج ایک مسلمان ترک بادشاہ بھی "سلطان روم" کہلاتا ہے، اور اس لئے عربی مورخین "ہرقل کو قیصر روم ہی کہتے ہیں۔

ہرقل سے پیشتر قسطنطنیہ کے تخت پر "فوقس" تھا" ہرقل نے "فوقس" کو تخت و تاج سے برطرف کر کے قتل کیا، اور اس وسیع شہنشاہت کا مالک بن بیٹھا، اس کا باپ افریقی مقبوضات کا گورنر تھا، لوگ "فوقس" سے ناراض تھے" اُس کو مدعو کیا مگر بوجہ ضعیف العمری معذور تھا، اس لئے یہ کام جو باپ سے نہ ہوسکا، بیٹے نے کیا جو ایک بہادر سپاہی تھا۔

کسرائے "پرویز" فوقس کا دوست تھا، ایران سے جان بچا کر بھاگا تو فوقس نے پناہ دی، اور رومی سپاہ کی مدد سے تخت و تاج حاصل کیا، کب گوارا کرسکتا تھا کہ ایک دوست مارا جائے اور وہ چپکا بیٹھا رہے، جوش انتقام میں دریائے فرات کو عبور کر کے شام میں داخل ہوا اور تمام مشہور شہر بجبر و قہر مسخر کر لئے، اور ہرقل کو پے در پے شکست دی۔

"غُلِبَتِ الرُّوْمُ" شاہد ہے کہ آتش پرست کسریٰ کی فتوحات نے رسول خدا م
اور مسلمانوں کو غمگین بنا رکھا تھا، کیونکہ ان کو اہل کتاب سے دلی ہمدردی تھی، اور
کفار عرب خوش تھے کہ وہ لوگ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اکثر عقائد میں ہم خیال
ہیں تباہ ہو رہے ہیں۔

سنہ ۶۲۲ء میں خسرو پرویز شام اور دیگر ممالک کی فتوحات سے فارغ ہوا۔ اور
سنہ ۶۲۵ء میں رومیوں نے از سر نو اُن ممالک پر قبضہ کیا، یعنی "بضع سنین" میں فتح
پھر رومی علم پر لہرائی، اور ادہر جنگ بدر میں مسلمانوں نے نمایاں فتح کفار پر حاصل کی،
ہرقل ایرانی مہم سے فارغ ہو کر یروشلم میں مقدس مقامات کی زیارت کے لئے
آیا اور بطریق سے دریافت کیا کہ "کیا مسیح کا جن کی پرستش ہم کرتے ہیں اور جن کا جسم
بظاہر ایک تھا مگر دو فطرتیں تہیں ارادہ بہی ایک تھا یا دو تھے" جواب ملا کہ ارادہ بہی
ایک ہی تھا۔"

"گبن" لکھتا ہے کہ اُس وقت مسیحی دنیا مذہبی مباحثہ میں اس قدر اُلجھی ہوئی تہی
کہ کلیسا، کی تاریخ نے دیگر واقعات کو پس پشت ڈال رکھا تھا، مذہب عیسوی کا دارو
مدار مسیح کی ذات ہے، اور اسی لئے عیسائی دنیا کی مذہبی تحقیقات تثلیث یا حلول والحاد
میں محدود رہی،

ابتدا میں عیسائیت کی اشاعت بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں
ہوئی، یہودی جو موسوی شریعت سے واقف تھے کسی ایسے مسیح کے منتظر نہ تھے جس کا
مرتبہ انسانی درجہ سے بلند تر ہوتا، اور نہ ان لوگوں نے حضرتِ عیسیٰ ع کی پیروی آنجناب
کو کچھ اور سمجھ کر کی، مسیح کے حواری آنجناب کو اپنا دوست اور ہم وطن اور پیر و مرشد
سمجھ کر بے تکلف گفتگو کرتے تھے اور اکثر اوقات مشورہ میں شریک ہوتے، اور بعض
اوقات اعتراض بہی جما دیتے، آنجناب کو ابن آدم ہی سمجھتے تھے، اور مسیح بہی ان کی نگاہ
میں اس سے زیادہ نہ بچتے تھے، مسیح کا بچپن، لڑکپن، جوانی اور بتدریج قد و قامت اور
عقل کا بڑھنا انہیں اچھی طرح معلوم تھا، صلیب پر جسمانی اور روحانی تکالیف برداشت کرتے

ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے' آنجناب ان کے درمیان رہے اور فوت ہوئے ان شہادتوں سے وہ صرف اُنہیں فانی انسان ہی سمجھ سکتے تھے، وہ مصلح قوم تھے یہودیوں سے دلی ہمدردی تھی، ان کی سنگ دلی اور فریسیوں اور کاہنوں کی ایمان فروشی پر ایک انسان کی طرح زبان طعن کھولی اور ملامت کی، اور یروشلیم کی آیندہ بربادی پر پیش از وقت آنسو بہائے، یہ تمام شہادتیں انسانیت کی دلیل ہیں، اعجاز عیسوی بھی کچھ ایسی بڑی بات نہ سمجھتے تھے، آنجناب سے پیشتر حکیموں نے سخت سے سخت امراض کا علاج کیا، پیغمبروں نے مردوں کو زندہ کیا، بحر کو پھاڑا، آفتاب کو ٹھیرایا آتش گاڑی میں آسمان پر چڑھ گئے، استعارہ کے رنگ میں تمام یہودی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا، بلکہ پلوٹھا، سمجھتے تھے، ان کے بزرگ اور شہید تو بدرجہ اولی اس خطاب کے مستحق تھے، اگر حضرت عیسیٰ کو یہودی عیسائی خدا کا بیٹا کہتے تھے تو فی الحقیقت معنوی لحاظ سے نہیں، اور نہ مسیح ایسے تھے، "ابنائتی" اور "ناصری" فرقہ کے عیسائی جو ابتدا میں تھے مسیح کو ایک بشر اور پیغمبر سے زیادہ رتبہ نہ دیتے تھے، مگر زمانہ اپنا رنگ بدلتا گیا، وہ لوگ چل بسے اور سلف کے ناخلف جانشین ہوئے، اور بدعت و شرک نے مذہب میں مستقل دخل پالیا غیر اقوام میں اشاعت مذہب کے باعث عیسائی مشنریوں کو بت پرست اور مختلف عقائد کے لوگوں سے سابقہ پڑا، اور مشرکین کے اوتاروں اور دیوتاوں پر مسیح علیہ السلام کو ترجیح دینے کے لئے آنجناب کی ذات میں ایسے اوصاف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جنہوں نے خود مسیح علیہ السلام کو دیوتا، اوتار، خدا کا بیٹا اور خدا بنا دیا۔

مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پیشتر دنیا کے مختلف حصوں میں ایسے اوتار اور دیوتا بے شمار گذرے ہیں جن کا تذکرہ اساطیر الاولین میں مفصل ہے، اور جو ماں باپ یا باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور ان میں سے بعض قسمت ابھی تک زندہ ہیں، جس وقت عیسائیت بادشاہی مذہب ہوا رومی اور یونانی فلاسفروں

نے تثلیث کے مسئلہ میں وہ موشگافیاں کیں کہ مسیحی الوہیت کو معقولیت کے ساتھ تسلیم کیا گیا، لیکن طبائع و خیالات اور ملکی آب و ہوا اور رسم و رواج کے اختلاف نے اس شرک وحدت نما میں نزاع لفظی و معنوی پیدا کر دیا، اور رومی دَور دَورہ کے آخری دو سو پچاس برس مختلف عیسائی فرقوں کے عروج و نزول، اور باہمی مقدس جنگ میں بسر ہوئے جو خونریز تو نہ تھے مگر بنیاد مذہب اور عوام الناس کے عقائد کو متزلزل کر دیا، یورپ اور ایشیا و افریقہ میں پیشوایان دین مسیحی نے ایک دوسرے کے برخلاف کفر و ارتداد کے فتوے صادر کئے، اور اس عرصہ میں مختلف عیسائی ممالک میں اپنے اپنے کلیسیا قائم کئے جن کے عقائد ایک دوسرے سے مختلف تھے ؎

المختصر اس وقت مسیحی دنیا مسیح کی الوہیت و عبودیت اور تثلیث اور حلول و اتحاد کے مسائل کو معقول دلائل سے حل کر رہے تھے، اور جب دلائل سے جو ایک فرقہ دوسرے کے خلاف استعمال کرتا تھا کام نہ چلتا تو برہان قاطع یعنی زور بازو پر اُتر آتے، اس وقت جبکہ ہرقل کا دماغ بھی مسیح کی فطرت اور ارادہ کی نوعیت پر فکر کر رہا تھا دحیہ بن خلیفہ کلبی آنحضرتؐ کی طرف سے دعوت کا پیغام لیکر آیا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم، تسلم، یؤتک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فان علیک اثم الاولین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ۝

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل شاہ روم کے جانب، سلام اُس پر جس نے ہدایت کی متابعت کی اما بعد میں تجھ کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر سلامت رہیگا، اللہ تجھکو دُگنا اجر دے گا، اور اگر رُوگردانی کریگا تو رعایا کا وبال بھی تجھ پر ہوگا، اے اہل کتاب آؤ ہم ایک بات پر جو ہم دونوں میں یکساں ہے اتفاق کریں کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود اور عبادت میں اُس کا کوئی اور شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا کسی شخص کو اپنا رب تسلیم نہ کریں، اگر تم نہیں مانتے تو یاد رکھو

کہ ہم مسلمان ہیں۔

عربی مورخ لکھتے ہیں کہ ہرقل کو صداقت اسلام کا یقین ہو گیا تھا مگر اس نے اس کا اظہار علی الاعلان نہ کیا، کیونکہ تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑتا تھا یہ تو دعوت اسلام تھی، آنحضرت صلعم کو قیصر اور ملک سے کچھ غرض نہ تھی، تبلیغ فرض تھی اور اس سے آنحضرت صلعم سبکدوش ہو چکے تھے۔

لیکن جہاں آنحضرت صلعم نے والیان یمامہ، و عمان، و بحرین، و اسکندریہ کو دعوت اسلام دی حرث بن شمر غسانی والی دمشق کو بھی نامہ لکھا:۔

"السلام علی من اتبع الھدیٰ وآمن به ادعولت الی ان تؤمن باللہ وحدہٗ لاشریك لہٗ یبقی لہ ملك، اللہ کی رحمت اس پر جو ہدایت کا تابع ہوا، اور اس پر ایمان لایا، میں تجھ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لائے جس کا کوئی شریک نہیں، اور اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا ملک باقی رہے گا۔"

حرث بن شمر سخت برافروختہ ہوا اور کہا کہ کون شخص میرا ملک مجھ سے چھینے گا میں خود اس کی طرف جاتا ہوں۔

اسی مضمون کا نامہ آنحضرت صلعم نے شرجیل بن عمرو غسانی "والی بصریٰ" کو لکھا شرجیل نے آنحضرت صلعم کے ایلچی حارث کو قتل کروا دیا۔

دحیہ کلبی جب ہرقل کے دربار سے واپس ہوئے تو راستہ میں بنو ضلیع کے سردار ہنید بن عوض نے بحالت غفلت دحیہ پر شبخون مارا اور جو کچھ مال و اسباب ہمراہ تھا لوٹ لیا۔

ان لوگوں کی سرکشی کا یہی تقاضا تھا کہ آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو بنو ضلیع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، ہنید لڑائی میں مارا گیا اور بنو ضلیع کے حواس درست ہو گئے۔

شرجیل بن عمرو غسانی کو واجبی سزا دینے کے لئے بھی زید بن حارثہ کے ماتحت تین ہزار کی سپاہ روانہ کی گئی، خلاف توقع ہرقل کی سپاہ نے شرجیل کی مدد کی، موتہ کی خونریز لڑائی میں زید رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلعم کے ابن عم جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن

رواحہ شہید ہوئے، اس وقت خالد بن ولید جو اس لشکر میں بحیثیت سپاہی لڑ رہے تھے علم لے کر آگے بڑھے اور مسلمان پسپا ہوتے ہوتے ٹھہر گئے اور جی توڑ کر لڑنے لگے سپاہ شام پسپا ہو گئی اور خالد نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ بروقت شب میں مدینہ کی طرف مراجعت کیجائے۔ خالد اسی غزوہ کے باعث سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہ مشہور ہو گیا

ایک اور مہم اہل شام کے برخلاف تیار ہو گئی، اس کے سپہ سالار رسول خدا بذات خود تھے، دس دن کے بعد چشمۂ تبوک پر پہنچے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے، خونریزی کے بغیر سرحدی قبائل نے جزیہ دینا قبول کیا، اور صلح و امن کا عہد باندھا گیا۔

جب آنحضرتؐ حجۃ الوداع کے بعد مدینہ میں واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ہرقل عرب پر حملہ کرنے کے لئے سرحد شام پر فوج جمع کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک لشکر بسر کردگی اسامہؓ بن زید شہید موتہ کی طرف روانہ کیا، اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ ابوبکرؓ عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و عباسؓ و سعد بن ابی وقاصؓ و ابو عبیدہؓ بن الجراح و سعدؓ بن زید و قتادہ بن النعمان و سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسامہؓ کے ماتحت تھے، یہ لشکر ابھی نواح مدینہ ہی میں تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے انتقال فرمایا، اور صدیق اکبرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیکر پہلا کام یہ کیا کہ اسامہؓ کو شام کی طرف روانہ کیا، اور خود اسامہ کے ساتھ "جرف" تک آئے، اثنائے راہ میں اسامہؓ کو سمجھایا کہ میری چند ہدایات یاد رکھو، یہ مہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تیار ہوئی تھی، جو کچھ رسول اللہؐ نے تمہیں اس مہم کی نسبت فرمایا تھا اُس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا جھوٹ نہ بولنا، بدعہدی نہ کرنا، لڑکے، بوڑھے اور عورتوں کو قتل نہ کرنا کوئی پھل دار درخت نہ کٹوانا، اور نہ جلانا، اور نہ کاٹنا، بلا ضرورت بکری اور گائے اور اونٹ کو ظلماً ذبح نہ کرنا، جب کسی قوم پر گذرنا تو نرمی سے دعوتِ اسلام دینا، جب کسی سے ملنا تو حفظ مراتب کا خیال رکھنا، جو شخص لڑے اُس سے لڑنا، ہر ایک کام میں

تمہاری غرض رضائے الٰہی کے مطابق ہو، نفسانیت کو مطلق دخل نہ ہو، اللہ کے راہ میں اور اللہ کے نام پر کفار سے لڑو"، دو ماہ بعد اسامہؓ مظفر و منصور مدینہ کی طرف واپس آئے۔

عموماً غلط فہمی سے یہ سمجھا گیا ہے کہ آنحضرتؐ اور خلافت نے رومی شہنشاہیت سے چھیڑ چھاڑ شروع کی، بات اصل میں یہ ہے کہ شام میں عرب شامیوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، یہ عرب چونکہ عیسائی تھے اس لئے "عرب متنصرہ" کہلاتے ہیں، رومی سلطنت کا اُن کے ساتھ دوستانہ تعلق تھا، اور یہی وجہ ہے کہ قیصر نے اُنکی امداد کی، عرب متنصرہ مسلمانوں کے بھائی بند اور قیصر کے ہم مذہب تھے، ارض شام تو قدیم الایام سے ان کے قبضہ میں تھی، رومی سلطنت کا اگر کبھی غاصبانہ قبضہ رہا تو عارضی تھا، ان تمام لڑائیوں میں اگرچہ قیصر نے متواتر کمک روانہ کی مگر فی الحقیقت زیادہ تر عرب متنصرہ، غسان۔ لخم۔ جذام وغیرہ میں رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب متنصرہ کو "اسلام" کے اصول سے آگاہی ہوئی، اور رومی حکومت کا دامن چھوڑ کر خلافت کا سایۂ عاطفت قبول کیا تو رومی لشکر کے ساتھ براہ راست مسلمانوں کا جنگ شروع ہو گیا، جہاں تک ان لڑائیوں کا تعلق صدیق اکبرؓ کی خلافت کے ساتھ ہے ہم واقعات اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

نظارہ

ایک وہ وقت تھا جب آنحضرتؐ اپنے یار غار کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں آئے جو چند جھونپڑیاں تھیں، اس کے بعد اسلامی طاقت کا مرکز یہی جگہ قرار پائی اور یثرب "مدینۃ النبی" ہو گیا۔ صحابۂ کرام نہایت سادہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے، اگرچہ فتوحات اور تسخیر ممالک کے باعث روپیہ عام تھا، مگر اُنہوں نے نہ تو تعمیر عمارت اور نہ خورد و نوش میں صرف کیا، بلکہ ہمیشہ فقرا و مساکین اور بیواؤں اور یتیم بچوں کی پرورش بیت المال سے کرتے رہے،

اس پر مفصل بحث ہم مناسب مقام پر کریں گے، یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مدینۃ النبی کی آبادی سرعت کے ساتھ بڑھ گئی، لیکن اس میں وہ عالی شان قصر جس کا ایک نمونہ مدائن میں تھا کبھی دیکھنے میں نہیں آئے، خلفاء کی رہائش آخر وقت تک جھونپڑیوں میں ہی رہی۔

صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں یہی جھونپڑیاں نظر آتی تھیں۔ غیر ممالک سے سفیر آتے تو خلیفہ کو ایک کمبل پوش اور دار الخلافت کو ایک جھونپڑی دیکھ کر ششدر کے عالم میں رہ جاتے، یہ وہ خلیفہ تھا کہ جس کی فوج نے اس وقت عراق اور شام کی وادیوں کو اپنا جولاں گاہ بنا رکھا تھا۔

اگرچہ مدینہ اس وقت تمدن کے نقش و نگار اور نمود بے بود سے آراستہ نہ تھا مگر اس جگہ ہر روز دلکش نظارہ دیکھنے میں آتا جسے ہم ایک مورخ کے لفظوں میں کھینچتے ہیں۔

جب ردت کا خاتمہ ہوگیا تو رومی حملہ کے خوف نے جس کی تیاری حدود شام پر ہو رہی تھی، صدیق اکبرؓ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا۔ آپ نے بلاد عرب میں اپنے قاصدوں کو روانہ کیا اور لکھا کہ اپنے ملک اور قوم اور مذہب کی حفاظت کے لئے کمر ہمت باندھ لو، اور اپنے اپنے قبائل کے ساتھ مدینہ میں جمع ہو جاؤ۔

انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ۔

صدیق اکبرؓ کی دعوت پر ہر ایک طرف سے قبائل عرب اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ مدینہ میں جمع ہونے لگے، صدیق اکبرؓ کو بھی ان لوگوں کا انتظار تھا۔ ایک دن مدینہ کے باہر قبائل یمن کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، انس بن مالک خادم رسول اللہ صلعم نے اُن کی روانگی سے پہلے ہی سے اطلاع دیدی تھی، صحابہ کبار آپ کے ساتھ چشم براہ تھے کہ ذو الکلاع حمیری اپنے قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ صدیق اکبرؓ کی طرف آیا، اور کہا، اتتك حِمْيَرٌ بالأهلينَ والولد،

(تیری طرف اے خلیفہ) بنی حمیر اپنے اہل اور اولاد کے ساتھ آئے ہیں۔

اهل السوابق والعالون فی الرتب

یہ لوگ چابک دست اور بلند مرتبہ ہیں

اسد غطارفة شوس عمالقة

یہ اولاد عمالقہ ہیں اور جواں مرد شیر ہیں

یردوا الکماة غداً فی الحرب بالغضب

پہلوانوں کو جنگ میں غضب ناک ہو کر زمین پر پھینکیں گے

الحرب عادتنا والضرب ھمتنا

جنگ کرنا ہماری عادت ہے اور حملہ کرنا ہماری ہمت ہے

وذوالکلاع دعا فی الاھل والنسب

اور ذوالکلاع اپنے قبیلہ اور اہل کے ساتھ خود آیا ہے

دمشق لی دون کل الناس اجمعہم

اور دمشق کو میں تنہا ہی فتح کرسکتا ہوں دوسروں کی امداد کی ضرورت ہی نہیں ہے

وساکنیھا ساھو یھم الی العطب

اور اہل دمشق کو جلدی میں تلوار کے گھاٹ اتار دونگا

اسی طرح کے قدیم دستور کے مطابق قبائل اشعار رجز پڑھتے ہوئے خلیفہ رسول اللہ کے سامنے آتے اور مدینہ کے باہر قیام گاہ کی طرف جاتے۔ اتنے میں قبیلہ مذحج عربی گھوڑوں پر سوار آپہنچے۔ ان کا سردار قیس بن ہبیرہ صدیق اکبر کی طرف بڑھ کر کہنے لگا،

اتتک کتائب منا سراعاً

(اے خلیفہ) قبیلہ کے نوجوان پہلوان تیری طرف آئے ہیں

ذوی التیجان اعنی من مراد

یہ لوگ صاحب تاج ہیں یعنے بنی مراد سے ہیں

فقد منا اماملت کی ترانا

ہم سب تیرے روبرو اس لئے آئے ہیں کہ تو ہمیں دیکھے

نبین القوم بالسیف البخاری

کیا اچھی قوم ہم ہیں جن کے پاس کیا اچھی تلواریں ہیں

اسی طرح قبیلہ بنی طے، حارث بن سعد طائی کے ساتھ اور بنی ازد جندب بن عمر دوسی کے ہمراہ، اور بنو عبس مغیرہ بن مسروق کے ماتحت اور بنو کنانہ حیثم بن اسلم کے ہم رکاب آئے۔

چند روز میں اہل مکہ و طائف و بنو کلاب و ہوازن و ثقیف بھی یکے بعد دیگرے مدینہ میں جمع ہو گئے، میلوں تک یہ خدائی لشکر پھیلا ہوا تھا۔ اور سرداران قبیلہ ہر روز اصرار کرتے تھے کہ کفار کے مقابلہ میں اُن کو فوراً روانہ کیا جائے کیونکہ مدینہ میں اب گنجائش نہیں رہی ہے۔

صدیق اکبرؓ نے ایک ایک ہزار کا دستۂ فوج مرتب کیا اور اُس پر ایک ایک سپہ سالار اور اُس کے ماتحت اور افسر مقرر کئے، سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان کو حمص کی طرف اور اُس کے بعد عمرو بن العاص کو فلسطین اور شرجیل بن حسنہ کو بلقار اور خالد بن سعید کو سماوہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ابو عبیدہ بن الجراح "امین الامۃ" کو تمام افواج کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا۔

اگر ہم اِن لڑائیوں کا مختصر تذکرہ بھی لکھیں جو مسلمانوں کو عرب متنصرہ اور رومیوں کے مقابلہ میں پیش آئیں تو ایک دفتر چاہیئے۔ اس لئے صرف خالد کا تتبع کرتے ہیں جس کو صدیق اکبرؓ نے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ابو عبیدہ رضؓ کی جگہہ افواج شام کا سپہ سالار مقرر کیا، اور وہ عراق سے ایک ہزار پانچسو سپاہ کے ساتھ شرجیل بن حسنہؓ کے ساتھ "بصری" کا محاصرہ ڈالے ہوئے تھے۔ آملے۔

"بصری"

"بصری" حوران کے علاقہ میں دمشق سے چار منزل پر ایک مضبوط قلعہ بند شہر تھا، چونکہ شام، عراق، اور حجاز کے کاروان اس جگہہ جمع ہوتے، اس لئے یہ تجارتی منڈی بھی تھی اور شہر بارونق تھا، تجارت نے اپنے دولتمند اور آباد اور حکومت نے اُسے محفوظ اور آباد شہر بنا دیا تھا،

یہ وہی شہر تھا جہاں "دیر بصری" کی عمارت تھی، جہاں رسول کریم ص کی ملاقات "بحیرہ راہب" سے ہوئی تھی، آنحضرتؐ اس وقت ایک تاجر کی حیثیت میں اس جگہہ وارد ہوئے تھے۔

شعراءِ عرب نے اِس شہر اور دیر کی بہت تعریف لکھی ہے، صمۃ بن عبداللہ القشیری لکھتا ہے:۔

نظرت وطرف العین یتبع الھوے	بشرقی بصری نظرۃ المتطاول
لا بصر نارا اوقدت بعد ھجعۃ	لریا بذات الرمث من بطن جائل

رومی گورنر "رومانس" اِس شہر کی حفاظت کر رہا تھا، عربی مورخین نے اسکی بہت تعریف لکھی ہے کہ تواریخ پر اس کا عبور تھا، اور فلسفہ اور حکمت میں اسکی شہرت اس علاقہ میں دور دور تک تھی، جب شرجبیل بن حسنہؓ کاتب وحی نے بصری کے سامنے خیمہ استادہ کیا اور اہل بصری بھی مقابلہ و مقاتلہ پر آمادہ ہو گئے "رومانس" نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ مناسب ہے کہ ہم ان سے اِنکی غرض دریافت کریں، اگر گشت و خون کے بغیر یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو بہتر ہوگا اتنا سمجھا کر خود ہی شرجبیل بن حسنہؓ کے پاس آیا، جب شرجبیل کو معلوم ہوا کہ رومانس والی بصری کا ہے تو بخیال حفظِ مراتب نہایت عزت و احترام سے پیش آئے رومانس کی تیز نگاہ نے مسلمانوں کی جمعیت اور سامانِ حرب کا صحیح اندازہ کر لیا، اور گفتگو میں جو حسب ذیل ہوئی مسلمانوں کے مذہب اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق

سوال کئے:۔

"رومانس" تمہارا مذہب کیا ہے؟

"شرجبیل" اسلام!

"رومانس" کس نبی کے ذریعہ یہ مذہب تمہیں ملا ہے؟

"شرجبیل" محمد صلی اللہ علیہ وسلم جسکی تعریف توریت و انجیل میں مفصل ہے جس کو ہم مانتے ہیں۔

"رومانس" محمدؐ کہاں ہے؟

"شرجبیل" وفات پا گئے۔ اور ہم اُن کے صحابہ ہیں۔

"رومانس" محمدؐ کی جگہہ کون تمہارا امیر ہے؟

"شرجبیل" عتیق ابن عامر ابی قحافہ بن بکر بن تیم بن مرہ۔

"رومانس" عتیق! وہ تو میرا دوست ہے، اس جگہہ کئی دفعہ مال تجارت لیکر آیا۔ اب تم کس ارادہ سے اس جگہہ آئے ہو؟

"شرجبیل" تمہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے کے لیئے۔

"رومانس" و کیا؟ تمہارے خیال میں ہم گمراہ ہیں؟

"شرجبیل" ایسے گمراہ کہ تمہیں اپنی گمراہی کا بھی علم نہیں، یہ گمراہی کیا کم ہے کہ تم ایک بشر کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہو۔

"رومانس" مگر وہ تو باپ کے کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے،

"شرجبیل" آدمؑ بھی تو بغیر باپ کے پیدا ہوا بلکہ اُس کی ماں بھی نہ تھی۔

"رومانس" کا منہ بند ہو گیا، تھوڑی دیر خاموش رہا اور کہا کہ بات تو تم نے معقول کہی ہے، میں اس پر غور کروں گا اور امید ہے کہ تم مجھے غور و فکر کے لئے مہلت دو گے۔

"شرجبیل" بے شک اگر ہمارے مذہب سے کچھ شک و شبہ ہو تو پوچھ لینا،

"رومانس" لیکن کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ تم جنگ بالکل موقوف کر دو۔ عتیق میرا بھی

دوست ہے اور اگر وہ تمہاری جگہہ ہوتا تو ہرگز مجھ سے نہ لڑتا،

"شرجبیل" میں تو سپہ سالار کے حکم کے تابع ہوں اگر وہ مجھے حکم دیتا کہ اکیلا اس شہر پر حملہ کروں تو بخدا بلا تامل ایسا ہی کرتا، اور ہمارے امیر کے متعلق بھی تمہاری رائے غلط ہے۔ اگر اس کا اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی تمہاری جگہہ پر ہوتا تو ہرگز بپاس اسلام" کوئی رعایت نہ کرتا،

"روماس" یہ نہ سمجھو کہ میں لڑائی سے جی چراتا ہوں مجھے تمہاری سپاہ کی قلت اور شہر کی مضبوط دیواروں کا بخوبی علم ہے اگر ہم کھلے میدان میں تمہارا مقابلہ کریں تو امید ہے کہ ہم ہی غالب آئیں گے، اس میں کچھہ شک نہیں کہ تم لوگ ارادہ کے پکے ہو، اور میں بے فائدہ کشت و خون پسند نہیں کرتا، اس لئے اگر قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہوں تو ناممکن ہے کہ تم اس شہر کو مسخر کر سکو؛

"شرجبیل" میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض یافتہ ہوں اور کاتب وحی ہوں، ارشاد الٰہی کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ تھوڑے بہتوں پر غالب آتے ہیں اگر اللہ چاہے، ہاں استقلال شرط ہے؛

"روماس" یہ بھی صحیح ہے لیکن کیا اور کوئی صورت مصالحت نہیں ہے!

"شرجبیل" کیوں نہیں، بلکہ ہمیں تو حکم ہے کہ حتی الوسع جنگ و جدل سے احتراز کریں، اور پہلے دعوتِ حق دیں، اگر تم لوگ اسلام کو قبول نہیں کرتے تو نہ سہی دین میں کچھہ جبر و اکراہ نہیں، مصالحت کی صورت میں جزیہ ادا کرنا پڑیگا، اور اتنی قم جو تم پر گراں نہ ہو اور تم بخوشی خاطر ادا کر سکو، بچے، بوڑھے، عورتیں، اپاہج، عبادت خانوں میں رہنے والے، فقرا و مساکین اس سے مستثنےٰ ہیں جن سے لڑنا بھی ہمارے ہاں ممنوع ہے، اقل درجہ ایک دینار، اور زیادہ سے چار دینار فی کس سالانہ جزیہ ہے، اور یہ اس سپاہ کے مصارف میں خرچ ہوگا جو اس جگہہ تمہارے جان و مال کی حفاظت کے لئے رہے گی، اور تمہارے لئے فوجی خدمت معاف ہے اور

تمہاری ریاست اور حقوق محفوظ رہیں گے "۔

"رومانس" شرائط بہت نرم ہیں، اور عقلمند قوم سے اس کی توقع نہیں "

"شرجیل" ہمیں ہوسِ ملک گیری نہیں، تبلیغ اسلام ہمپر فرض ہے تاکہ لوگ ایک دفعہ نور ہدایت سے واقف ہو جائیں، اب چونکہ فہم انسانی بلوغت کی حد تک پہنچ گیا ہے اور ہر ایک عقلمند حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے، اِس لئے اپنا نفع و نقصان خود سوچ سکتا ہے، بچوں پر اُن کی بہتری کے لئے جبر کیا جا سکتا ہے مگر بالغ و عاقل دنیا اس مرحلے کو طے کر چکی ہے، میں ظاہر کر چکا ہوں کہ میں کاتب وحی ہوں اس لئے جو کچھ کہتا ہوں اس کی سند میرے پاس موجود ہے "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

"رومانس" یہ تو سراسر حکمت کی باتیں ہیں اور کوئی عقلمند ان کا انکار نہیں کر سکتا"

"شرجیل" اور صرف بیوقوف ہی اس کا انکار کریں گے، اس لئے اگر وہ کچھ عرصہ ہمارے درس میں شامل رہیں تو ممکن ہے راہ راست پر آ جائیں "

"رومانس" اگر اسلام یہی ہے تو مجھے قبول کرنے میں کچھ بھی عذر نہیں "

"شرجیل" الحمد للہ، اسلام یہی کچھ ہے کہ محمد ایک بشر تھا"

"رومانس" کون اُس کی بشریت سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ تو بدیہی بات ہے "

"شرجیل" لیکن تمہاری قوم اس بداہت کا انکار کر رہی ہے، ابھی تم نے کہا تھا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یعنی بشر نہیں، نبی بشر ہی ہوتے ہیں "

"رومانس" خوب!

"شرجیل" اچھا جب تم نے تسلیم کر لیا کہ نبی بشر ہی ہوتے ہیں تو اللہ واحد ہے اُس کا کوئی شریک نہیں، نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے "

"رومانس" یہ تو ہم مانتے ہی ہیں "

"شرجیل" اگر تم یہ مانتے ہو تو مسلمان مومن ہو اور ہمارے بھائی ہو، تمہارے علم و حکمت کی شہرت جو ہمارے کانوں تک پہنچی ہے غلط نہ تھی "

روماس کچھ عرصہ خاموش رہا، اور پھر کچھ سوچکر جواب دیا کہ" بھائی! مناسب یہ ہے کہ تم چند روز تک صبر کرو۔ میں اپنی قوم کے پاس واپس جاتا ہوں اُن کو سمجھاؤنگا ممکن ہے کہ راہ راست پر آجائیں، اگر نہ مانا تو میں تمہیں اطلاع دوں گا، پھر تمہارا اختیار ہے جو چاہو کرو۔"

شرجبیل نے بھی روماس کے مشورہ پر عمل کیا۔

روماس نے دوسرے روز مجلس جنگ منعقد کی جس میں ارکان شہر اور مذہب موجود تھے، جو کچھ گفتگو شرجبیل بن حسنہؓ کے ساتھ ہوئی تھی اُس کا لب لباب سمجھایا۔ اور مشورہ طلب کیا، ان لوگوں پر اول تو خاموشی طاری رہی، بعض عقلمند اُٹھے اور روماس سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے، روماس نے کہا کہ میری رائے تو یہی ہے کہ جنگ نہ کرنا چاہیے، اور جزیہ پر صلح کرلیں، اس پر اکثر حاضرین سخت برہم ہوئے، ایک جوش غضب میں اُٹھا اور روماس کو مخاطب کرکے کہا کہ بہتر ہے کہ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ رہو، ہم ضرور ان لوگوں کو یہاں سے مار کر نکال دیں گے۔ روماس نے بہت سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ نہیں مانتے تو کہا کہ بہتر ہے جس طرح تم مناسب سمجھتے ہو کرو اور اُس کی اطلاع شرجبیلؓ کو دی کہ صبح اہل شہر تم پر حملہ کریں گے۔

روماس تو چپکے سے گھر میں بیٹھ گیا جو فصیل شہر سے ملحق تھا اور علی الصباح دیرجان،، اہل بصریٰ کو لیکر فصیل شہر پر برآمد ہوا اور مسلمانوں کی صفوں کو آراستہ پایا، اہل شہر نے تیر باری شروع کردی، مسلمانوں کی طرف سے بھی جواب دیا گیا لیکن پیش قدمی کی جرأت نہ کی، اسی طرح چند روز مقابلہ ہوتا رہا، اہل شہر فصیل سے تیر برساتے رہے لیکن اُن کا اثر مسلمانوں پر نمایاں نہ تھا، چونکہ اس وقت تک شرجبیل نے شہر پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی، اس لئے اہل شہر کا حوصلہ بڑھ گیا، اور یہ ارادہ کرلیا کہ

ضمیمہ ۲ مولف نے اس گفتگو میں تصرف بیجا نہیں کیا ہے اگر گفتگو بلفظہ ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ لیکن اصل یہی کچھ ہے جو ہم نے واضح بیان کردیا ہے۔

کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے، شرجیل بھی یہی چاہتے تھے ۔
آخر ایک دن صبح کو شہر پناہ سے باہر نکلے ، اور آناً فاناً دست بدست لڑائی شروع
ہوگئی، آفتاب سمت الراس پر تھا مسلمانوں کی قلیل جماعت پسپا ہوتے
ہوتے ہوئے شہر سے دور نکل گئی تھی۔ شرجیل بن حسنہ ہاتھ اُٹھائے ہوئے دعا
کر رہے تھے کہ " اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ " عین اُس وقت
حوران کی طرف سے گرد وغبار بلند ہوا شرجیل بن حسنہ اور آپ کے رُفقا نے
تکبیر کہی اور اُدھر سے جواب تکبیر میں ملا، اور تھوڑے عرصہ میں خالد بن ولید معہ
عبدالرحمٰن بن ابی بکر و رافع بن عمرہ طائی علم بردار ایک ہزار پانچسو آدمیوں کے
ساتھ میدان جنگ میں آپہنچے دشمن پر اِس قدر خوف و ہراس طاری ہوگیا
کہ آناً فاناً میدان جنگ خالی ہوگیا ، مسلمانوں نے فصیل شہر تک تعاقب کیا
ہزاروں کا کھیت پڑا ۔ دہر تو خالد کی بوقت آمد نے شکست کو فتح سے بدل دیا
اُدھر دشمن نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں نے سپاہیانہ چال چلی ہے ، مقابلہ میں قلیل
سپاہ رکھی اور کمیں گاہ میں اُن کی فوج بے شمار ہے، قریب تھا ہمیں فصیل شہر چھوڑنی
پڑے، ارادہ کیا، اس سے آئندہ قلعبند ہوکر لڑنا مناسب ہے، جبتک قیصر کمک بھیجے
خالد کو جب تمام حالات کا علم ہوا، تو شرجیل رضؓ کو طنزاً کہا کہ یہ آپ ہی
کا حوصلہ تھا کہ ان گنتی کے آدمیوں کے ساتھ ایسے مضبوط شہر اور زبردست دشمن
کے مقابلہ میں اترے ہوئے تھے، شرجیل رضؓ نے کہا کہ میں تو ابو عبیدہ رضؓ کے حکم کی
تعمیل کر رہا تھا، دوست دشمن کی گنتی مجھے نہیں آتی، نصرتِ الٰہی پر یقین کامل ہے
اور اس کے شاہد تم بھی ہوگے
خالد رضؓ چپکا ہو رہا، رات کے وقت اُس کے خیمہ میں شرجیل رضؓ روماس
کے ساتھ داخل ہوئے ، جب خالد رضؓ کو معلوم ہوا کہ روماس شہر کا والی ہے ، اور
شرجیل کے ہاتھ پر مسلمان ہوچکا ہے تو نہایت تپاک سے ملے ، روماس نے
مجھے یقین کامل ہوگیا ہے کہ تم صداقت پر ہو، اور خدا صداقت کا حامی ہے

میرا گھر فصیل شہر کے ملحق ہے، میں بذریعہ کمند فصیل سے اُتر کر یہاں آیا ہوں اگر تمہاری خواہش ہو تو "دیرجان" تک تمہیں بھی اسی طرح پہنچا سکتا ہوں، لیکن میرے ساتھ عہد کرو کہ اہل شہر کو اگر وہ مقابلہ نہ کریں قتل نہ کرنا،

"شرجبیل" جو شخص ہم سے نہ لڑے ہم اس سے نہیں لڑتے، یہ الٰہی حکم ہے کہ اس سے لڑو جو تم سے لڑتا ہے، چونکہ بچے، بوڑھے، عورتیں لڑائی کے قابل قدرتاً نہیں اس لئے ان کو قتل کرنا سرے سے منع ہے، اہل شہر اگر امن کے خواستگار ہوں تو تمہاری امان ہی تمام دنیا کے مسلمانوں پر واجب التعمیل ہے مسلمانوں میں سے کسی ایک کی خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو "امان" ایسا عہد ہے جس کو کوئی مسلمان نہیں توڑ سکتا"

روماس کی تسلی ہو گئی، اس کے بعد خالد نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو روماس کے ساتھ کر دیا، جن کے ہمراہ ضرار بن ازور اور چند اور جوان مرد تھے، ایک ایک کر کے فصیل شہر پر چڑھے - اور خاموشی کے ساتھ "دیرجان" کے گھر کی طرف روانہ ہوئے رستہ میں طلایہ نے روکا تو روماس نے اپنا نام ظاہر کیا اور کہا کہ یہ میرے رفقا ہیں جو شہر کی حفاظت کر رہے ہیں، جب دیرجان کے گھر پہنچے تو صرف روماس اور عبدالرحمن آگے بڑھے اور دروازہ کھٹکھٹایا، "دیرجان نے پوچھا کون —

روماس نے اپنا نام بتایا، دیرجان سخت برہم ہوا کہ اس وقت یہاں کیا کرنے آیا ہے، گھر سے برقعہ پہن کر نکلا ہے یا کہ مردی و مردانگی نے میری طرف رجوع کرنے پر آمادہ کیا ہے، اس کے بعد غلام کو حکم دیا کہ روماس کو آنے دو جس کے ساتھ عبدالرحمن بھی بے تامل داخل ہوئے، غلام نے آپ کو بھی اپنا ہم جنس تصور کیا دیرجان جب روماس کی نگہ عبدالرحمن پر پڑی تو روماس سے سختی کے ساتھ پوچھا کہ یہ کون ہے، روماس نے تبسم کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرے نہایت ہی عزیز دوست کا لڑکا ہے، آپ کی ملاقات کا از حد شائق تھا چنانچہ اسوقت مجھے مجبور کیا کہ آپ کے پاس آؤں"

دیرجان نے برہم ہو کر کہا، ہیں تو پوچھتا ہوں کہ یہ کون ہے اور اس جگہ مسلح ہو کر کیوں آیا ہے "

روماس" آپ جانتے ہیں کہ آج کل شہر خطرہ میں ہے اس لئے ہر ایک شخص مسلح ہے، اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ شہر کا محاصرہ کن لوگوں نے ڈالا ہوا ہے ان لوگوں کے امیر کا نام جو مدینہ میں ہے عتیق ہے، یہ جوان اسی کا بیٹا ہے۔ اپنی ملاقات کی غرض سے جس کا اشتیاق اسے ہے یہاں کھینچ لایا ہے یہ خود بیان کرے گا" دیرجان اچھل پڑا لیکن عبدالرحمن نے اسے مہلت نہ دی کہ سنبھل سکے اور تلوار گردن پر رکھ دی،

یہاں سے فارغ ہو کر روماس اور عبدالرحمنؓ اپنے رفقا سے آملے، اور شہر کے دروازہ پر آئے، دربانوں نے مزاحمت کی جو بہت کمزور تھی اور اس لئے باسانی ان پر غالب آئے، دروازۂ شہر کھلا، تکبیر کی صدا بلند ہوئی، خالدؓ اسی وقت کا منتظر تھا، سرعت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور سپاہ کو چاروں طرف پھیلا دیا، شہر پر صبح سے پیشتر قبضہ خاطر خواہ ہو گیا۔

صبح ارکان شہر خالد کے پاس آئے اور امن کے خواستگار ہوئے، باتوں باتوں میں ایک شخص نے پوچھا، امیر ہمیں امید نہ تھی کہ تم شہر میں اس طرح خاموشی کے ساتھ داخل ہو گے، اب چونکہ صلح و امن کا عہد ہو چکا ہے اس لئے اتنا تو بتا دو کہ کس شخص نے تمہاری رہنمائی کی۔

خالدؓ چپکے ہو رہے اور چاہا کہ روماس کا نام بتائیں مگر روماس جو اس وقت یہاں موجود تھا اٹھ کھڑا ہوا اور ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تمہیں پہلے ہی نصیحت کرتا تھا اور نیک مشورہ دیتا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لو۔ تم نے نہ مانا۔ اب بھی اگر تمہاری جان بچی ہے تو میری "امان" کے باعث ہے" میں نے ہی مسلمانوں کی رہنمائی کی، مگر میں نے ہی تمہاری جان بچائی ہے۔

شہر پر قبضہ مسلمانوں کا خاطر خواہ ہو گیا، اور روماس رحمۃ اللہ علیہ بدستور بصریٰ

کے والی رہے ۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کو رسد اور کمک سے مدد دیتے رہے
بصری سے فارغ ہو کر خالد نے تمام افسران عساکر اسلامیہ کو جو فلسطین اور حمص وغیرہ مقامات میں پڑے ہوتے لکھا کہ دمشق کی طرف بڑھو اور آپ بھی منزل بمنزل کوچ کرتے ہوئے دمشق کی طرف آئے ۔

دمشق

دمشق فی اوصافھا جنۃ خلط راضیہ
دمشق اپنے اوصاف میں جنت ہی جو نہایت پسندیدہ باغ ہے
اما تری ابوابھا قد جعلت ثمانیہ
کیا تو نے اُسکے دروازے نہیں دیکھے جو آٹھ ہیں

دمشق کو حصن الشام اسلئے کہتے تھے کہ اس کے مضبوط سنگین دیواریں ناقابل تسخیر تصور کی گئی ہیں، ان دیواروں کا تذکرہ لیشعیا نبی کی کتاب میں بھی ہے اور دمشق حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے بھی پہلے ایک مشہور شہر تھا، غالباً دنیا میں کوئی شہر دمشق کی قدامت کو نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ ان دیواروں کی مرمت مختلف قرون میں ہوتی رہی مگر اس پر بھی زمانہ حال تک ان کا موجود ہونا حیرت انگیز امر ہے، دمشق ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا جس کی فتح کے بعد تمام شام میں ایسا کوئی قلعہ نما شہر نہ تھا جو فاتح قوم کے سیلاب کو روک سکتا، یہ شہر قدیم الایام سے مشہور ہوتا رہا، فی الحقیقت شام کی قسمت کا فیصلہ اسی شہر کی فتح و شکست پر منحصر تھا اس لئے دمشق کو کلید شام سمجھا گیا تھا، چونکہ اس شہر کی دیواروں کے نیچے مسلمانوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں ہوئیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس شہر اور اس کی قلعہ نما دیواروں کا ذکر کیا جائے تاکہ عربی محاصرہ کے حالات جو چھ ماہ کامل رہا اچھی طرح ذہن نشین ہو سکیں۔

یہ دیوار بیضوی شکل میں شہر کے گرد کھنچی ہوئی ہے جس میں دمشق کے آٹھ دروازے ہیں، ان سے سڑکیں شہر سے نکل کر شام کے دوسرے شہروں کی طرف جاتی ہیں۔

ایک دروازہ کا نام "باب الشرقی" ہے جو شہر کے مشرق میں واقع ہے اہم دیوار کو اسی دروازہ سے شروع کرتے ہیں، اس میں تین محراب دار دروازے ہیں، ایک مرکز میں اور ہر دو جانب جو طول و عرض میں بنصف ہیں، وسطی محراب ۳۷ فٹ بلند اور ۲۰ فٹ ۲۔انچہ چوڑی ہے، رومی دور دورہ میں یہ تینوں محراب دار دروازے کھلے تھے داب وسطی اور شمالی جنوبی محراب میں دیوار کھنچی ہوئی ہے۔

باب الشرق سے آگے جانب جنوب تھوڑے فاصلہ پر یہ دیوار ایک زاویہ بناتی ہوئی جنوب مغربی سمت چلی جاتی ہے، اس زاویہ پر ایک مینار تھا اور اس کے دروازہ پر پتھر کے دو شیر ہر دو جانب کھڑے تھے، اس زاویہ سے آگے جنوب مغربی جانب دیوار سیدھی چلی گئی ہے، اس میں مربع شکل کے مینار تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ملتے ہیں حتیٰ کہ نظر "باب کیسان" تک پہنچ جاتی ہے، یہ وہی مشہور دروازہ ہے جسے عیسائی "باب پولس" کہتے ہیں، روایت اس طرح ہے کہ جب پولوس جو ابتدا میں عیسائیوں کا دشمن تھا اور جس کی ہمت عیسائیوں کو ستانے میں صرف ہوتی تھی دمشق کی طرف اس نیت سے آیا۔ تو ایک نور چمکا اور پولوس نے حضرت عیسیٰ کی آواز سنی جو کہہ رہی ہے کہ تو مجھے کیوں ستاتا ہے" پولوس آنجناب پر ایمان لے آیا، اور اس کے بعد دمشق میں آیا آنکھیں نور کی چمک نے بے نور کر دی تھیں، چنانچہ رسول کے اعجاز سے اچھی ہو گئیں جب یہودیوں کو معلوم ہوا تو پولوس کی جان کے لالے پڑ گئے، اس لئے شہر سے بھاگنے کی تجویز کرنے لگے، رات کے وقت چپکے چپکے اس دروازہ سے دو تین گز کے فاصلہ پر دیوار پر سے ایک ٹوکرہ میں رکھ کر آپ کو نیچے اتار دیا گیا، (۲ کارنتھیس ۱۱-۳۲)

باب کیسان سے آگے دیوار خم کھاتی ہوئی "باب صغیر" پر آتی ہے، جس کا دوسرا نام باب الشاغور" ہے، دیوار خم کھاتی ہوئی باب الجابیہ تک آتی ہے جو شہر کا جنوب مغربی کونہ ہے، باب الجابیہ میں باب الشرقی کی طرح تین محرابدار دروازے ہیں، باب الشرقی اور باب الجابیہ کے درمیان ایک میل کے فاصلہ پر وہ مشہور سڑک ہے جن کو شارع مستقیم کہتے ہیں کہ باب الجابیہ سے نکل کر شارع جابیہ کہلاتی ہے اور "مرج صفر" کو جاتی ہے۔"

شارع مستقیم وہی مشہور سڑک ہے جس کا تذکرہ رسولوں کے اعمال میں کیا گیا ہے، یہ ایک کشادہ سڑک تھی جس کا عرض قریباً ۵۰ فٹ تھا مجوف ستون کے تین سلسلے جو اس سڑک کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے ایک دوسرے کے متوازی ایک میل تک چلے گئے تھے، رسولوں کے اعمال رباب ۹ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں اس جگہہ یہودیوں کی آبادی تھی، مگر کچھ عرصہ بعد پولوس رسولؑ کے وقت انتخاب کے شاگردوں میں سے بعض بزرگوں نے اس جگہہ رہایش اختیار کی اور یہ لوگ دراصل یہودی تھے۔

اس شارع مستقیم پر ایک مشہور گرجا یوحنا یا مریم کے نام سے مشہور تھا جو ابتدا میں "البریض" کے نام سے مشہور تھا جہاں سورج دیوتا کی پرستش ہوتی اور جہاں بعد میں جامع اموی کی تعمیر ہوئی، باب الجابیہ سے آگے دیوار خم کھاتے ہوئے شمال کی طرف جاتی ہے اور باب السرایا پر ختم ہوتی ہے، اس جگہہ ایک قلعہ ہے جو اگرچہ اموی دور دورہ میں تعمیر ہوا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی اس کے آثار موجود تھے، یہ قلعہ شہر کا شمال مغربی زاویہ ہے اس قلعہ کی مغربی دیوار شہر کی دیوار ہے قلعہ کے شمال مشرقی کونہ پر "باب الفرج" ہے جو دمشق کا نیک فال دروازہ مشہور ہے "باب الفرج کے آگے باب الفرادیس ہے جس کا دوسرا نام "باب العمارہ" ہے جس کے سامنے ایک دیر تھا، جسے دیر صلیبیا کہتے تھے، جو بعد میں دیر خالد کے نام سے مشہور ہوا، اس دروازہ سے ایک سڑک جسے "بین السورین" کہتے ہیں باب السلام تک چلی گئی ہے، کیونکہ دمشق کی مشہور دیوار جس کا تذکرہ ہم لکھ رہے ہیں اموی دور دورہ میں دو دیواریں تھیں جو ایک دوسرے سے متوازی شہر کے گرد کھچی ہوئی تھیں، اس میں تو کچھ شک نہیں کہ باب کیسان سے باب السلام تک یہ دونو دیواریں تھیں، اور یہ سڑک بین السورین ان ہی دیواروں کے درمیان تھیں چونکہ دمشق کے محاصرہ میں اس جگہہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی اس لئے عربی اسکو باب السلام کہتے تھے۔

باب السلام سے دیوار باب توما تک آتی ہے جو شہر کے شمال میں وہ دروازہ ہے جو تھومس کے نام سے مشہور ہے، تھومس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ قیصر ہرقل یا اُس کے کسی رشتہ دار کا داماد تھا، عربی اُس کو توما کہتے تھے، باب توما سے دیوار شمال مشرقی سے ہوتے ہوئے ہوئے باب الشرقی پر آتی ہے۔

اس دیوار کے باہر شہر کے گرد ایک وسیع خندق تھی جس میں پانی دمشق کی مشہور نہروں سے آتا جو دمشق کی رونق اور سرسبزی کا باعث ہوئیں اور اب بھی ہیں، پانی کی یہ کثرت ہے کہ کوئی جگہ اُس سے خالی نہیں ہے۔

پرانے عہد نامہ کا ایک مشہور قصہ (۲ سلاطین باب ۵) ہے کہ شاہ دمشق کا سپہ سالار نعمان نامی تھا، بنی اسرائیل سے اکثر لڑائیاں ہوئیں، چنانچہ ایک دفعہ ایک اسرائیلی لڑکی کو اسیر کر کے لایا جو اُس کی زوجہ کی خدمت کیا کرتی تھی، نعمان مرض جذام میں مبتلا تھا، جب حکماء وقت کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو اُس اسرائیلی لڑکی نے ایک دن نعمان کی زوجہ سے حضرت الیسع کے معجزات کا ذکر کیا اور کہا کہ "اگر میرا مالک اُس نبی کے پاس جاتا جو پیغمبر ول میں ہے تو وہ اُسے شفا بخشتا"۔

نعمان نے ایک خط شاہ دمشق کی طرف سے شاہ اسرائیل کو اس مضمون کا بھجوایا کہ "میں اپنے خادم نعمان کو تیرے پاس بھیجتا ہوں تاکہ تو اُس کا جذام دفع کر دے" شاہ اسرائیل نے کہا کہ "میں خدا ہوں کہ زندہ کروں اور ماروں، شاہ دمشق مجھ سے لڑائی کا بہانہ ڈھونڈھتا ہے، حضرت الیسع کو اس خیال سے مطلع کیا گیا تو نعمان کو بلایا اور کہا کہ "جا اور یردن میں سات بار غوطہ مار کہ تیرا بدن اپنی اصلی حالت پر آئے گا، اور تو پاک وصاف ہو جائے گا، نعمان یہ کہتا ہوا چلا کہ "دیکھو ابانہ اور فرفر دمشقی نہریں اسرائیل کے تمام پانیوں سے کہیں بہتر ہیں، کیا میں ان میں نہا دھو نہیں سکتا"۔

اگرچہ نعمان کو یردن میں غوطہ لگانے سے ہی شفا حاصل ہوئی لیکن اُس کا یہ خیال کہ "دمشقی نہریں" ابانہ اور "فرفر" اسرائیل کے تمام دریاؤں اور نہروں سے کہیں بہتر ہیں، بالکل صحیح تھا، یہ دونوں نہریں قدیم الایام سے دمشق کی زمینوں کو سیراب

کرتی ہیں۔

ان کا موجودہ نام "بردی" اور "اعوج" ہے، اس وقت نہر "ابانہ" دمشق کے شمال مغرب سے آتے ہوئے شہر میں داخل ہوتی اور شہر سے گذر کر مشرق کی طرف رُخ کرتی، بعدازاں بیضوی شکل میں پھر مغرب کی طرف لوٹتی اور اس طرح تمام دمشق کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی۔

دمشق میں سات نہریں ہیں جن میں سے "بردی" سب سے بڑی ہے۔ اموی دَور دَورہ میں ان کے نام نہر یزید، نہر ویرانی، نہر تورا، نہر قنوات، نہر بانیاس اور نہر اقربا ہیں، عماد ابو عبداللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے ان ناموں کو اس طرح منظوم کیا ہے۔

الی ناس باناس لی ضوءۃ	لھا الوجد داع وذکری مشیر
یزید اشتیاقی وینمو کما	یزید یزید و ثورا یشیر
و من بردی برو قلبی المشوق	و ھا انا من صترہ مستجیر

جبل الشرقی نے دمشق کو شمال اور مغرب کی طرف سے کھڑا ہوا جبل قاسون جو نہر یزید کا منبع ہے اور جبل الشیخ جہاں سے بردی آتی ہے اس کی مشہور چوٹیاں ہیں یہ نہریں دمشق کے میدان جو اور "المر" کو جو شہر کے جنوب مغرب سے شمال تک پھیلے ہوئے ہیں سیراب کرتی ہیں اور ان باغات کے سلسلہ کو سرسبز و شاداب رکھتی ہیں جو شہر کے گرد محیط ہیں، دمشق کے مفصل حالات ہم نے اپنی کتاب "دمشق" میں لکھے ہیں تفصیل کی اس جگہہ گنجایش نہیں۔

خالد نے آتے ہی دمشق کا محاصرہ ڈال دیا، اور آمد و رفت کے تمام راستہ بند کر دیئے، قیصر کو معلوم تھا کہ دمشق شام کی کلید ہے اگر یہ ہاتھ سے گیا تو تمام شام پر مسلمانوں کا قبضہ آسانی کے ساتھ ہو جائیگا، اس لئے یہ ہی خواہش تھی کہ عمرو بن العاص کا تعلق جو اس وقت ارض فلسطین میں تھا خالد سے منقطع ہو جائے، اس لئے "وردان" والی حمص کے ماتحت ایک لشکر اسی غرض سے روانہ کیا کہ عمرو بن العاص اور خالد کے

حائل ہو کر اھل دمشق سے ملحق ہو جائے، قیصر نے اُس وقت انطاکیہ میں اپنا فوجی مرکز قائم کیا تھا اور سرعت کے ساتھ فوجیں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر رہا تھا، بطریق اور راہب صلیب ہاتھ میں لے کر لوگوں کو جنگ پر آمادہ کر رہے تھے، غرض اس وقت ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوجیں نقل و حرکت کرتی ہوئیں نظر آتی تھیں۔

جب خالد کو معلوم ہوا کہ وردان دمشق کا محاصرہ اُٹھانے کے لئے آ رہا ہے تو اول ضرار بن الازور کو روانہ کیا کہ اہل شہر سے اُس کا تعلق قائم نہ ہو جائے، اُس کے بعد خود بھی اس طرف فوج کا اکثر حصہ لے کر بڑھا، فی الحقیقت محاصرہ دمشق سے عملاً دست بردار ہونا پڑا، وردان کے ہمراہ اُس وقت ایک لاکھ سے زیادہ جمعیت تھی، اور خالد چالیس ہزار کے ساتھ مقابلہ میں آیا، چند روز اجنادین میں معرکۂ کارزار گرم رہا، لیکن آخر کار مسلمان غالب آئے اور وردان میدان جنگ میں کام آیا، دوران جنگ میں مردوں نے تو داد مردانگی دی، عورتوں نے بھی کچھ کم کام نہ کیا، ان میں خولہ نے جو ضرار بن الازور کی بہن تھی عام سپاہیوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر قتال کیا۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد خالد پھر دمشق کی طرف لوٹا اور اب محاصرہ سختی سے ڈالا گیا، ابو عبیدہ باب جابیہ پر اور یزید بن ابی سفیان باب صغیر پر اور شرجیل بن حسنہ باب توما پر اور عمرو بن العاص باب الفرادیس پر اور عبس بن ہبیرہ باب الفرج پر اور سپہ سالار خود باب شرقی پر تھا، ضرار بن الازور دو ہزار سپاہ کے ساتھ شہر کے گرد چکر لگاتا رہا۔

شہر کی یہ کیفیت تھی کہ پہلے ہی آباد اور معمور تھا، اب تو ہر طرف سے لوگ بھاگ بھاگ کر اس کی سنگین دیواروں کی پناہ ڈھونڈھ رہے تھے، بصری سے پہلے ہی ایک جمعیت اُس کے اندر پہنچ گئی تھی، میدان اجنادین سے شکست خوردہ سپاہ کے اکثر حصہ نے ہی اس طرف رُخ کیا، شہر کی امن پسند رعیت کے لئے

مصیبت تھی، مگر خاموش تھے۔

شہر کی دیواریں جس کا مختصر تذکرہ ہم کر چکے ہیں حملہ آوروں کے حملہ سے محفوظ تھیں منجنیق جن سے عرب اسوقت تک ناآشنا تھے پتھر برسا رہے تھے، اور تیر تو بارش کی طرح برس رہے تھے، دو ماہ کامل محاصرہ میں گذر گئے لیکن ہنوز روز اول تھا، اہل شہر بھی تنگ آ گئے تھے، سامان رسد دن بدن کم ہو رہا تھا اور یہ یقین تھا کہ اگر چند روز اسی طرح گذرے تو فاقہ کشی تک نوبت پہنچ جائے گی، اگرچہ قیصر وقتاً فوقتاً کمک بھیجتا رہا لیکن مسلمانوں نے ان کو شہر کے قریب نہ بھٹکنے دیا۔ ادہر

ادہر صدیق اکبرؓ نے مالک بن اشترؓ اور عمرو بن معدیکربؓ کے ساتھ نو ہزار سپاہ اور بھیجدی، اُس وقت خالدؓ کے پاس پچاس ہزار سپاہ تھی جن میں سے ایک ہزار مہاجرین و انصار تھے جو رسول کریمؐ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے، ان میں سے ایک سو وہ صحابہ کرام تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

محاصرہ طول پکڑ رہا تھا اور ابھی تک کوئی تجویز کشادکار کی نظر نہ آتی تھی۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں محصورین محاصرین سے زیادہ تنگ آئے ہوئے تھے، خالدؓ کے نام سے ہر ایک شخص خائف تھا، مگر ابو عبیدہؓ کی نسبت علم تھا کہ رحمدل بزرگ ہیں، اس لئے آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ ابو عبیدہؓ کے پاس ایک وفد بھیجا جائے۔

دمشق میں اس وقت دو رومی سردار "تھومس" اور "ہربیس" مسلمانوں سے لڑ رہے تھے، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت تک ان دونوں کے حسن تدبیر سے شہر محفوظ رہا، لیکن اب یہ بھی قیصر کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے، جب ارکان شہر ان کے پاس جمع ہوئے تو یہ بھی صلح پر آمادہ ہو گئے۔

رات کے وقت سرداران لشکر باری باری ہر ایک دروازہ پہ پاسبانی کرتے کرتے تھے تاکہ اہل شہر غفلت میں شبخون نہ ماریں، باب جابیہ پر ابو ہریرہؓ کی باری تھی کہ دروازہ سے چند آدمی برآمد ہوئے اور آواز دی کہ ہم صلح کے ارادے سے

آئے ہیں اور امیر لشکر کے پاس جانا چاہتے ہیں، ابو ہریرہؓ اُن کو لیکر ابو عبیدہ رض کے پاس آئے "تھومس" اور "ہربیس" بھی ان میں تھے، شرائط صلح حسب معمول نرم تھیں جو وفد نے فوراً قبول کرلیں، عہدنامہ لکھا گیا مگر ابو عبیدہ رض نے نہ تو اپنا نام اور کسی شاہد کا نام نہ لکھا، اور وفد کی تسلی کردی کہ صبح اس پر خالد کے دستخط ہوکر تکمیل معاہدہ ہوجائے گی، اس کے بعد اپنے رفقا کے ساتھ اُٹھے اور وفد کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے،

خوش قسمتی سے ادہر شرائط صلح کا فیصلہ ہوا اور بدقسمتی سے اُدہر خالد بن ولید کے پاس ایک شخص یونس بن مرقس آیا اور بیان کیا کہ اہل شہر سخت پریشانی کی حالت میں ہیں، مجھے یقین ہے کہ اب ان میں تاب مقابلہ نہیں، میرا گھر دیوارِ شہر سے ملحق ہے، میں نے دیوار میں سوراخ کردیا ہے جس سے ایک آدمی آسانی کے ساتھ گذر سکتا ہے، مجھے اور میرے اہل و عیال اور لواحقین کو امان دی جائے، خالد رض نے امان منظور کرلی اور سو آدمیوں کو اُس کے ساتھ روانہ کردیا، یہ لوگ چپکے چپکے اول یونس کے گھر میں داخل ہوئے، بعدازاں باب شرقی پر پہنچ کر دروازہ پر قبضہ کرلیا، تکبیر کی آواز بلند ہوئی اور خالد بزور شمشیر شہر میں داخل ہوگیا،

شارع مستقیم پر اس وقت عجیب نظارہ تھا، کنیسہ مریم کے سامنے ابو عبیدہؓ اور خالد دوچار ہوئے، ابو عبیدہ رضؓ نے دیکھا کہ خالد اور اُس کے سپاہی جو زیادہ تر بنو حمیر سے شمشیر بکف قتل و غارت کرتے ہوئے آرہے ہیں، ابو عبیدہ رض نے بڑھ کر منع کیا اور کہا کہ بروے عہد شہر امن میں ہے"

خالد۔ "میں نے بزور شمشیر فتح کیا ہے، امن میں کس طرح ہوسکتا ہے؟

ابو عبیدہ۔ "میں نے ان لوگوں سے جو ارکان شہر اور سرداران فوج ہیں انہی کی استدعا پر صلح کرلی ہے، انہوں نے شہر ہمارے حوالہ کردیا ہے اور ان کی جان و مال کے ہم محافظ ہیں"

خالد۔" یہ کس طرح ہو سکتا ہے، میں اس وقت امیر ہوں اور میری منظوری کے بغیر کوئی عہد مجھے پابند نہیں بنا سکتا۔"

ابو عبیدہ " اے امیر! خدا سے ڈر۔"

لیکن خالد طیش کی حالت میں اپنے رُفقا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا" لینا ان مشرکین کو، ان میں سے ایک بھی زندہ نہ جانے پائے۔" ادھر ابو عبیدہ رضؓ نے بہ آواز بلند اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ" اے اصحاب رسول اللہ، دیکھنا یہ اعرابی اللہ اور رسول اللہ کے ذمیوں پر ہاتھ نہ اُٹھائیں۔"

معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص اور شرحبیل بن حسنہ اور ربیعہ بن عامر اور عبد اللہ بن عمرؓ الخطاب اور دیگر صحابہ کرام فوراً شارع مستقیم کی عرض میں کھڑے ہو گئے۔

خالد حیرت انگیز غصہ میں ابو عبیدہ کے مُنہ کو دیکھتا تھا، آخر رہ نہ سکا اور کہا کہ" امیر میں ہوں یا آپ ؟"

ابو عبیدہ" اے امیر، خدا سے ڈر، اور میرے عہد نامہ کا خیال کر، کیا تجھے معلوم کہ" ذمۃ المسلمین واحدۃ میرا عہد تمام مسلمانوں کا عہد ہے اور ایک مسلمان کا عہد تمام مسلمانوں کو پابند بناتا ہے۔"

خالد" میں یہ جانتا ہوں کہ میں اس وقت اولی الامر ہوں اور میری اطاعت واجب ہے۔"

شرحبیلؓ بن حسنہ" اولی الامر کی اطاعت اُسی حد تک واجب ہے جب تک خدا اور رسول کے احکام کے مخالف نہ ہو۔ فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔"

ابن عمرؓ" یا ابا سلمان! امین الامۃ کی عہد کی عزت کر، کیا تجھے وہ واقعہ بھول گیا ہے، جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ" اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد"

خالد (ابن عمر سے مخاطب ہو کر)" بنی خذیمہ کی لڑائی میں تو میرے ہمراہ تھا، اور

بنی خذیمہ نے حبانا، حبانا، کہا تو ہم سب نے یہی مطلب سمجھا تھا کہ وہ کفر پر قائم ہیں اس لئے اُن کا قتل ایک غلط فہمی تھی۔

ابن عمرؓ۔ اور اس لئے سب کی دیت[۲۶] ادا کی گئی۔ لیکن اب غلط فہمی کی کونسی صورت ہے۔

"خالد"۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ امارت کا بھی کچھ حق ہے، عہدنامہ میری طرف سے ہونا چاہیئے۔ اور کسی شخص کا حق نہیں کہ میری موجودگی میں کسی مخالف سے عہد باندھے

"ابو عبیدہ"۔ تمہارا حق محفوظ ہے اور تمہارے نام پر عہد باندھا گیا ہے اور عہدنامہ جو ان لوگوں کے پاس ہے اس پر تمہارے دستخط ہونے باقی ہیں۔

"خالد"۔ اور اگر میں دستخط نہ کروں، یہ تو میرا اختیار ہے"

"ابو عبیدہ" عہدنامہ پھر بھی مکمل ہے۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو امن دے چکا ہوں، اور مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم میرے عہد کا پاس نہ کرو گے۔

"معاذ بن جبل" چونکہ عہد اب متنازع ہے، اس لئے خلیفہ کی خدمت میں تنازع کو پیش کرنا چاہیئے، خلیفہ کا فیصلہ ناطق ہے۔"

نمبر ۲۶ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خالدؓ کو بنی خذیمہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ بنی خذیمہ چلائے کہ "حبانا حبانا" چونکہ کفار قریش جب کوئی شخص مسلمان ہوتا اُس کو "صابی" کہتے، اس لئے کفار میں مسلمان صابی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ ہم صابی ہو گئے یعنی ہم مسلمان ہوئے۔ مگر خالدؓ نے یہ سمجھا کہ وہ اسلام کا انکار کرتے ہیں، اس لئے سب کو قتل کیا، رسول اللہؐ کو جب اصل حالات کا علم ہوا تو خالد کے فعل سے بیزاری ظاہر کی اور علی مرتضےٰؓ کو سونا چاندی دے کر روانہ کیا کہ مقتولین کی دیت ادا کریں۔

مؤلف نواح بصرہ واقع عراق میں ایک "صابی" سے ملا، اور اس کے مذہب وغیرہ کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ "صابی" حضرت یحیٰےؑ کے پیرو ہیں، اور ان کے پاس اس کا صحیفہ بھی ہے جو صرف اُن کے امام کے پاس رہتا ہے، یہ لوگ سر اور داڑھی کے بال نہ کٹواتے ہیں اور نہ منڈواتے ہیں، عموماً اُن کا پیشہ زرگری ہے عراق کے شمالی حصہ میں ان کی کچھ آبادی ہے۔ جنوبی حصہ میں یہ لوگ خانہ بدوش ہیں، قریہ بقریہ چند روز رہائش رکھتے ہیں، جب ایک قریہ کا کام ختم ہوا تو دوسری جگہ چلے جاتے ہیں، مخالفین تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر شائع ہوا اور ہمیں اس بات کا رونا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کی طرف توجہ کی اور اسلام سے چشم پوشی کی، ورنہ یہ لوگ اس طرح نہ ہوتے +

شرجبیل بن حسنہ"۔ یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ایسی صورت میں ہمارے پاس نص قرآنی موجود ہے کہ جب اولی الامر اور ہمارے درمیان کسی امر پر تنازع ہو تو اُس کا فیصلہ اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق ہوگا، اس وقت ایسا فیصلہ خلیفۃ الرسول ہی کر سکتا ہے"

عبداللہ بن عمرؓ۔ میری رائے میں تو معاملہ بالکل صاف ہے، ابا سلیمان خواہ مخواہ اپنی بات منوانا چاہتے ہیں"

خالدؓ۔ اگر تیری رائے میرے مخالف ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ یہ مخالفت تجھکو تیرے باپ سے ورثہ میں ملی ہے وہ بھی ہمیشہ میرے مخالف رہا"

ابن عمرؓ۔ اور تمام صحابہ کرام بھی مخالف رہے، اور وہ تمہارے ظلم کے باعث اس میں نفسانیت تو نہیں ہے"

ابو عبیدہؓ نے ابن عمر کو خاموش کر دیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جب تک میرا اور خالدؓ کا کسی امر پر اتفاق نہ ہو مناسب ہے کہ تم لوگ خاموش رہو، خالدؓ نے دیکھا کہ تمام صحابہ کرام اس وقت ابو عبیدہؓ کے طرفدار ہیں خالدؓ کے ہمراہ صرف اعرابی تھے، اس لئے چار و ناچار کہا اچھا جتنا حصہ شہر میں نے بزور شمشیر لیا ہے اس پر شمشیر کا حق ہے اور باقی پر بروے صلح عمل کیا جائے" ابو عبیدہؓ نے اس سے انکار کیا تو کہا اچھا سب کو امان دی جائے لیکن تھومس اور ہربیس میرے حوالہ کئے جائیں، ابو عبیدہؓ نے اس سے بھی انکار کیا"

آخر اس تنازعہ کی روئداد خلیفہ کے گوش گذار کرنے کے لئے چند آدمی مدینہ کی طرف روانہ کئے گئے، مگر افسوس صد افسوس کہ جس روز دمشق فتح ہوا صدیق اکبرؓ کا جہان فانی سے انتقال ہو گیا تھا، اور جب خالدؓ اور ابو عبیدہؓ میں جھگڑا ہو رہا تھا صدیق اکبرؓ کو مزار میں رکھ رہے تھے"

یہ معاملہ فاروق اعظمؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔ فیصلہ ابو عبیدہؓ کے حق میں ہوا اور حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت سنبھال کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ خالدؓ کو معزول

کر کے ایک سپاہی بنا دیا اور ابو عبیدہؓ کو کل افواج شام کا افسر اعلےٰ مقرر فرمایا۔

خالدرض کا تقرر بحیثیت سپہ سالار اور معزولی کی نسبت اگر ہم یہ کہیں کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ دونوں کی رائے صائب تھی تو بے جا نہ ہوگا، اس دعوے کو سمجھنے کے لئے اصل اصول تقرر و عزل کو ذہن نشین کرنا چاہئے جو یہ ہے کہ "حرب" فن ہے اور سپہ سالاری کے قابل وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس فن میں ماہر ہو، ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، آنحضرت صلعم نے عمرو بن العاصؓ کو قبیلہ لخم وجذام کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اس لشکر میں ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی عمرو بن العاصؓ کے ماتحت تھے، اس لڑائی کو جو کفار اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہوئی ذات سلاسل کہتے ہیں، عمرو بن العاصؓ نے حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے اور اگر کسی شخص نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اسی آگ میں جھونک دوں گا" اس پر عمرؓ نے اعتراض کیا تو ابو بکرؓ نے عمرؓ کو کہا کہ "خاموش رہو، آنحضرت صلعم نے عمروؓ کو ہم پر سردار اسی لئے مقرر فرمایا ہے کہ وہ فن حرب ہم سے بہتر جانتا ہے، لڑائی کے بعد جب یہ معاملہ آنحضرت صلعم کے روبرو پیش ہوا تو عمروؓ نے کہا کہ "میں نہیں چاہتا تھا کہ دشمن ہماری دیکھ بھال کرسکے" آنحضرت صلعم نے یہ تجویز پسند فرمائی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ خالد ایک دلاور سپاہی تھا اور فن حرب سے خوب واقف تھا مگر کئی دفعہ آنحضرت صلعم اور صدیق اکبرؓ کے عہد میں اس سے ایسی بے اعتدالیاں ظہور میں آئیں جن کی مثال ہم بیان کرچکے ہیں، فاروق اعظمؓ نے جب دیکھا کہ یہ بے اعتدالیاں بحالت امارت ظہور میں آسکتی ہیں اور باوجود سرزنش خالدؓ خودرائی سے کام لیتا ہے تو امارت سے معزول کردیا، اور یہ بھی لکھا کہ خالد کو یہ یقین ہے کہ تمام فتوح اسی کے زور بازو و تدبیر کا نتیجہ ہیں حالانکہ نصرت الٰہی اپنا کام کررہی ہے۔" معزولی کے بعد بروایت ابو عبیدہؓ خالد سپہ سالار سے بڑھ کر کام کرتا رہا۔"

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ

حضرت صدیق اکبرؓ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ میں بیمار ہوگئے، آپ نحیف البدن تھے، سفید چہرہ پر رگیں نمایاں تھیں، رخسار ہلکے تھے، آنکھوں میں حلقہ پڑے ہوئے تھے، پندرہ روز شدت کا بخار رہا، بستر سے اٹھ نہ سکتے تھے، آپ کے حکم سے عمرؓ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے، آپ نے سمجھ لیا کہ اب اخیر وقت آپہنچا ہے اس لئے خلافت کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے لگے، اور اپنی رائے عمرؓ کے حق میں ظاہر کی، طلحہؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ اور علیؓ اور دیگر صحابہ کبار شورٰی میں شامل تھے، سب نے تائید کی مگر طلحہؓ نے کہا کہ آپ خدا کو کیا جواب دیں گے کہ عمرؓ جیسے سخت گیر آدمی کو ہم پر خلیفہ کئے جاتے ہیں، صدیق اکبرؓ نے کہا کہ "مجھے اٹھا کر بٹھا دو" پھر فرمایا کہ "میں اپنے رب کو کہوں گا، میں نے تیری مخلوق پر بہترین مخلوق کے حق میں وصیت کی، اس میں کچھ شک نہیں کہ عمرؓ سخت گیر ہے، جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ میں نرم دل تھا جب اس کے سر پر بار خلافت پڑے گا تو خود بخود نرمی اختیار کرے گا"

صدیق اکبرؓ کی کتابت علیؓ اور عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ کیا کرتے تھے، آپ نے عثمانؓ کو کہا کہ لکھو:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هذا ما عهد به ابو بكر خليفة محمد رسول الله عند اخر عهده بالدنيا واول عهده بالاخرة في الحال التي يؤمن فيها الكافر ويوقن الفاجر اني استعملت عليكم عمر بن الخطاب ولم ال لكم خيرا فان صبر وعدل فذلك علمي به و رائي فيه وان جار وبدل فلا علم لي بالغيب والخير اردت ولكل امرء ما اكتسب وسيعلم

یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر خلیفہ رسول اللہ نے ایسے وقت میں کیا ہے جبکہ دنیا میں اس کا آخری اور آخرت کا اول وقت۔ ایسی حالت میں جبکہ کافر بھی ایمان لاتا ہے اور فاجر بھی یقین کرتا ہے، میں نے تم لوگوں پر عمر بن الخطاب کو مقرر کیا ہے اور میں نے تمہاری بھلائی میں کوتاہی نہیں کی پس اگر عمر ثابت قدم رہا اور عدل کرتا رہا تو میری ذاتی واقفیت اور رائے اُسکے حق میں ایسی ہی ہے اور اگر بُرائی

الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون | کی اور بدل گیا تو مجھے علم غیب نہیں ہے، میں نے تو نیکی کا قصد کیا ہے، اور ہر ایک شخص اپنے اپنے اعمال کا ذمہ وار ہے، اور عنقریب وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جان لیں گے کہ کس کروٹ پر بیٹھتے ہیں +

وصیت لکھوا چکے تو دُعا فرمائی

اللّٰھم انی لم ارد بذلک الا صلاحھم وخفت علیھم الفتنۃ فعملت فیھم بما انت اعلم بہ واجتھدت لھم وانا تولیت علیھم خیرھم واقواھم واحرصھم علی ما ارشدھم۔	بار خدایا اس کام سے میرا مقصود صرف انکی اصلاح ہے اور مجھے ڈر تھا کہ اگر میں وصیت نہ کروں تو) وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے اس لئے میں نے یہ کام کیا اور تو خوب جانتا ہے (کہ نیک نیتی سے کیا) مینے اس امر میں اپنے

اجتہاد سے کام لیا ہے اور ان پر ایک ایسا شخص حاکم والی بنایا ہے جو ان میں سب سے بہتر، سب سے قوی تر اور سب سے زیادہ نیکی کا حریص ہے،

اس کے بعد کہا کہ مجھے باہر لے چلو، لوگوں کا ہجوم ہو رہا تھا، خلیفہ کی بیماری کا حال سُنکر لوگ جوق جوق آرہے تھے اور خلیفہ اور خلافت کے بارہ میں متفکر تھے، صدیق اکبر رضؓ نے عثمان رضؓ کو کہا کہ میری وصیت لوگوں کو پڑھ کر سُنا دو۔ وصیت پڑھی گئی تو فرمایا، اے لوگو! میں نے کسی عزیز و قریب کو خلیفہ نہیں بنایا، میں نے عمر رضؓ کے حق میں تمہاری ہی بہتری اور بہبودی کے خیال سے وصیت کی ہے، کیا تم لوگ اس کی خلافت پر راضی ہوتے ہو، حاضرین نے سمعنا و اطعنا کی آواز بلند کی، فرمایا اس کو سُنو اور اس کی اطاعت کرو، حاضرین نے پھر سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہا۔ شدّتِ مرض سے آپ نے رُک رُک کر مختصر تقریر فرمائی، اس کے بعد عمر رضؓ کو بلوایا اور مخاطب کر کے فرمایا کہ "اے عمر" میں نے تجھے خلافت کے لئے منتخب کیا ہے۔ حضرت عمر رضؓ کا دل صدیق اکبر رضؓ کی حالت دیکھ کر بھر آیا، مگر نہایت ضبط کے ساتھ کہا کہ "مجھے خلافت کی ضرورت نہیں" فرمایا "خلافت کو تیری ضرورت ہے"، حضرت عمر رضؓ کا دل بھرا ہوا تھا، منہ سے آواز نہ نکلتی تھی، صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا"

"اے عمر! میں تجھکو وصیت کرتا ہوں کہ" اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرنا، اے عمرؓ بے شک اللہ کا ایک حق رات میں ہے جس کو وہ دن میں قبول نہ کریگا اور اُس کا ایک حق دن میں ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا، بے شک اللہ تعالےٰ نوافل کو قبول نہ کریگا جب تک فرائض ادا نہ کئے جائیں، اے عمرؓ جس کے اعمال قیامت میں بھاری ہوں گے وہی گراں ہوں گے جن کے ہلکے ہوں گے وہی سبک ہوں گے، اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن میں نرم آیات کے ساتھ شدت کی آیات اور شدت کی آیات کے ساتھ نرم آیات نازل ہوئی ہیں تاکہ مومن اللہ سے ڈرتا رہے اور اُس سے اپنی مغفرت کو مانگتا رہے، اے عمر! جب اہل نار کا ذکر آئے تو یہ کہنا کہ اے اللہ مجھے امید ہے کہ تو مجھے اُن میں سے نہ کریگا، اور جب اہل جنت کا تذکرہ ہو اور اُن کے اعمال صالحہ کا بیان ہو تو اللہ سے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ! مجھکو اُن میں شامل کر، اور جب تم میری اِن وصیتوں پر عمل کروگے تو مجھے اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤگے۔

صدیق اکبرؓ اسی طرح وصیت فرماتے رہے، آخری کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا " توفنی مسلما و الحقنی بالصّٰلحین" تھا، دو برس اور قریباً چار ماہ حق خلافت کما حقہٗ ادا کرنے کے بعد شب سہ شنبہ جبکہ جمادی الثانی کی آٹھ راتیں باقی تھیں ۱۳ھ تریسٹھ ۶۳ برس کی عمر میں دار البقا کی طرف رحلت فرمائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم کی عمر اور آپ کی عمر تریسٹھ برس ہوئی، سہ شنبہ کی شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ دفن ہوئے۔

وصیت کے مطابق آپ کی بیوی اسما بنت عمیس نے غسل دیا، اور تین کپڑوں میں جن میں سے دو پُرانے آپ کے استعمال میں رہے تھے اور ایک نیا خریدا گیا تھا آپ کو کفن دیا گیا، اور اسی سریر پر جس پر آنحضرتؐ کو اُٹھایا گیا تھا آپ کو اُٹھایا، عمرؓ اور عثمانؓ و طلحہؓ نے آپ کو قبر میں اُتارا، اور آپ کے سر کو آنحضرتؐ کے دوش مبارک کے برابر رکھا اور آپ کی لحد کو آنحضرتؐ کی لحد سے ملا دیا، اور قبر کو آنحضرتؐ کی طرح مسطح کر دیا

یارِ غار یارِ مزار ہوگیا۔

صدیق اکبرؓ کی وفات کا غم ہر ایک مسلمان مومن کے دل پر تھا، لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، حسان بن ثابت نے ایک مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:۔

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة   فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

جب تم اپنے کسی پرہیزگار بھائی کی مصیبت کو یاد کرو تو ابو بکر کے حالات کو پیش نظر رکھو۔

خیر البریة اتقاها واعدلها   بعد النبی واوفاها بما حملا

وہ نبی کے بعد تمام مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عادل اور سب سے زیادہ فرائض

الثانی التالی المحمود مشهده   واول الناس منهم صدق الرسلا

نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا مشہد پسندیدہ ہے اور سب سے پہلے انہوں نے رسول کی تصدیق کی تھی۔

"مصحف"

كلا انها تذكرة ، فمن شاء ذكره فی صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايدی سفرة كرام بررة ...... (۸۰ — ۵)

رسول من الله يتلوا صحفا مطهرة فيها كتب قيمة ، ...... (۹۸-۲۳)

ہم نے اسلام جزیہ، سیف، نفل، فئے، خمس پر بحث کرتے ہوئے صرف اصل اصول کو مدنظر رکھا ہے یہ پسند نہیں کیا کہ جھگڑوں میں پڑیں۔

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ   چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

اگر اصل اصول مدنظر رکھا جائے تو حقیقت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے ہم نے صرف اصول پر بحث ختم کر دی ہے، جب تک کسی شئے کی حقیقت معلوم نہ ہو اس شئے کا صحیح علم حاصل نہیں ہوتا، اور دل کو تسلی دینے کے لئے انسان قیاس کی پرواز پر باتیں بناتا ہے، اگر حقیقت کا انکشاف ہو جائے تو قرآن شریف کی آیات

بینات کی تفسیر کی بھی حاجت نہیں، اور اسی لئے ہم نے صرف آیات کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے، اگر حقیقت کا علم ہو تو کسی واقعہ کے متعلق ایک ہی رائے ہو سکتی ہے اگر رائے میں اختلاف ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ

چوں ندید ند حقیقت رہِ افسانہ زدند

قرآن مجید کے متعلق بھی روایتوں کی بنا پر ایسی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حقیقت آشنا محققین کی توجہ کے قابل نہیں، عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ "جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزا متعدد صحابہ کے پاس تھے، وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کے تختوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا، کسی کو کوئی سورہ یاد تھی کسی کو کوئی"

قرآن مجید کا جمع کرنا اور ترتیب دینا بعض تو صدیق اکبرؓ اور بعض فاروق اعظمؓ اور بعض ذی النورینؓ اور بعض مرتضیٰؓ کا کام بتاتے ہیں، عموماً قرآن مجید کو مصحف عثمانی کہتے ہیں، اور حضرت عثمانؓ کو جامع القرآن سے مخاطب کرتے ہیں۔

ہم ان روایتوں اور حکایتوں پر جرح قدح نہیں کرتے۔ اصولی بحث کے بعد خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ کہاں تک صحیح ہیں لیکن اس سے پیشتر کہ ہم اصولی بحث کی طرف توجہ دلائیں مناسب معلوم ہوتا ہے ایک اور حکایت پر جو لفظ "امی" کی تشریح ہے ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دیں۔

"امّی" اسلامی مذہب میں ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہم قرآن شریف کی آیات اور دیگر کتب سے واضح بیان کرتے ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے:۔

(۱) الذین یتبعون النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰیۃ والانجیل (۹-۶)	(وہ اہل کتاب) جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔
(۲) فآمنوا باللہ و رسولہ النبی الامی (۹-۱۰)	پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی امی پر

(۳) ومنهم امّيّون لا يعلمون الكتٰب الا امانی وان هم الا يظنون (۱-۹)

اور بعض ان میں اَن پڑھ ہیں جو مُنہ سے لفظوں کے) بڑبڑانے کے سوا کتاب کو نہیں سمجھتے اور وہ فقط خیالی تکے چلایا کرتے ہیں۔

(۴) وقل للذين اوتوا الكتٰب والامّيّين ء اسلمتم (۳-۱۰)

اور ان لوگوں کو کہو جن کو کتاب دی گئی ہے اور "امیّین" کو کہ کیا تم اسلام لائے ہو۔

(۵) ومن اهل الكتٰب من ان تأمنه بقنطار يؤده اليك ومنهم من ان تأمنه بدينار لا يؤده اليك الا ما دمت عليه قائما ذلك بانهم قالوا ليس علينا في الاميين سبيل" (۳-۱۶)

اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس زرنقد کا ڈھیر امانت رکھو تو (جب مانگو) تمہارے حوالہ کریں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک چھوٹی سی اشرفی بھی انکے پاس امانت رکھواؤ تو وہ تم کو بدون اسکے واپس نہ دیں کہ تمام وقت (اُن کے سر) پر کھڑے رہو (ان لوگوں میں) یہ (بدمعاملگی) اس سے آئی کہ وہ (پکار کر) کہتے ہیں کہ "امیّین" (کا حق مار لینے) میں ہم سے بازپرس نہ ہوگی"۔

(۶) هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم اٰيٰته ويزكيهم و يعلمهم الكتٰب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلٰل مبين (۲۸-۱۱)

وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے امیّین میں رسول ان ہی میں سے مبعوث فرمایا ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو کفر سے پاک کرتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے ورنہ پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

آیات منقولہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ "امیّین" کا لفظ اہل کتاب کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، اور اہل کتاب کے محاورہ میں امیّین کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اہل کتاب نہیں، اور اہل کتاب ایسے لوگوں کو گمراہ سمجھتے تھے، اور اس لئے سمجھ رکھا تھا کہ "امیّین" کے ساتھ کیسا ہی ناواجب سلوک کیا جائے جائز ہے اور بازپرس نہ ہوگی۔

غلط فہمی اس لفظ "امّی" کے لفظی معنی سے پیدا ہوئی اس کے لفظی معنی "مادرزاد"

ہے یعنی امی وہ شخص ہے جو پیدائشی حالت پر رہے یعنی جاہل، یہ قیاس کیا گیا ہے کہ اہل عرب "امیتین" یعنے ایسے جاہل تھے کہ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے، یعنی کوئی کتاب نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے، حالانکہ "امی" ایسے آدمی کو کہتے تھے جو کسی مذہبی کتاب سے واقف نہ ہو،

یہ امر کہ اہل عرب لکھ پڑھ سکتے تھے تاریخی واقعات ہیں بلکہ ہم اشارۃً لکھ چکے ہیں کہ دنیا کے حروف ابجد عربی ہیں جو قوم دنیا کی معلم ہو وہ خود جاہل کس طرح رہ سکتی ہے عربی زبان کچھ آج نہیں بلکہ قدیم الایام سے ایسی زبان تھی جو اہل عرب کا مایۂ ناز ہے، اور قرآن شریف میں بھی اس کو "عربی مبین" اور "غیر ذی عوج" کہا گیا ہے اور عجمی زبانوں کو اس کے مقابلہ میں مناسب الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

رسول کریمؐ ممکن ہے کہ بقول حافظ شیرازی،

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی مکتب میں کتابت نہ سیکھی کسی مدرسہ میں نہ پائی لیکن "امی" آنحضرتؐ کو اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ "امین" میں پیدا ہوئے قرآن شریف میں یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں سمجھا جاتا ہے "اُمّی" اہل کتاب کا ایسا محاورہ تھا جس کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھتے تھے اور "امیین" کے استعمال سے حقارت کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہ واضح کیا گیا ہے "امیین" میں رسول کریمؐ کا مبعوث ہونا اس طعن کو بھی رفع کرتا ہے:۔

ولو جعلنا قرآناً اعجمیا لقالوا لولا فصلت آیاتہ ء اعجمیٌّ وعربیٌّ (۱۴-۱۹) اگر ہم اس کو عربی کے سوا کسی دوسری زبان کا قرآن بناتے تو ضرور (یہ لوگ) کہتے کہ اس کی آیتیں اچھی طرح کھول کھول کر کیوں نہ سمجھائی گئیں، کیا عجمی اور عربی! چونکہ اصل عرب اہل کتاب نہ تھے اس لئے ان کے بھائی بنی اسرائیل ان کو ہمیشہ مطعون کرتے کہ گمراہ ہیں، ان میں کوئی پیغمبر کتاب کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا ایسا پتھر ہے جو معمار رد کر چکے ہیں، لیکن کیا خبر تھی کہ یہ کونے کا سرا ہوگا۔

یہ لفظ اہل کتاب کی زبان پر تھا چنانچہ رسولوں کے اعمال (باب ۲) اور کرنتھیوں (باب ۱۴) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے شاگرد اور تابعین کلیسا میں ایک جگہ جمع ہو کر اس طرح بیٹھتے تھے جس طرح فی زمانہ صوفیوں کا حلقہ ہوتا ہے اور یہ ذکر میں مشغول ہو جاتے اور اسی حالت میں ان پر "وجد" طاری ہو جاتا اور یہ سمجھا جاتا کہ روح القدس کا نزول ان پر ہو رہا ہے، اسی وجد و حالت میں ہو، حق، کے نعرے، آہیں اور گریہ و زاری اور کئی بے معنی الفاظ جن کے معنی سامعین خود پیدا کر لیتے منہ سے نکلتے۔

جو اس ذوق و شوق سے واقف تھے وہ تو وجد و حالت کو "خدا کی بڑی بڑی باتیں" سمجھتے تھے، لیکن ناواقف (امین) ہنستے تھے کہ "یہ نئی مے کے نشہ میں ہیں" اور واقعہ میں ان کی ظاہری حالت پر یہ پھبتی خوب چسپاں ہوتی ہے۔

پولس رسول اپنے ایک خط میں اس وجد و حالت اور ہائے و ہو کے نعروں کی خوب تشریح کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:۔

پس اگر سارے کلیسا ایک جگہ جمع ہو اور سب کے سب بیگانی زبانیں بولیں اور ان پڑھ (امیین) اور بے ایمان لوگ اندر آ جائیں تو کیا وہ تم کو دیوانہ نہ کہیں گے۔

المختصر قرآن شریف اور دیگر کتب مذہبی میں "امی" یا "امیین" کی اصطلاح کا اطلاق صرف ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو مذہب سے جیسا کہ توریت و انجیل میں ہے ناواقف ہیں یا جن میں کوئی پیغمبر صاحب کتاب مبعوث نہیں ہوا لیکن اس اصطلاح سے حقیقت ناآشنا مفسرین کے لئے دور از کار باتیں بنانے کا دروازہ کھول دیا۔ اور انہوں نے عرب اور اہل عرب کی بوقت بعثت ایسی کریہ تصویر پیش کی ہے جو حقیقت کے مخالف ہے، ہم بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب نے عرب میں اور عرب سے باہر ان ایام میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں جبکہ دنیا تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھی، ان ایام میں علوم و فنون کی اشاعت کی بلکہ یونان و روم کا نام بھی تاریخ کے صفحات پر نہ تھا لیکن اس مقام پر ہم مفصل بحث نہیں کر سکتے، صرف فن تحریر کے متعلق مختصر بحث کریں گے

روایتوں اور حکایتوں سے بے شک یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ قرآن شریف کچھ تو ہڈیوں اور کچھ کھجور کے پتوں پر لکھا ہوا تھا مگر یہ غلط فہمی انہی کو پیدا ہو سکتی ہے جن کو یہ علم نہیں کہ ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر کس طرح لکھا جاتا ہے، لیکن کیا ضرور ہے کہ ہم روایتوں اور حکایتوں کی بھول بھلیوں میں ٹھوکریں کھائیں۔ خود قرآن شریف ہی سے نہ شہادت طلب کریں۔

(۱) قرآن شریف میں ایک لفظ قرطاس حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے:

ولو نزلنا علیک کتبا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین (۷-۷)	اگر ہم کاغذ پر (لکھی لکھائی) کتاب (بھی) تم پر اتار دیتے اور یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو (بھی) لیتے تاہم جو لوگ منکر ہیں یہی بات کہتے کہ یہ تو بس صریح جادو ہے۔
(۲) قل من انزل الکتب الذی جاء بہ موسی نورا و ھدی للناس تجعلونہ قراطیس تبدونھا و تخفون کثیرا (۷-۱۷)	ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اوتاری جسے موسیٰ لے کر آئے جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت ہے اور تم نے اس کے (الگ الگ) ورق بنا رکھے ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر کرتے ہو اور بہتیرے چھپاتے ہو

(۲) قرآن مجید میں ایک اور لفظ "رق" ہے۔

والطور و کتب مسطور فی رق منشور (۲۷-۳)	ہم شہادت میں طور کو اور کتاب کو جو چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھی ہوئی ہے۔

(۳) ایک اور لفظ "لوح" حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے۔

بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ (۳۰-۱۰)	بلکہ یہ بڑے رتبہ کا قرآن لوح محفوظ ہے۔
وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیء موعظۃ و تفصیلا لکل شیء فخذھا بقوۃ و امر قومک یاخذوا باحسنھا (۹-۷)	اور ہم نے تختیوں میں موسیٰ کے لئے ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے تو (ہم نے حکم دیا کہ) اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے احکام پر جو بوجہ احسن قائم رہیں۔

و القی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ" (۹-۸)	اور موسیٰ نے تختیوں کو پھینک دیا اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر ان کو لگے اپنی طرف کھینچنے
"ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختہا ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون" (۹-۹)	اور جب موسیٰ کا غضب فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو اٹھا لیا اور توریت کے نسخے میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے
" وحملنٰہ علی ذات الواح ودسر (۲۷-۷) (۲۷-۷)	اور نوح کو ہمنے تختوں اور کیلوں سے بنائی ہوئی کشتی پر سوار کیا،

توریت میں اس طرح مذکور ہے۔

اور خداوند جب موسیٰ سے کوہ سینا پر اپنا کلام تمام کر چکا شہادت کی دو لوحیں دیں، اور وے سنگین لوحیں خدا کی انگلی سے لکھی ہوئی تھیں (۳۱-۱۸)

" اور خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ پہاڑ پر مجھ پاس آ اور وہاں وہ اور میں تجھے پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو میں نے لکھے ہیں دوں گا، تاکہ تو انہیں سکھلائے

" اور موسیٰ پہاڑ پر سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف ادھر ادھر لکھے ہوئے تھے۔"

" اس وقت خداوند نے مجھے فرمایا کہ اپنے لئے پتھر کی دو تختیاں پہلو کی مانند تراش کے بنا۔" (۱۰-۱)

" پھر موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے ساتھ ہو کر لوگوں کو کہا کہ ان سب حکموں کی جو آج کے دن میں تمہیں کہتا ہوں محافظت کرو، اور ایسا ہو گا کہ جس دن تو یردن پار ہو کے اس سرزمین میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے پہنچے تو تو اپنے لئے بڑے بڑے پتھر کھڑا کیجو اور چونے سے استرکاری کیجو اور پار جانے کے بعد اس شرایت کی سب باتیں ان پر لکھو" (استثنا، باب ۲۷)

اور اسنے وہاں ان پتھروں پر شریعت کی جو موسٰی نے بنی اسرائیل کے حضور لکھی تھی ایک نقل کندہ کی (یشوع ۸ - ۳۲)

یہی تین الفاظ "قرطاس" اور "رق" اور "لوح" ہیں جن پر تمام پرانے قلمی نسخے جو برلن اور پیرس اور لندن اور مصر کے میوزیم میں محفوظ ہیں لکھے گئے، اور رسول کریم ص کی بعثت سے صدہا سال پیشتر لکھے گئے، اور یہی پتھر کی الواح ہیں جنپر حضرت موسٰی کی پیدایش سے ہزارہا سال پیشتر کتبے کندہ کئے گئے اور کتابے لکھے گئے ورق (   ) قرآن شریف میں درختوں کے پتے ہیں،

قرطاس یورپ کی زبانوں میں "قرطا" (   ) یا (   ) یا قرطر (   ) وغیرہ الفاظ میں پایا جاتا ہے، کاغذ جو اب قطن سے تیار کیا جاتا ہے، اہل یورپ نے پہلے پہل عربوں ہی سے سیکھا، بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا چین سے ہوئی ہے، لیکن ہماری تحقیق کی رو سے یہ قیاس صحیح نہیں، مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب "اصول تحقیق الالسنہ میں کی ہے"،

بقول مولف" اعمال" حضرت موسٰی مصری علوم وفنون میں ماہر تھے" اور بقول پروفیسر مکس مولر حضرت موسٰی نے توریت الواح پر مصری حروف ابجد ہی میں لکھی ہونگی"، چونکہ حضرت موسٰی کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں ہوئی اس لیئے اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسٰی مصری علوم وفنون میں ماہر تھے اور جنکو عبرانی حروف ابجد کہتے ہیں اور جو حضرت موسٰی کی وفات سے صدہا سال بعد موجودہ شکل و صورت اختیار کرتے گئے، در اصل مصری حروف ابجد ہیں، اور اس میں بھی کچھ شک نہیں مصری حروف ابجد عربی ہیں، اور یورپ اور ایشیا کے اکثر زبانوں کے حروف ابجد یا تو حمیری یا سبائی یا فنیقی یا عراقی ہیں، چنانچہ سنسکرت کے حروف ابجد کی نسبت بھی یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ یا تو یمنی یا فنیقی ہیں لیکن ہماری تحقیق کی رو سے بابل اور نینوا سے ایران اور ہندوستان میں ان کی اشاعت ہوئی،

حضرت موسٰی کی الواح خواہ عبرانی میں ہو یا مصری حروف میں، اس میں کچھ شک

نہیں کہ حضرت موسیٰؑ مصری علوم وفنون میں ماہر تھے، اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا منشا یہی تھا کہ آنحضرت کی تعلیم وتربیت شاہی آغوش میں ہو تاکہ آنحضرت کے حوصلہ بلند اور عزم عالی اور ارادہ پختہ ہو، اگر آنحضرت کی پرورش غلاموں میں ہوتی تو وہ بھی ایک گمنام غلام ہوتے، کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اس امر میں سیاسی خطا کے مرتکب ہوئے، حضرت موسیٰ جانتے تھے کہ مصری کس طرح کتبوں اور کاغذ ( ) میں تحریر کو محفوظ رکھتے تھے، اس کی شہادت آج بھی مصری کتبوں اور تحریروں سے ملتی ہے، لیکن پتھر کی الواح پر تحریر کی حفاظت کے لئے زیادہ مناسب تھی، حیوانوں کی کھال سے کاغذ تیار کیا جاتا اور اسیطرح درخت کی چھال اور پتیوں اور کائی سے نفیس کاغذ رسول کریمؐ کی بعثت سے پیشتر مصر اور عراق میں بنایا جاتا تھا قرآن شریف کی حفاظت کے لئے یہ سب اسباب مہیا کئے گئے تھے، جیسا کہ قرآن مجید آیات محولہ بالا اور دیگر آیات میں خود شہادت دیتا ہے، چونکہ توریت وانجیل کی تحریف آنحضرتؐ کے پیش نظر تھی اس لئے قرآن کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا، جس میں خلفاء نے بہت حصہ لیا، مگر ان کی کوششوں نے غلط فہمی کا دروازہ کھول دیا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، آنحضرتؐ کے زمانہ میں صدہا حافظ قرآن موجود تھے غرض یہ تھی کہ قرآن لوگوں کے قلب پر نقش ہو، علم در جلد خویش باید نہ در جرم میش یمامہ کی جنگ میں سات سو حافظ قرآن شہید ہوا تو صدیق اکبرؓ کو فکر لاحق ہوئی کیونکہ حفاظ کی موجودگی میں قرطاس ورق والواح کس میرسی کی حالت میں تھیں، صدیق اکبرؓ نے یہ معاملہ شوریٰ میں پیش کیا، تو حفاظ کی تعداد بڑھانے اور قرآن مجید کی صحیح نقلوں کی عام اشاعت پر رائے دی گئی، یہ تو تسلیم کیا گیا ہے کہ قرآن ہڈیوں اور کھجور کی پتیوں ( ) پر لکھا ہوا تھا، مگر اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ خلفاء کے عہد میں یہ مجموعہ کس چیز پر لکھا گیا تھا، بات اصل میں یہ ہے کہ چونکہ درختوں کے پتوں اور چھلکے سے کاغذ آسانی سے تیار ہوتا تھا اور یہ کاغذ مکتوبات اور روزمرہ کے کاروبار اور لین دین میں استعمال ہوتا تھا اس لئے قرآن مجید کی عام اشاعت

کے لیئے استعمال کیا گیا، لیکن سچ تو یہ ہے کہ قرآن شریف کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا، اس لیئے چمڑے کا کاغذ زیادہ تر استعمال کیا گیا، جو اب بھی مہذب ممالک میں استعمال ہوتا ہے جس پر چارٹر اور عہدنامجات وغیرہ لکھے جاتے ہیں، معلوم نہیں کہ مصحف عثمانی میں جس پر ذی النورین کا خون شہادت تھا اور جو جامع دمشق میں محفوظ چلا آتا تھا، اور جو جنگ صفین میں نیزوں پر بلند کیئے گئے کس چیز پر لکھے ہوئے تھے اور کن علامات سے لوگوں نے قرآن کو شناخت کر لیا۔

قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں جن میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کاروبار میں لین دین میں حساب و کتاب باقاعدہ اور باضابطہ رکھیں[عہ] اور لکھ لیا کرو" اگر کاغذ ایسا ہی نایاب تھا تو یہ ہدایات عبث ہیں، آنحضرتؐ نے قیصر و کسریٰ مقوقس اور نجاشی اور تمام والیان ریاست بحرین و عمان و دمشق وغیرہ کو نامے لکھے قبائل عرب سے عہد تحریری باندھے، اور خلفاء تو ہر وقت ایسی ہی تحریروں میں مصروف رہتے، آخر یہ کس ہڈی یا کھجور کے پتہ پر تحریر تھی۔

اور کچھ نہیں تو توریت و انجیل آنحضرتؐ کے زمانہ میں کتاب کی صورت میں موجود تھی، اور جس طرح بددیانت اور خائن عاملانِ توریت نے اسکو ورق ورق بنا رکھا تھا اسی طرح قرآن کو تو نہ بنایا جاتا،

"رق منشور" اب بھی محفوظ موجود ہیں جو چمڑے کے چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھے ہوئے ہیں (   ) اور لکڑی پر لپٹے رہتے ہیں، قرآن شریف کی بھی توریت کی طرح کتٰب مسطور فی رق منشور ہے، اور توریت کی طرح لوح میں محفوظ ہے۔

قرآن مجید ایسی ہی ایک کتاب ہے جیسا کہ توریت و انجیل اور آنحضرتؐ کے عہد میں ان کی نظیر موجود تھی بعد اسی طرح قرآن مجید کو لکھ کر محفوظ کیا گیا۔

خلفائے راشدین نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ قرآن مجید کی

عہ یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ الآیہ (۳ ـ ۲)

بیشمار نقلیں شائع کیں، حفاظ کی تعداد کو بڑھایا، حضرت عمر رضہ کے عہد میں غالباً اختلاف قرات کو مٹانے کے لئے اعراب کی ضرورت کا احساس ہوا ؎

۴ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کاتبین عثمان رضہ وعلی رضہ وخالد بن سعید وعلاء بن الحضرمی وابی بن کعب رضہ وزید بن ثابت رضہ ومعاویہ بن ابی سفیان رضہ اور حنظلہ بن اسیدی رضہ اور عبد اللہ بن سعد رضہ وشرحبیل بن حسنہ رضہ تھے ؎

معاذ بن جبل رضہ عبادۃ بن الصامت، وابی بن کعب رضہ ابو ایوب رضہ وابو الدرداء تو ان بزرگوں سے ہیں جو نہ صرف قراء تھے بلکہ مختلف بلاد میں قرآن کی تعلیم کے لئے آنحضرت صلعم اور خلفا کے عہد میں مامور کئے جاتے ؎

قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں ہے۔ سورۃ الفاتحہ اُس کا دیباچہ ہے اور شروع الم ذلک الکتب سے ہوتا ہے، اکثر سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات آیات سورہ کے وزن کو ظاہر کرتے ہیں، جن سے آیات کی ترتیب کی کیفیت بھی معلوم ہو سکتی ہے، قرآن کے جمع اور ترتیب وغیرہ کے متعلق حسب ذیل آیات پر غور کرنا چاہیئے ؎

(۱) "ان علینا جمعہ وقرانہ (۲۹-۱۷) — قرآن کا جمع کرنا اور اُس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے

(۲) الر تلک ایت الکتب وقران مبین — الر، یہ آیتیں کتاب اور قرآن مبین کی ہیں،

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحفظون — بیشک ہم ہی نے قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اُس کے نگہبان ہیں ؎

(۳) انہ لقران کریم فی کتاب مکنون لایمسہٗ الا المطھرون (۲۷-۱۶) — یہ بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے احتیاط سے رکھی ہوئی کتاب میں ہے جسکو پاک لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا ؎

(۴) افلا یتدبرون القران ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ۵ — تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے ؎

قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھذا او بدلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقائ نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (۱۰-۱۱)

نیز جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں وہ فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں رد و بدل کردو کہہ کہ میرا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے رد و بدل کروں میری طرف جو وحی آتی ہے میں تو اسی پر چلتا ہوں، اگر میں اپنی پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے ۔

الر تلک اٰیت الکتٰب المبین ۔ انّا انزلنٰہ قرءٰنًا عربیا لعلکم تعقلون (۱۲ - ۱۱)

الر، یہ آیات (سورۃ) کتاب مبین کی ہیں ہم نے اس قرآن عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القراٰن جملۃ واحدۃ ، کذلک نثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا (۱۹-۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پر قرآن سارے کا سارا ایک دم میں کیوں نازل نہ کیا گیا ایسا ہی اُترنا چاہیئے تھا کہ ہم اس کے ذریعہ سے تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں ۔

وقراٰنا فرقنٰہ لتقرأہ علی الناس علیٰ مکث ونزّلنٰہ تنزیلا

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا کہ تم مہلت کے ساتھ لوگوں کو پڑھ کر سناؤ اور ہم نے

طسٓ تلک اٰیت القراٰن وکتاب مبین وقالوا لولا نزل ھذا القراٰن علی رجل من القریتین عظیم (۲۵-۹)

طس - یہ سورت قرآن و کتاب مبین کی عام فہم ہے اور کہتے ہیں کہ دو بستیوں (مکہ و طائف) سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا ۔

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القراٰن فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم

اور جب ہم چند جنوں کو تمہاری طرف لے آئے کہ وہ قرآن سنیں پھر جب وہ آحاضر ہوئے تو بولے چپ رہو پھر جب

منذرین، قالوا یقومنا انا سمعنا کتبا انزل من بعد موسیٰ مصدقا لما بین یدیه یھدی الی الحق والی طریق مستقیم (۲۶-۴)

(جب قرآن کا پڑھنا) تمام ہوا تو وہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹ گئے کہ انکو (عذاب خدا سے) ڈرائیں اور کہنے لگے بھائیو ہم ایک کتاب سن آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور سیدھا راستہ دکھاتی ہے،

انا نحن نزلنا علیک القران تنزیلا (۲۹-۳۰)

ہم نے تم پر قرآن وقتاً فوقتاً اتارا ہے۔

آج محققین مختلف الرائے ہیں کہ انجیل عبرانی میں تھی یا آرامی میں کہ یونانی میں قیاسات ہیں جن کی پرواز پر انجیل اصل زبان عبرانی یا یونانی خیال کی جاتی ہے قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کی زبان عربی ہے اور اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رفتہ رفتہ کبھی کوئی سورہ اور کبھی کوئی سورۃ نازل ہوتی رہی اور اس کی حکمت کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ہر ایک سوال کا جو مخالف و موافق کی طرف سے ہو جواب دیا جائے، اور قرآن آسانی کے ساتھ پڑھ کر سنایا جائے اور یاد رہے اور نزول وحی سے رسول اللہ کے قلب کو اطمینان حاصل ہو لیکن اس حکمت میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو سورتوں میں تقسیم کر کے نازل کیا گیا ہے تاکہ مختلف مضمون سمجھنے میں آسانی ہو، اور سچ تو یہ ہے کہ کتاب کی صورت اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے۔

ہمارے ایک فاضل ہمعصر نے غالباً روایتوں اور حکایتوں کی بنا پر لکھا تھا کہ سورہ قیامہ میں آیہ لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرأنه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه کلا بل تحبون العاجلة وتذرون الاخرۃ بے جوڑ معلوم ہوتی ہے، یعنی سورۃ میں شروع سے آخر تک قیامت کا تذکرہ ہے درمیان میں یہ فقرہ چونکہ اسی سورۃ کے قوافی کے وزن پر تھا اور کسی اور وقت وحی ہوا تھا رکھ گیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ فقرہ ایک جملہ معترضہ ہے لیکن کیا

جملہ معترضہ اصل مضمون کا جزو نہیں ہوتا، اس کی مثال ٹھیک اس طرح ہے
کہ استاد اپنے شاگرد کو کچھ بتا رہا ہے، شاگرد اس خیال سے کہ کہیں کوئی فقرہ
بھول نہ جاؤں جو کچھ استاد کے منہ سے نکلتا ہے خود دہراتا جاتا ہے استاد خفا
ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں دل لگا کر سنو زبان مت ہلاؤ،
اگرچہ یہ فقرہ اصل مضمون سے کیسے ہی مختلف ہو لیکن استاد کے منہ سے نکلا
ہے اور ایک خاص وقت پر نکلا، لا تحرك به لسانك لتعجل به الآیۃ، کی بھی
یہ کیفیت ہے۔

اس آیت سے قرآن شریف کی سورتوں اور ان کی ترتیب پر کافی
روشنی پڑتی ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ بہ تقاضائے بشریت آنحضرتؐ
کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہو گا کہ کہیں کوئی فقرہ لکھنے سے نہ رہ جائے اور تقاضائے
احتیاط تو یہ تھا کہ فوراً قلمبند کیا جاتا، چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کی
تحریر اور حفاظت کا کیا کچھ انتظام کیا گیا تھا۔

اگر ایسی ہی بے جوڑ آیتوں سے نکاتیں وضع کی گئی ہیں تو زیادہ بحث
کی ضرورت نہیں مگر بغور دیکھا جائے تو یہ آیت بے جوڑ بھی نہیں، اسی جلد بازی
سے تقاضائے بشریت کو ظاہر کر کے دنیا کی محبت اور آخرت سے بے فکری
کی دلیل پیدا کی گئی ہے یعنی انسان انجام کار پر نظر نہیں کرتا جو موجود ہوتا ہے اسی
کے لینے کے لئے لپکتا ہے، اس آیت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جب وحی نازل
ہوتی تو جیسا کہ دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے ٹھہر ٹھہر کر اور صاف سنائی دینی اور
رسول کریم کو ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے وحی کا کلام خاموشی کے ساتھ دل لگا کر سنیں
اس طرح کسی فقرہ کے فراموش ہونے کا بہ نسبت اس کے کہ نزول وحی کے
وقت ساتھ ہی فقروں کو دہرائے کم احتمال ہے اس کے بعد وحی دوبارہ وہی فقرے
دہراتے تھے کہ ہر ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ صحت کے ساتھ یار ۔ ۲ تا سورۃ
القیامہ میں اس ایک آیت نے واضح کر دیا ہے کہ آنحضرتؐ کے قلب سلیم میں

جو کچھ وحی کے مُنہ سے نکلتا نقش ہو جاتا۔ چنانچہ یہ جملہ معترضہ بھی اپنے مقام پر اِن تمام کیفیتوں کے ساتھ موجود ہے ؎

آیات کی ترتیب کے متعلق اس مختصر مضمون میں مفصل گنجایش نہیں ہم قرآن شریف کی آیات کی شہادت پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے آیات میں رد و بدل کسی قسم کا نہیں کیا۔ جو کچھ کہا وحی کی ہدایت کے مطابق کہا، خلفاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قرآن شریف کی آیات کو ہڈیوں اور کھجور کے پتوں اور حافظوں کے دلوں سے جمع کر کے ترتیب دیں، ہاں قرآن شریف کی اشاعت اور حفاظت میں جو کچھ اُن کی سعی ہے اُس سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس میں مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہیئے اگر کتاب کے کچھ معنی ہیں تو قرآن مجید ہمیشہ جس طرح نازل ہوتا رہا لکھا جاتا تھا، ہر ایک آیت کی شان نزول اس آیت میں واضح کی گئی ہے اور ہر ایک آیت بلحاظ معانی بھی ایسی ہی مفصل ہے جس طرح ایک سورۃ دوسری سورۃ سے صورت اور مضمون میں مفصل ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کے قلب سلیم کا عکس ہے،

از رسوم شرع و حکمت با ہزاران اختلاف
نکتۂ ہرگز نہ شد فوت از دلِ دانائے تو

قرآن مجید کا نام مصحف صدیق اکبرؓ نے رکھا اور اس کی حفاظت اور اشاعت میں سعی بلیغ فرمائی۔

قرآن مجید میں "صحف" کا لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے"

(۱) اولم تاتھم بینۃ ما فی الصحف الاولیٰ (۲۰-۱۳۳)	کیا اگلی کتابوں کی گواہی اُن کے پاس نہیں پہنچی
(۲) انّ ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ (۸۷-۱۸-۱۹)	یہی بات تو اگلے صحیفوں (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ہے ؎
(۳) ام لم ینبا بما فی صحف موسیٰ	کیا اسکو اُن کی نہیں پہنچی جو موسیٰ اور ابراہیم

وابراھیم الذی وفی (۲۷-۷) | کے صحیفوں میں ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں حق بندگی پورا ادا کیا،

(۵) کلا انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صحف مکرّمۃ، مرفوعۃ مطھرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ (۳۰-۵) | سنو جی قرآن تو نصیحت ہے پس جو چاہے اسکو سوچے اوراق میں جن کی تعظیم کی جاتی ہے اونچی جگہہ پر اور پاک اور لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو بزرگ اور نیکو کار ہیں،

(۶) رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (۳۰-۲۳) | خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر مقدس اوراق پڑھ کر سنائے ان میں پکی باتیں لکھی ہوں

(۷) بل یرید کل امرئ منھم ان یؤتی صحفا منشرۃ (۲۹-۱۶) | بلکہ ان کے تو یہ حوصلے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو کھلے صحیفے دیے جائیں،

آیات مذکورہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ "صحف" ایسی ہی ایک شے ہے جیسے لوح اور رق اور قرطاس" ہے، صحف اولی سے مراد صحف ابراہیم وموسٰی ہیں اور قرآن شریف کی موجودگی میں اور اس سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے ان کو صحف اولی کہا گیا ہے، قرآن مجید کی نسبت یہ ارشاد ہے کہ یہ تذکرہ ہے اور "صحف مکرمۃ" میں ہے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں اور جو ایسے کاتبین کے ہاتھوں میں ہے جو بزرگ اور نیکو کار ہیں،۔

بعض مفسرین نے یہ قیاس کیا ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں ہے جو آسمان پر ہے اور اس کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے،

چوں ندید ند حقیقت رہِ افسانہ زدند

"کرام بررہ" کاتبان وحی کی تعریف ہے "مرفوعۃ" سے مراد قرآن مجید کی حفاظت ہے جس میں کسی خائن بدکار کا ہاتھ رخنہ اندازی نہیں کر سکتا،

اس میں تو کچھہ شک نہیں کہ بعثت سے پیشتر رسول کریمؐ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (۲۱-۱)

اور (اے پیغمبر) اس سے پیشتر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ تم کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بے دین خواہی نخواہی شبہ کرتے ؛

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعثت کے بعد ضرورۃً آپ نے پڑھنا سیکھ لیا تھا اور آیت محولہ بالا سے بھی تخصیص اس وقت کی ہے جو بعثت سے پیشتر تھا ، کہ بعثت سے پیشتر آپ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے ، ضرورت یہ واقع ہوئی کہ سورتیں اور آیات جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہیں ، کاتبانِ وحی قلمبند کرتے رہے اور رسول کریمؐ کو دیکھنا پڑتا کہ صحیح لکھی گئی ہیں ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کتابت بالکل کاتبان وحی کے ہاتھ میں تھی ، علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے عہد نامے اور نامے لکھوائے اور اُن پر اپنی مُہر ثبت کی - کم از کم اتنی تسلی تو ضروری تھی کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ آنحضرت ؐ کے منہ کے کلمات ہیں ؛

صدیق اکبرؓ

وسُمّیت صدیقا و کل مھاجر	آپ کا نام صدیق رکھا گیا اور کُل مہاجرین آپ
سواک یسمّیٰ باسمہ غیر منکر	کے علاوہ اپنے اپنے ناموں سے کہ وہ بھی بُرے نہیں پکارے جاتے ہیں ؛
سبقت الی الاسلام واللہ شاھد	آپنے اسلام کی طرف سبقت کی اسکا اللہ شاہد ہے
وکنت جلیساً فی العریش المشھر	اور آپ عریش میں نبی کے ہمنشیں تھے ؛

ابو محجن ثقفی رضؓ

صدیق اکبر کا اسم شریف عبد اللہ ہے اور آپ عتیق کے لقب سے مشہور تھے ، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے نسب میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو معیوب ہو اور اکثر اقوال کے مطابق وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے حُسن وجمال کے باعث آپ لوگ عتیق کہتے تھے ، اس لفظ کی اصل "عتیق" ہے جس کے معنی جوانمردی اور مردمی اور حُسن اور شرف وبزرگی ، ورہاکرادی اور آزاد مردی ہے (منتہے الارب)

ؔ عریش وہ جگہ ہے جو بدر کے دن حرف اللہ کے لئے ایستادہ کیا گیا تھا اس خیمہ میں آپکے ساتھ صرف آپکا یار غار تھا ۱۲

اس میں کچھ شک نہیں کہ صدیق اکبرؓ زمانۂ جاہلیت میں بھی سرداران قریش سے تھے اور تمام قریش ان کی ذمہ داری کو تسلیم کرتے تھے، "دیت" کے متعلق تنازعات کا فیصلہ آپ ہی کیا کرتے، علم الانساب پر جو اُس وقت اہل عرب کا فخر تھا کامل عبور تھا، آپ کے نسب میں تمام آزاد اور جوانمرد معززین تھے اس لئے بھی لوگ آپ کی عزت کرتے اور اس شرف و بزرگی پر آپ حسن و جمال کے باعث عتیق کے لقب سے مشہور تھے۔

تحقیق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ خاندانی شرف، بزرگی اور ذاتی وجاہت و حسن و جمال کے باعث عتیق کہلاتے تھے، مگر ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ من اراد ان ینظر الی عتیق من النار فلینظر ابی بکرا جو شخص دوزخ کی آگ سے آزاد کئے ہوئے دیکھنا چاہے وہ ابی بکر کو دیکھ لے"، مگر اس روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صدیق اکبرؓ اس سے پیشتر عتیق مشہور نہ تھے، بلکہ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر ہر ایک حیثیت سے "عتیق" تھے، دنیا اور آخرت میں حریت کا لقب آپ کا طغرائے امتیاز ہے۔

بہر حال "عتیق" کے معنی گرامی و آزادہ و برگزیدہ اور بہترین از ہر چیز ہے، صدیق اکبرؓ کے حالات کے بالکل مطابق ہیں، خواہ خاندانی شرافت کے لحاظ سے یا آپ کی ذاتی وجاہت و حسن و جمال کے لحاظ سے یہ لقب دیا گیا ہو ہر ایک حیثیت سے موزوں ہے لیکن وہ لقب جس سے آپ کو دنیائے اسلام میں مشہور ہیں صدیق اکبر ہے، اسکی وجہ تسمیہ آپ کی سبقت الی الاسلام ہے اور آپ نے بلا چون و چرا اسلام قبول کیا، چنانچہ رسول کریمؐ فرمایا کرتے کہ میں نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی، لیکن ابوبکر کے سوا کوئی ایسا شخص نہ تھا جو مذبذب نہ ہوا ہو، عموماً وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شب معراج کے دوسرے روز ابوجہل آپ سے دوچار ہوا اور کہا کہ تمہارا یار تو اب عجب باتیں بناتا ہے کہتا ہے کہ ایک ہی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ کی سیر کر آیا ہوں" آپ نے فرمایا کہ "یہ تو کچھ بات نہیں میں اس سے بھی زیادہ عجب باتوں کی

تصدیق کر چکا ہوں، ہر صبح و شام آسمانی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں تو یہ کونسی عجیب بات ہے۔"

ہماری تحقیق کے رُو سے یہ لقب خواہ کسی طرح مشہور ہوا ہو اس کی وجہ تسمیہ ہے کہ آپ سبقت الی الاسلام یا معراج کی تصدیق ہو فی الحقیقت لسان مذہب میں ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جس کا قلبِ سلیم حق و باطل میں بلا تامّل تمیز کر سکتا ہے اور جو حق کو فوراً قبول کرتا ہے جیساکہ ہم رِدّت کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

حسب ذیل آیات میں لفظ صدیق اور صادق اور صدق پر غور کرو۔

(۱) واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا (۱۶-۶)	اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر بے شک وہ سچا نبی تھا،
(۲) ان المصدقین والمصدقٰت واقرضوا الله قرضا حسنا یضٰعف لھم ولھم اجر کریم والذین اٰمنوا بالله ورسله اولئك ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم (۲۷-۱۹)	تحقیق جو لوگ خیرات کرنیوالے اور خیرات کرنے والی عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو قرضاً حسناً اُن کو ملتی ہے دونی اور اُن کے لئے ہے اجر کریم اور جو لوگ اللہ اور اُسکے رسولوں پر ایمان لائے وہی ہیں سچے ایمان والے اور احوال بتانیوالے اپنے رب کے پاس اُن کو ہے اُن کا اجر اور اُن کی روشنی۔
(۳) انما المؤمنون الذین اٰمنوا بالله و رسوله ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل الله اولئك ھم الصالحون (۲۶-۱۴)	بے شک مومن وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر پھر اُس پر شک نہ کریں اور اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مالوں سے محنت کریں، یہی لوگ ہیں اصلاح کرنے والے
(۴) ومن یطع الله والرسول فاولئك مع الذین انعم الله علیھم من النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین	اور جو لوگ اللہ اور رسول کے حکم میں چلتے ہیں وہ اُنکے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا نبی اور صدیق اور شہید اور صالح اور کیا اچھی ہے اُن کی

وحسن اولئك رفيقا ذلك الفضل من الله وكفى بالله عليما (٥-٦)

رفاقت، یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا ۔

(٥) الر تلك آيت الكتب الحكيم و كان للناس عجبا ان اوحينا الى رجل منهم ان انذر الناس وبشر الذين آمنوا ان لهم قدم صدق عند ربهم (١١-٦)

یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی کیا لوگوں کو اس سے تعجب ہوا کہ حکم بھیجا ہم نے ایک مرد کو ان میں سے کہ لوگوں کو ڈرا (عذاب سے) اور خوشخبری سنا جو کوئی ایمان لائے اس کے رب کے پاس اس کا پایۂ صدق ہے ۔

(٦) عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا ، قل رب ادخلني مدخل صدق و اخرجني مخرج صدق (١٥-٩)

شاید تیرا رب تجھکو مقام محمود پر کھڑا کرے اور کہہ کہ اے رب بٹھا مجھ کو سچا بٹھانا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا ۔

(٧) والذى جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون ، لهم ما يشاؤن عند ربهم ذلك جزاء المحسنين (٢٣-١٠)

اور جو صدق کے ساتھ آیا اور سچ مانا جس نے اس کو وہی لوگ ہیں متقی ان کے لئے ہے جو چاہیں اپنے رب کے پاس، یہ ہے بدلا نیکی والوں کا ۔

(٨) ان المتقين فى جنت ونهر ، فى مقعد صدق عند مليك مقتدر (٢٧-١٠)

بے شک متقی لوگ باغوں اور نہر (کے کنارہ) بیٹھے سچے بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے ۔

(٩) الصبرين والصدقين والقانتين والمنفقين والمستغفرين بالاسحار (٣-١)

وہ جو صبر کرنیوالے ہیں اور سچے اور فرمانبرداری کرنیوالے اور خرچ کرنے والے اور بخشش مانگنے والے بیچ پچھلی رات کے ،

(١٠) يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله و كونوا مع الصدقين (١١-٤)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور ہو ساتھ سچوں کے ۔

(۱۱) ان المسلمین والمسلمت والمؤمنین والمؤمنت والقنتین والقنتت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت والصائمین والصائمات والحفظین فروجھم والحفظات والذاکرین کثیرا والذاکرت اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما (۲۲-۲۰)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور قرآن پڑھنے والے مرد اور قرآن پڑھنے والی عورتیں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اور نگہبانی کرنیوالے شرمگاہ اپنی کے اور نگہبانی کرنیوالیاں اور یاد کرنیوالے اللہ کو بہت اور یاد کرنیوالیاں تیار کیا ہی اللہ نے واسطے اُنکے بخشش اور ثواب بڑا۔

اِن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ "صدیق" کا اطلاق انبیاء پر بھی ہوتا ہے اور اس لئے نبی صدیق بھی ہوتا ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صدیق ہوتا ہے مگر ہر ایک صدیق نبی نہیں ہوتا۔ اسی شہداء کا اطلاق تمام صحابہ کرام پر ہوتا ہے اور خود رسول اور اللہ تعالےٰ شہید ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:-

"قل للہ المشرق والمغرب یھدی من یشاء الی صراط مستقیم و کذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (۲-۱) ان اللہ کان علی کل شئ شھیدا (۵-۲)

تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق و مغرب ہدایت کرتا ہی جس کو چاہے صراط مستقیم کی طرف، اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل کہ تم ہو بتانے والے لوگوں کو اور رسول ہو تم کو بتانے والا۔ اللہ کے روبرو ہے ہر چیز۔

نبی اور صدیق اور شہید اور صالح کے لغوی معنی قریب قریب ایک ہی ہیں جب ان کا اطلاق کسی بشر پر ہوتا ہے تو اصطلاح میں صرف فرق مراتب کا اظہار مطلوب ہوتا ہے، شہید کی یہ تعریف ہے کہ اُس کے علم سے کوئی شئے پوشیدہ نہ ہو" مگر یہ تعریف صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے، مگر جس طرح سمیع و بصیر و کلیم وغیرہ کا اطلاق اللہ تعالےٰ اور بشر پر ہوتا ہے اسی طرح شہید کا اطلاق اللہ و بشر پر ہوتا ہے، فرق ظاہر ہے

جب ان اصطلاحات کا اطلاق بشر پر ہو تو اُس کا مفہوم علم و عمل کا اندازہ کرنا ہوتا ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح کو نسبتہً حاصل ہوتا ہے، نبی کا علم و عمل بدرجۂ کمال ہوتا ہے، نبی کے بعد صدیق اور اُس کے بعد شہید اور اُس کے بعد صالح کا مرتبہ ہے، ملک الشعرا فردوسی نے اس خیال کو اس طرح منظوم کیا ہے کہ:-

چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی　　خداوند امر و خداوند نہی

کہ خورشید بعد از رسولاں مہ　　نتابید بر کس ز بوبکر بہ

صدیق وہ شخص ہے جس کا قلب سلیم صدق کا بدرجۂ کمال شاہد ہو، یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریمؐ نے ابوبکرؓ کو دعوت اسلام دی تو آپ نے بلا تذبذب قبول کی، حالانکہ دیگر صحابہ کو کم از کم تذبذب ضرور ہوا، فی الحقیقت یہی سبقت الی الاسلام ہے، اور اگر اسلام کا صحیح مفہوم معلوم ہو تو صدیق اکبر کے حالات سے واضح ہو جائے گا کہ اس میں گوئے سبقت آپ ہی لیگئے، آیہ ان المصدقین و المصدقٰت الآیۃ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان کے ساتھ صدقات ادا کرنا صدق کی دلیل ہے، حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھے کسی کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر ابوبکر کے مال نے حضرت عمر رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ہم کو صدقہ دینے کا حکم کیا اور اُس وقت میرے پاس مال بہی تہا میں نے دل میں کہا کہ آج میں ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا، پس میں اپنا نصف مال لے آیا، رسول خدا نے پوچھا کہ اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے، عرض کی اسی قدر، اتنے میں ابوبکرؓ اپنا کُل مال لے آئے، آنحضرتؐ نے پوچھا کہ اے ابوبکر اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے کہا کہ اللہ اور رسول کو اُن کے لئے چھوڑ آیا ہوں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ابوبکر پر کبھی سبقت نہ لے جا سکوں گا، عروہ رضؓ سے روایت ہے کہ جب صدیق اکبرؓ اسلام لائے تو آپ کے پاس چالیس ہزار روپیہ تھا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، اور سات اشخاص کو جو غلامی کی قید میں تھے اور جن پر کفار بوجہ اسلام عذاب کر رہے تھے خرید کر آزاد کیا،

یعنی حضرت بلال رضؓ اور عامر بن فہیرہ اور زنیرہ اور نہدیہ اور اُس کی لڑکی اور بنی مومل کی لونڈی اور ام عبیس کو،

قرآن مجید کی اُن تمام آیات کا جن میں صدق کی تشریح ہے اطلاق صرف صدیق اکبر پر بدرجہ کمال ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے،

چونکہ سبقت الی الاسلام کا تعلق استحقاق خلافت سے سمجھا گیا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس پر اپنی رائے کا اظہار کریں، استحقاق خلافت کے متعلق ہم بحث کر چکے ہیں اور سبقت الی الاسلام اور سابقین اولین اسلام کی اصطلاحیں غالباً قرآن مجید کی آیت والسّٰبقون الاولون من المھٰجرین والانصار الآیہ سے اخذ کی گئی ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے:-

(۱) ومنھم سابق بالخیرٰت باذن اللہ ذٰلک ھو الفضل الکبیر" (۲۲-۱۶)

اور ان میں خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں، یہی تو بڑا فضل ہے۔

(۲) وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السمٰوات والارض اعدت للذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم (۲۷-۱۹)

اور دنیا کی زندگی تو نری دھوکے کی ٹٹی ہے لوگو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف لپکو اور بہشت کی طرف جسکا پھیلاؤ ہی جیسے آسمان و زمین کا پھیلاؤ، اُن لوگوں کے لئے تیار کرائی گئی ہے جو خدا اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں، یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے،

(۳) اولٰئک یسارعون فی الخیرٰت وھم لھا سٰبقون (۱۸-۴)

یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور اُسکے لئے لپکتے ہیں"

(۴) والسابقون السابقون اولٰئک المقربون (۲۷-۱۴)

جو آگے ہیں وہ آگے ہی ہیں یہ مقرب ہیں

آیات محولہ بالا اور دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ سبقت الی الخیرات ہی قابل تعریف عمل ہے، اگرچہ اسلام کی طرف سبقت کرنا بجائے خود نیک عمل ہے لیکن محض سبقت کچھ مفید نہیں جب تک قبول اسلام کے ساتھ سبقت الی الخیرات نہ ہو۔ فی الحقیقت تقوٰی ہی معیار فضیلت ہے اور سبقت الی الاسلام کو اس وجہ سے معیار فضیلت سمجھا گیا ہے کہ سبقت الی الخیرات کا موقعہ سب سے پہلے ملیگا، لیکن صحابہ کرام کا چند روز کے وقفہ کے بعد یکے بعد دیگرے ایمان لانا کسی کو سابق نہیں بنا سکتا جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، مہاجرین میں سے سابقین اولین وہ صحابہ ہیں جو ہجرت ہی سے پیشتر اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، اور اسی طرح انصار میں سے وہ سابقین اولین ہیں جو ہجرت سے پہلے اور آغاز ہجرت میں ایمان لائے، ہماری رائے میں اگرچہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ صدیق اکبرؓ ابتدا سبقت میں ایمان لائے لیکن محض اس وجہ سے کسی کو فضیلت کا استحقاق نہیں، آپ کی فضیلت سبقت الی الخیرات کے باعث ہے، اور اسلام کے صحیح مفہوم کے مطابق سبقت الی الاسلام کے سبب سے ہے۔

صحابہ کرام کے حالات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بعثت سے وفات تک ہزاروں ایمان لائے، لیکن ممتاز درجہ پر چند ایک ہی نظر آتے ہیں، حضرت عمر فاروق اعظمؓ جن کے اسلام نے حق و باطل میں تفریق کر دی چالیس یا اُنتالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے، لیکن اسلام لانے کے بعد آپ کی خدمات تواریخ کے صفحات پر سنہری حروف میں لکھے ہوئے ہیں، حضرت علیؓ جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے مگر صدیق اکبرؓ سے پیشتر یا بعد میں ایمان لائے ثابت نہیں ہوتا کہ اپنے باپ ابوطالب کی وفات سے پہلے ایمان لائے، روایتوں اور حکایتوں نے فضائل کے ضمن میں "عاشقی اور خالہ جی کی ڈر" کی ضرب المثل اُن کی سبقت الی الاسلام پر خوب چسپاں کی ہے یعنی اگرچہ حضرت علیؓ سب سے پہلے اسلام لائے مگر باپ کے ڈر سے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا، علاوہ ازیں اگر آپ کی کمسنی کی طرف خیال کیا جائے جو مختلف روایتوں کے رو سے سات سے دس برس تک بوقت قبول اسلام ہوتی ہے تو سبقت الی الاسلام

میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی، ابو طالب کے چار بیٹوں طالب، عقیل، جعفر، علی میں سے
آپ سب سے چھوٹے تھے، اور روایتوں کے مطابق ہر ایک میں دس دس سال کا
تفاوت تھا، یعنی طالب عقیل سے اور عقیل جعفر سے اور جعفر علی سے دس سال بڑے
تھے، جن پر درایۃً اعتبار نہیں ہوسکتا، اور دس سال کی عمر میں حضرت علی رض اپنے
بھائیوں سے بھی پیشتر ایمان لائے، ابو طالب کی وفات پر جعفر اور علی دونوں نابالغ
تھے جعفر کو حضرت عباس رض اور حضرت علی رض کو آنحضرت صلعم نے اپنی اپنی سرپرستی میں لیا؛
بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت علی رض نے آنحضرت صلعم کو نماز پڑھتے ہوئے
دیکھا، حیران ہوکر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو، آنحضرت صلعم نے سمجھایا اور دعوت اسلام دی
حضرت علی رض نے کہا کہ میں اپنے باپ سے دریافت کرلوں، آنحضرت صلعم نے فرمایا
کہ اے علی اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے نہ سہی مگر اس واقعہ کا تذکرہ ابو طالب سے
نہ کرنا، حضرت علی رض نے ایسا ہی کیا، مگر دوسرے دن خدا نے اُن کے دل میں اسلام
کی محبت ڈال دی، اور آپ نے اسلام قبول کرلیا، مگر باپ سے پوشیدہ ہی رکھا، یہ روایت
بھی ناقابلِ اعتبار ہے، بہرحال اگر ان تمام روایتوں پر اعتبار بھی کیا جائے تو کوئی فضیلت
محض سبقت یعنی قبول اسلام میں نظر نہیں آتی جب تک قبول اسلام کے ساتھ خدمات
کا ثبوت نہ ہو؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہجرت سے پیشتر جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں جو لوگ ایمان
لائے ہر ایک مصیبت میں مبتلا رہے جس کا مقابلہ وہ صبر سے کرتے رہے اس لئے
ان لوگوں کا ایمان اور عمل قابل تعریف ہے، چونکہ یہ لوگ سابقین اولین تھے اس لئے
امتیاز پیدا کرنے کے لئے ان کو "السابقون الاولون" سے مخاطب کیا گیا، لیکن اس میں
انصار بھی ایسے ہی شامل ہیں جیسے مہاجرین، اور اگر سبقت الی الاسلام پر استحقاق
خلافت کا انحصار ہوتا تو انصار خلافت سے کیوں محروم رہتے، بات اصل میں یہ ہے
کہ اس وقت قریش ہی خلافت کے اہل تھے اور وہی خلیفہ یکے بعد دیگرے ہوتے
رہے، قریش میں سے وہ اشخاص منتخب ہوئے جن کی ذات میں امتیازی

خوبیاں بدرجۂ اول موجود تھیں، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خلافت اُنہی لوگوں کو ملی جو اس کے اہل تھے اور وہی مستحق تھے، بہرحال وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الآیۃ کا تعلق خلافت سے نہیں ہے۔

یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبرؓ سے پیشتر اور لوگ بھی ایمان لائے ہوں مگر دیگر خلفاء سے وہ سبقت لے گئے تھے۔

صدیق اکبرؓ کے خاندان کے متعلق مختصر حالات میں چند امور کا تذکرہ بفائدہ ہوگا شجرۂ نسب کے دیکھنے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ صدیق اکبرؓ کا تعلق آنحضرتؐ اور دیگر صحابہ کرام سے کیا ہے، آپ کے والد عثمان ابو قحافہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، آپ ضعیف العمر تھے، بال سفید براق تھے، صدیق اکبرؓ ان کو اُٹھا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس شیخ کو گھر ہی میں رہنے دیتے تو یقیناً ہم خود اُن کے دیکھنے کے لئے وہیں جاتے،، اس کے بعد آنحضرتؐ نے اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم اسلام لاؤ، آتش دوزخ سے بچ جاؤ گے، ابو قحافہ ایمان لائے، ۱۴ھ میں خلافت فاروق اعظم رضؓ میں چورانوے برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

صدیق اکبرؓ کی والدہ محترمہ ام الخیر سلمےٰ رضؓ قدیم الاسلام ہیں اور صدیق اکبرؓ کے بعد اسلام لائیں۔

صدیق اکبرؓ نے دو نکاح ایام جاہلیت میں کئے، ایک قتیلہ بنت عبد العزےٰ بن عامر بن لوی کے ساتھ جس سے اسماء و عبداللہ پیدا ہوئے دوسرا نکاح ام رومان وعد بنت عامر بن عمیر کنانہ کے ساتھ کیا، جس سے عبدالرحمٰن اور عائشہ رضؓ پیدا ہوئیں اور دو نکاح اسلام کے دور ذورہ میں کیئے ایک اسماء بنت عمیس سے جو جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں اُن سے محمد رضؓ پیدا ہوئے اور دوسرا حبیبہ بنت خارجہ بن زید انصاری سے کیا جس سے آپ کی وفات کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں، صدیق اکبرؓ کے سوا کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ اُن کے

والدین اور بیٹے اور پوتے صحابی تھے،

عبد الرحمن رضہ ان کی کنیت ابو محمد ہے، صحابہ میں سے کوئی چار شخص بھی ایسے نہیں ہیں جن کی چار پشت کے لوگ اسلام لائے ہوں اور صحابی ہوں سوا ابو قحافہ اور اُن کے بیٹے عبد الرحمن اور اُن کے بیٹے محمد ابو عتیق کے غزوہ بدر اور احد میں عبد الرحمن کافروں کی طرف سے شریک تھے، میدان جنگ میں نکل کر مبارز طلب کیا تو صدیق اکبر رضہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے مگر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے ابو بکر تم میرے ہی پاس رہو، عبد الرحمن بہادر اور اچھے تیر انداز تھے حدیبیہ میں اسلام لائے، اُن کا اصل نام عبد الکعبہ یا عبد العزےٰ تھا، رسول اللہ نے بدلکر عبد الرحمن رکھا،

خالد بن ولید کے ساتھ جنگ یمامہ میں شریک تھے، اہل یمامہ کے سات بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کیا جن میں سے محکم یمامہ بن طفیل بھی تھا، یہ شخص قلعہ یمامہ کی شکستہ دیوار پر بیٹھا ہوا تیر اندازی کرتا تھا، مسلمان چاہتے تھے کہ اسی طرف سے حملہ کر کے قلعہ مسخر کریں، مگر محکم بڑھنے نہ دیتا تھا، عبد الرحمن نے ایک تیر مارا جو اُس کے سینہ میں ترازو ہو گیا، اور مسلمانوں نے قلعہ لے لیا،

خلافت راشدہ میں عبد الرحمن سے شائستہ خدمات ظہور میں آئیں، جب امیر معاویہ رضہ نے مروان کو لکھا کہ میرے بیٹے یزید کے لئے بیعت لی جائے تو عبد الرحمن نے کہا کہ معاویہ ہرقل (قیصر روم) کی سنت زندہ کرنا چاہتا ہے کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل جانشین ہوتا رہے، سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ۵۳ھ میں غالباً فوت ہوئے، مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک مکان میں فوت ہوئے اور مکہ میں دفن ہوئے، حضرت عائشہ رضہ کے حقیقی بھائی تھے، ام المؤمنین بارادۂ حج مکہ میں آئیں تو بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا:-

وكنا كندمانى جذيمة حقبة

ہم دونوں مثل خذیمہ (بادشاہ عراق) کے دو ہم پشتوں کے تھے

من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

ہم پر اسی طرح زمانہ گذر گیا یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے کہ ہم دونو جدا نہونگے

فلما تفرقنا کانی و مالکا

مگر جب ہم اور مالک اس قدر طویل یکجائی کے جدا ہوئے

لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

توگو یا ہم ایک رات بھی ساتھ مل کر نہ رہے تھے

عبدالرحمن رض صدیق اکبر رض کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔

عبداللہ قدیم الاسلام ہیں جوان اور بہادر صحابی تھے جب رسول اللہ صلعم اور صدیق اکبر رض مکہ چھوڑ کر غار ثور میں آئے تو عبداللہ کفار مکہ کی خبریں پہنچایا کرتے اور کھانا لاتے غزوہ طائف میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ تھے۔ ایک تیر کا زخم ایسا کاری لگا کہ مدت العمر نہ بھرا، فتح مکہ اور حنین میں بھی شامل ہوئے اور سلہ ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد سنہ ھ میں حجۃ الوداع کے دن بمقام ذی الحلیفہ پیدا ہوا حضرت علی رض کے پرجوش معاونین میں سے تہا، خلافت عثمان رض میں یہ بھی شورہ پشتوں میں سے تھا حضرت علی رض نے اس کو مصر کا والی مقرر کیا۔ یہاں امیر معاویہ کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، مصر میں ہوا خواہان معاویہ زور پر تھے، محمد نے دو دفعہ اُن پر فوج کشی کی اور شکست کھائی حضرت علی رض سے امداد طلب کی، آپ نے مالک بن اشتر کو روانہ کیا جو راستہ ہی میں فوت ہوگئے محمد نے ارادہ کیا کہ ایک دفعہ خوب دل کھول کر مخالفین سے فیصلہ کن جنگ کی جائے، چنانچہ سازوسامان بہم پہنچا کر نکلے، مقابلہ میں معاویہ بن خدیج تھا محمد کے ساتھ اسوقت چار ہزار کی جمعیت تہی، اور معاویہ بن خدیج کا لڑکا باپ کے برخلاف محمد کے ساتھ تھا، معاویہ بن خدیج میں تو تاب مقابلہ نہ تہی، مگر اس اثنا میں عمرو بن العاص سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ جو امیر معاویہ رض نے مالک بن اشتر کے مقابلہ کے لئے روانہ کی تہی مصر میں اُتر آیا، محمد کا بھائی عبدالرحمن عمرو بن العاص کے ساتھ تھا، شہر کے اندر اور باہر قتل و غارت کا بازار گرم تہا، اور محمد رض کس مپرسی کی حالت میں مارا گیا۔

اسماء صدیق اکبر رض کی بڑی بیٹی ہے نکاح حضرت زبیر رض سے ہوا جو عشرہ مبشرہ میں سے

ایک ہیں، آپ کے بطن سے عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے جو اسمار کے علم وعمل کی روح تھے، ہجرت کے پہلے سال میں پیدا ہوئے ان کی پیدائش کے وقت تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے، یہود کہا کرتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اب ان کی اولاد نہ ہوگی، اس لئے اُن کی پیدائش پر مسلمانوں کو ازحد خوشی ہوئی، حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ کی خدمت میں لائے تو آنحضرتؐ نے خرمے کو اپنے دہن مبارک میں چبا کر اُن کے تالو پر ملا، یزید کے مرنے کے بعد ان کی بیعت کی گئی اور ان کی خلافت عبدالملک بن مروان کی تخت نشینی تک رہی، اُس کے عہد میں حجاج بن یوسف ثقفی نے مکہ کا محاصرہ ڈالا، جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کئے جن سے پتھر مسجد حرام پر گرتے تھے، عبداللہ بن زبیر نے دادِ مردانگی دی، جمادی الاخرٰے سنہ ۷۳ھ کا واقعہ ہے کہ عبداللہ اپنی ماں اسمار کے پاس آئے جو اُس وقت بیمار پڑی تھیں اور دیکھ کر کہا کہ "مرنے میں راحت ہے، آپ کی والدہ نے جواب دیا کہ شائد تم نے موت کی آرزو میرے واسطے کی ہے، میں موت کو اُس وقت تک ہرگز پسند نہیں کرتی جب تک مجھے تمہاری دو حالتوں میں سے ایک نہ ظاہر ہوجائے، یا تو تم شہید ہو اور میں تم پر صبر کرکے خدا کے ہاں ثواب کی مستحق ٹھہروں یا تم دشمن پر فتحمند ہو اور میری آنکھ کو ٹھنڈک نصیب ہو" عبداللہ یہ کلام سنکر ہنس پڑے، آخری دن پھر والدہ سے رخصت ہونے کے لیئے آئے، والدہ نے کہا بیٹا! مرنے سے ڈر کر کسی ایسے امر کو ہرگز گوارا نہ کرنا جس میں ذلت ہو، بخدا عزت کے ساتھ تلوار کی مار کھانا ذلت کے کوڑوں سے بہتر ہے، عبداللہ دشمن کے مقابلہ میں آئے، ایک پتھر صفا کی طرف سے آیا اور پیشانی پر لگا، سر جھکا لیا اور کہا:-

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا ولکن علی اعقابنا یقطر الدم

ہماری ایڑیوں پر ہمارے زخموں کا خون نہیں گرتا لیکن ہمارے قدموں پر خون گرتا ہے

لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شہید کرڈالا، اور سولی پر لٹکا دیا، والدہ بھی گرفتار ہوکر حجاج کے روبرو لائی گئی، رستہ میں بیٹے کو سولی پر دیکھا تو کہا کہ کیا اس سوار کے اترنے

کا وقت نہیں آیا ہے" چند روز کے بعد آپ کا بھی انتقال ہوگیا۔ آپ کی عمر سو برس کی ہوئی، عائشہ صدیقہ رض سے دس سال بڑی تھیں۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رض کے حالات کے لئے ایک دفتر درکار ہے ہم چند واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

صدیقہ آپ کا لقب غالباً آپ کے والد صدیق اکبر رض کے لقب کی رعایت کے لئے مشہور ہوا، روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے مکہ میں آپ سے سات سال کی عمر میں نکاح کیا، اور تین سال بعد مدینہ میں زفاف کیا، یہ روایت بالکل غلط ہے، اسماء آپ کی بہن آپ سے دس سال بڑی تھیں جن کا انتقال ۷۳ھ میں ہوا ہجرت کے وقت اسماء ستائیس سال کی تھی: اس لئے صدیقہ کی عمر سترہ سال ہوگی، علاوہ ازیں ہم یقین نہیں کر سکتے کہ رسول کریم صلعم صغرسنی کی شادی کے حامی ہوں جبکہ قرآن مجید میں نکاح کے متعلق اصل اصول بھی مفصل بیان کیا گیا ہے:

وابتلوا الیتٰمیٰ حتی اذا بلغوا النکاح ان یکبروا (۴-۱۲)

اگرچہ سالوں میں نکاح کے متعلق کسی خاص وقت کا تعین نہیں کیا گیا اور نہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ گرم اور سرد ممالک کی آب و ہوا میں فرق ہے لیکن "بلوغت" کی ہر ایک ملک میں یکساں حد ہے، حضرت عائشہ صدیقہ کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا، اس لئے اُن کی عمر پچہتر برس ہوئی۔

دوسرا واقعہ "افک کے متعلق ہے" سبحٰنک ھٰذا بھتان عظیم روایتیں اور حکایتیں آیۃ ان الذین جاؤ بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوا شرا لکم بل ھو خیر لکم لکل امری منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی منھم لہ عذاب عظیم پر وضع کی گئی ہیں، جن کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ مدینہ میں منافقین کی کثرت تھی جن کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، یہ لوگ مسلمانوں کی نسبت طرح طرح کی افواہیں اُڑاتے، مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں میں نفاق پیدا ہو، ایسے لوگوں کی نسبت جو اسلام قبول کرنے کے لئے آتے یہ مشہور کر دیتے

کہ حملہ آور ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ بنو المصطلق کی نسبت بھی یہی مشہور کر رکھا تھا
جیسا کہ آیۂ یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ
فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس
کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو کہیں جا نہ ٹھیرو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے
کئے پر پچھتانے لگو) غالباً غزوۂ بنی المصطلق بھی غلط فہمی کا ہی نتیجہ تھا، کیونکہ اس لڑائی
میں کوئی شخص شہید نہیں ہوا، ایک صحابی کی شہادت دھوکہ میں بیان کی جاتی ہے
اور مخالف فریق کے مقتولین کی تعداد معلوم نہیں، بات اصل میں یہ معلوم ہوتی ہے
کہ کوئی لڑائی واقع نہیں ہوئی ؎

منافقین مسلمانوں کے گھروں میں نزاع پیدا کرنے کے لئے مسلمان
عورتوں پر تہمت لگاتے اور ان باتوں کا چرچا کرتے، ان ہی لوگوں کے حق
میں آیۃ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب
الیم فی الدنیا والآخرۃ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون" مفصل ہے، اور
ان ہی پاک دامن عورتوں کو آیۃ ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت
المؤمنٰت لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذاب عظیم" ہر ایک تہمت سے
بری قرار دیتی ہے ؎

چونکہ اس قسم کی باتوں کے چرچا سے مسلمانوں میں فساد عظیم کا اندیشہ تھا
اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی اس طرح فیصلہ فرما دیا کہ والذین یرمون المحصنٰت
ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم
شھادۃ ابدا اولٰئک ھم الفٰسقون الآیۃ،

سورۂ نور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی افواہیں منافقین
عام "محصنٰت" کے متعلق اڑاتے تھے اور مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگیاں
ہوں، ہمیں تو کسی آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ
کی نسبت ایسی تہمت لگائی گئی تھی، اور اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے

مطابق تہمت لگانے والوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہیے تھا کہ چار گواہ پیش کریں، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی بریت کا شاہد ہوتا، اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کے اعمال سے خوب واقف ہے، اور اگر بریت کی وقعت لوگوں کی نظروں میں نہ ہوتی تو اس کے متعلق مفصل احکام کی ضرورت نہ تھی، بریت یہی ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ محض تہمت ہے، اس لئے شہادت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی شہادت ایمانداروں کے لئے بیشک کافی ہے، لیکن مخالفین کی چہ میگوئیوں کا سد باب اس طرح نہیں ہو سکتا، اس لئے تہمت لگانے والوں کو موقع دیا گیا ہے کہ چار گواہ پیش کریں "فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک ھم الکذبون"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب فاسق ایسی باتوں کا چرچا کرتے تو مسلمان بھی چہ میگوئیاں کرتے اس سے منع کیا گیا "اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم" اور یہ ہدایت کی گئی کہ ایسی باتوں کا چرچا نہ کرو، ایسے چرچا کا عموماً یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ تہمت لگانے والوں کا پتہ نہیں ملتا اور ہر ایک شخص دوسرے سے روایت کرتا ہوا ایک دوسرے کو متہم بناتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسی افواہوں کا نتیجہ فتنۂ عظیم ہوتا، "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ فی الدنیا والاخرۃ لمسکم فیما افضتم فیہ عذاب عظیم" اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شہادت کے نہایت ہی معقول طریقہ کی طرف توجہ دلائی، "ویبین اللہ لکم الایٰت واللہ علیم حکیم"، جو بات قرآن مجید میں عام محصنٰت کے متعلق ہے وہ روایتوں اور حکایتوں کے رد سے صرف عائشہ صدیقہ کے لئے خاص ہے۔

جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے اور اس کا فروغ کبھی دیرپا نہیں ہوتا، لیکن جھوٹ کے شائع کرنے والے بالکل بے سروپا افواہیں نہیں اڑایا کرتے، جھوٹ کو سچ کے ساتھ ملا کر روایتوں اور حکایتوں کے پیرایہ میں شائع کرتے ہیں جو آناً فاناً مشتہر ہو جاتا ہے اور چونکہ ایسا جھوٹ معقولیت سے خالی نہیں ہوتا اس پر یقین بھی کیا جاتا ہے، بے شمار ایسی باتیں ہیں جو آج تاریخی واقعات کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن

اگر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ "دو پیمانہ آب است و یک چمچہ دوغ"، واقعہ
افک کی اصلیت تو یہی کچھ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس کے ساتھ ایک اور
تاریخی واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عائشہ صدیقہ نے اپنی بڑی بہن اسماء سے ایک ہار
جو پتھر کے منکوں کا تھا عاریتاً لیا ہوا تھا، غزوہ بنی المصطلق میں ایک شب یہ ہار گم ہو گیا
تلاش کی گئی کیونکہ یہ شے عاریتاً لی ہوئی تھی۔ یہ ہار ہی اونٹ کے پہلو میں ملا جس پر
صدیقہ سوار ہوا کرتی تھی۔ ان واقعات کے ساتھ جھوٹی روایتوں کی آمیزش نے
[illegible] واقعات کی حیثیت میں ظاہر کیا۔

بات اصل یہ ہے کہ مسلمانوں پر سیاسیات کی پیچیدگیوں کے باعث
ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جب لوگ خلفاء راشدین اور بنو ہاشم وغیرہ کے فضائل
[illegible] اور انہی فضائل کی بدولت مسلمانوں میں تفرقہ عظیم
پیدا ہوا۔ تمام فرقوں کی بنیاد انہی فضائل کے باعث ہوئی۔ چونکہ قرآن مجید میں
صدیقہ کی [illegible] ان تہمتوں سے بریت ظاہر ہوتی ہے اور جس کی
عصمت کی شہادت خود خدا نے دی ہے اس کی فضیلت میں شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔
اس لئے [illegible] صدیقہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے ان آیات کا
[illegible] مفسرین نے صدیق اکبرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اگر کسی
صحابی کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ صحابی نہیں تو مضائقہ نہیں لیکن اگر صدیق اکبرؓ کی
نسبت ایسا کہا جائے تو کفر ہے کیونکہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی شہادت موجود ہے
کہ "اذ یقول لصاحبہ الآیۃ" اسی طرح ان خوش اعتقادوں کی رائے میں کسی اور عورت کی
عصمت کی نسبت شبہ ہو تو ہو مگر صدیقہ کی نسبت ایسی بدظنی کفر ہے کیونکہ ان کی
عصمت کا شاہد خود خدا ہے، گویا نص قرآنی کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔

عُمّال

صدیق اکبرؓ کی عہد خلافت میں کتابت علی ابن ابی طالبؓ اور زید بن ثابتؓ اور عثمان

بن عفان کرتے تھے اور امین الامتہ ابو عبیدہؓ بیت المال اور عمرؓ بن خطاب دار القضا کے متولی تھے، ان بزرگوں کا تذکرہ محتاج بیان نہیں۔

مکہ میں عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ قریشی اموی عامل تھے، ان کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابو محمد تھی، واقعہ فتح مکہ میں ایمان لائے، آنحضرتؐ جب محاصرہ طایف سے واپس تشریف لائے تو عتابؓ کو مکہ کا عامل مقرر فرمایا، اور فرمایا کہ "اے عتاب تم جانتے ہو کہ میں نے تم کو کن لوگوں پر عامل بنایا ہے اگر میں ان کے لئے تم سے بہتر کسی اور کو سمجھتا تو اسی کو عامل بناتا"۔ عتاب نہایت زاہد اور متورع اور جوان صالح تھے اس وقت ان کی عمر بیس برس سے کچھ متجاوز تھی، اور معاذ بن جبل کو بغرض تعلیم قرآن مکہ میں چھوڑا، یہ واقعہ ذیقعد ۸ھ کا ہے۔ اس سال کل مسلمانوں نے حج اسی صورت سے ادا کیا جس طرح اس سے پیشتر عرب جاہلیت کیا کرتے تھے، اس لئے آئندہ سال ۹ھ میں ابو بکر صدیقؓ اکبر امیر حج مقرر ہو کر مدینہ سے آئے، اور سورہ برات پڑھکر تمام مشرکانہ رسوم کے برخلاف اعلان کیا کہ آئندہ نہ ہوں گی۔

عتابؓ رسول کریمؐ کی وفات تک برابر عامل مکہ رہے اور صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو بحال رکھا، اتفاق کی بات ہے کہ جس روز صدیق اکبرؓ کا انتقال ہوا اسی دن عتاب نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی، رسول کریمؐ نے دو درہم (قریباً ۸ ر) روزانہ وظیفہ مقرر فرما دیا تھا، چنانچہ عتابؓ کہا کرتے کہ میں نے اس وظیفہ کے سوا اور کچھ کسی سے نہیں لیا، اگر کسی کو دعویٰ ہو تو کہے کہ عتاب نے مجھ سے کچھ لیا ہے رسول اللہؐ نے دو درہم میرا وظیفہ مقرر فرمایا جس کو دو درہم روزانہ سیر نہ کر سکیں اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے"۔

"طایف" میں عثمان بن ابی العاصؓ بن بشر بن عبد بن دہمان بن عبد اللہ بن ہمام بن ریان بن عیار بن مالک بن حطیط بن جشم بن ثقیف ثقفی عامل تھے، ثقیف کے وفود کے ساتھ مدینہ میں آئے، سب سے زیادہ کم سن اور نوجوان انتیس برس کے تھے مسایل دینی اور قرآن کے سیکھنے میں زیادہ حریص تھے، چنانچہ صدیق اکبرؓ نے عرض کی

کہ یا رسول اللہ صلعم میں اس لڑکے کو مسائل دینی اور قرآن کے سیکھنے میں زیادہ حریص پاتا ہوں" رسول کریم صلعم نے ان ہی کو ان لوگوں کا امیر مقرر فرمایا، اور عثمان رضہ رسول کریم کی زندگی اور خلافت صدیق اکبر رضہ اور خلافت فاروق اعظم رضہ کے ابتدائی دو سال تک طائف کے عامل رہے، فاروق اعظم رضہ نے آپ کو سنہ ۱۵ھ میں عمان اور بحرین کا عامل مقرر کر دیا، خلافت فاروق اعظم رضہ اور ذی النورین میں کئی برس تک آپ سرگرم جہاد رہے، اور آخر کار بصرہ کی سکونت اختیار کی، حسن بصری رح نے اکثر احادیث اُن سے روایت کی ہیں، مگر غالباً بلا واسطہ اُنسے کوئی حدیث نہیں ملتی۔

خلافت صدیق اکبر رضہ میں اہل طائف بھی ارتدت کی طرف مائل تھے مگر عثمان رضہ کا یہ اثر تھا کہ مخالفت سے باز آئے اور بالآخر تائب ہوئے، آپ کا انتقال بصرہ میں سنہ ۵۱ھ میں ہوا۔

زبیدہ و زمع بن عبد اللہ ابو موسیٰ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن عدی بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر بن ادد بن شجب عامل تھے، رسول اللہ صلعم نے اُن کو زبید اور عدن کا عامل مقرر فرمایا تھا اور صدیق اکبر رضہ نے بحال رکھا۔

سابقین اولین میں سے ہیں، حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جعفر طیار کی ہمراہ فتح خیبر کے بعد حبش سے مدینہ میں آ گئے، فاروق اعظم رضہ نے ان کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا، ایک دفعہ خبر ملی کہ کچھ لوگ نماز جمعہ میں اس لئے شریک نہیں ہوتے کہ اُن کے پاس کافی کپڑے نہیں ہیں اس لئے آپ صرف ایک عبا پہن کر نکلا کرتے، سنہ ۱۹ھ میں سعد بن وقاص رضہ کے ماتحت "نصیبین" فتح کیا، اور "اہواز" ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، سنہ ۲۳ھ میں اصفہان کو مسخر کیا۔

فاروق اعظم رضہ نے مغیرہ کے عزل کے بعد اُن کو بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ ذی النورین نے بحال رکھا مگر بعد ازاں اُن کو معزول کر کے ابن عامر کو مقرر کیا، ابو موسیٰ رضہ بصرہ سے کوفہ میں چلے آئے، اُس وقت کوفہ میں سعید بن عاص عامل تھے، اہل کوفہ نے اُن کو

نکال دیا، اور ذی النورین اہل کوفہ کی درخواست پر ابوموسیٰ کو کوفہ کا عامل بنا دیا، شہادت عثمان کے بعد جب پایہ خلافت کوفہ میں منتقل ہوا تو ابوموسیٰ کا عمل جاتا رہا، ہوا خواہان علیؓ میں سے تھے واقعہ صفین کے بعد حضرت علیؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے اور اور عمرو بن العاص جو امیر معاویہ کی طرف حکم تھا دومۃ الجندل میں حضرت علیؑ کے برخلاف فیصلہ صادر کیا، ۴۳ھ یا ۴۴ھ میں بمقام کوفہ اور بعض روایات کے رو سے بمقام مکہ وفات پائی؎

"حضرموت" میں زیاد ابن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن ذائق بن عبد حارثہ بن مالک بن عقب بن جشیم بن خزرج بن ثعلبہ انصاری خزرجی بیاضی عامل تھے؎ کنیت ابو عبداللہ ہے، ہجرت سے پیشتر مکہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایمان لائے اور ہجرت تک وہیں رہے، جب مدینہ کی طرف مسلمان ہجرت کرنے لگے تو یہ بھی مدینہ میں آگئے، اس لئے آپ کو مہاجری انصاری کہتے ہیں، بیعت عقبہ اور غزوہ بدر اور احد اور خندق اور تمام مشاہد میں رسول اللہؐ کے ہمراہ شریک تھے؎ آنحضرتؐ نے آپ کو حضرموت کا عامل بنایا اور صدیق اکبرؓ نے انکا عمل بحال رکھا۔ آپ کی وفات شروع عہد امیر معاویہ میں ہوئی؎

"نجران" میں جریر بن عبداللہ بن جابر شلیل بن مالک بن نصر بن ثعلبہ بن جشم بن عوف بن خزیمہ بن حرب بن علی بن مالک بن سعد بن نذیر بن قسر بن عبقر بن انمار بن اراش عامل تھے، قبیلہ بجیلہ سے ہیں۔ رسول کریمؐ کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لائے تھے بہت خوبصورت تھے؎ حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے کہ اس امت کے یوسف ہیں یہ اپنی قوم کے سردار تھے جب آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو آنحضرتؐ نے آپ کی بہت عظمت کی اور فرمایا کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کی عظمت کرو عراق کی لڑائیوں یعنی قادسیہ وغیرہ میں ان سے کارہائے نمایاں ظہور میں آئے بجلیہ کے لوگ متفرق رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو یکجا کیا اور جریرؓ کو ان پر سردار مقرر کیا، کوفہ میں سکونت اختیار کی اور جب یہاں خلافت منتقل ہوئی تو قیساریہ میں آگئے اور اسی جگہ

بمقام "سراۃ" سنہ ۱۸ھ میں وفات پائی۔

بحرین میں علا بن عبداللہ حضرمی بن عباد بن اکبر بن ربیعہ بن مالک بن عویف بن مالک بن خزرج ابن ابی بن خلاف عامل تھے، قبیلہ حضرموت سے تھے، رسول اللہؐ نے انکو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے بھی ان کو بحال رکھا، خلافت فاروقی میں ۲۱ھ میں انتقال فرمایا۔ انکے ایک بھائی میمون بن حضرمی نے ایام جاہلیت میں مکہ کی بلندی پر ایک کنواں کھدوایا جو بیر میمون کے نام سے مشہور ہے، روئت بحرین کے ضمن میں علاوہ کارنمایاں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ "دومۃ الجندل" میں عیاض بن غنم بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن وہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر قریشی عامل تھے، کنیت ابوسعد یا ابوسعید تھی حدیبیہ سے پیشتر اسلام لائے اور غزوہ حدیبیہ میں شریک تھے، شام میں اپنے چچا ابوعبیدہ بن جراح کے ساتھ لڑائیوں میں شریک تھے، ابوعبیدہ کا انتقال ہوا تو اپنی جگہ عیاض ہی کو سپہ سالار مقرر فرمایا، فاروق اعظمؓ نے یہ کہہ کر بحال رکھا کہ "ابوعبیدہؓ جس کو سردار مقرر کر گئے ہیں اسکو معزول نہیں کرونگا" بلاد جزیرہ کو مسخر کیا، وفات سنہ ۲۰ھ میں ہوئی۔ بڑے نیک اور بزرگ اور سخی تھے، سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا لوگوں کو کھلا دیتے، کچھ پاس نہ ہوتا تو سواری کا اونٹ ذبح کر کے کھلا دیتے، اس لئے لوگوں میں "زاد الراکب" مشہور تھے۔

"جند" میں معاذ بن جبل انصاری خزرجی عامل تھے، آپ ان ستر اصحاب رسول اللہ میں سے تھے جو بیعت عقبہ ثانی میں حاضر تھے، بیعت عقبہ ثانی میں اہل مدینہ کے ستر آدمیوں اور دو یا تین عورتوں نے مکہ میں آنحضرتؐ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور آنحضرت کو مدینہ کی طرف ہجرت کی تحریک کی، اس بیعت کے بعد مدینہ میں اسلام کی اشاعت سرعت کے ساتھ ہونے لگی، جنگ بدر اور تمام مشاہد میں شریک رہے، حافظ قرآن تھے، اور آنحضرتؐ نے اُن کو مکہ اور یمن میں تعلیم قرآن اور مسائل دین سکھلانے کے لئے روانہ فرمایا تھا، اٹھارہ برس کی عمر میں اسلام لائے اور تمام عمر خدمت اسلام میں صرف کر دی۔

"سیغہ جنگ" میں ابوعبیدہ اور خالد بن ولید اور شرجبیل بن حسنہؓ و یزیدؓ اور عمرو بن العاص اولی الامر تھے، انشاء اللہ تعالےٰ تمام عمال اور اولی الامر خلافت راشدہ

کا مفصل تذکرہ ہم لکھیں گے، وما توفیقی الا باللہ؛

عمال اور اولی الامر کا تقرر خلافت صدیق اکبرؓ میں مختلف مقامات پر سے خود رسول کریمؐ اپنی زندگی میں فرما چکے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت کا منشا یہی سمجھا ہوا تھا کہ ہر ایک کام جو رسول کریمؐ نے ادھورا چھوڑا تھا تکمیل تک پہنچایا جائے اور رسول کریمؐ کو ہر ایک کام میں رہنما بنایا جائے، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، آپ فرمایا کرتے کہ جس کو رسول اللہؐ نے مقرر فرمایا میں اُس کو معزول نہ کروں گا، جو کام رسول اللہؐ نے شروع کیا میں اُس کو ادھورا نہ چھوڑوں گا، ان عمال سے جن کا تقرر رسول اللہؐ فرما چکے تھے یہ توقع تھی کہ وہی کام کریں گے جو رسول اللہؐ کے ارشاد کے مطابق تھا۔ صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ عہد نبوت کے بہت مشابہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اقرب ہے، واقعات شاہد ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا ہر ایک کام نیک نیتی پر مبنی تھا اور اس سے بڑھ کر آپ کے علم و فضل کی اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کی خلافت کی وصیت کی جس کی بیعت میں اختلاف واقع نہ ہوا اور جس کے زرین کارناموں سے تاریخ اسلام کے صفحات مزین ہیں؛ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ہ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ہ

دیوان حافظ مترجم

و شرح اردو معہ مفصل سوانحعمری و فالنامہ حافظ صاحب

سبحان اللہ کہ یہ کلام مشہور خاص و عام از لسان الغیب جناب شمس الدین محمد خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ الباری کس بلند پایہ کا ہے صوفیان صفا کیش اس کے حرف حرف پر وجد میں آتے ہیں اور علمائے ظاہر بدل اس کے شعر شعر پر مرتے ہیں اور اولیائے کرام و عظام اس کو وظیفہ سمجھتے ہیں رندان جہان گرد اسی کی لے میں عمر بسر کرتے ہیں۔ متوکلان الی اللہ اس کتاب کے خزانہ سے اپنی بغلیں پُر رکھتے ہیں چونکہ ہر ایک زمانہ اور ہر حال میں مختلف ایڈیشنوں میں یہی کتاب چھپتی رہی ہے! اور اپنی مقبولیت کے لحاظ سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتی رہی ہے۔ پس ہم نے عام اصرار اور خواہش کے مطابق اس کے اردو ترجمہ و شرح کیلئے ارادہ ظاہر کیا تو جناب منشی خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے امرتسری آفیسر خزانہ پورٹ بلیر انڈمان نے کمال تلطف و شفقت سے اس اہم کام کا بیڑا اپنے ذمہ لیا! اور کچھ مدت میں یہ ترجمہ و شرح تیار کر چکے۔ پس اب ہم نے بصرف زر کثیر اس کی لکھائی وغیرہ نہایت اعلےٰ انداز سے کرا کر بڑے اعلےٰ کاغذ پر طبع کرایا ہے اور مفصل سوانحعمری جناب حضرت خواجہ صاحب معہ فالنامہ صحیحہ کے شروع [illegible] ملحق کردیا ہے۔ گویا اب یہ سونا کندن کیا ہوا لائق خریداری خریداران ہے ہر ایک شعر کے [illegible] کے نیم حصہ صفحہ میں بڑی مبسوط شرح ہے اہل کمال حضرات نے ہماری [illegible] دی ہے۔ اور اب یہ کتاب دست بدست فروخت ہو رہی ہے امید کہ [illegible] ے ایڈیشن کی ضرورت پڑے گی شائقین بہت جلد اپنی [illegible] فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ورنہ موقعہ [illegible] گا قیمت [illegible]

المشتہر [illegible]

شیخ الہی بخش محمد جلال [illegible] تاجران کتب بازار کشمیری

لاہور